خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

# ردا ڈائجسٹ

JULY
2020

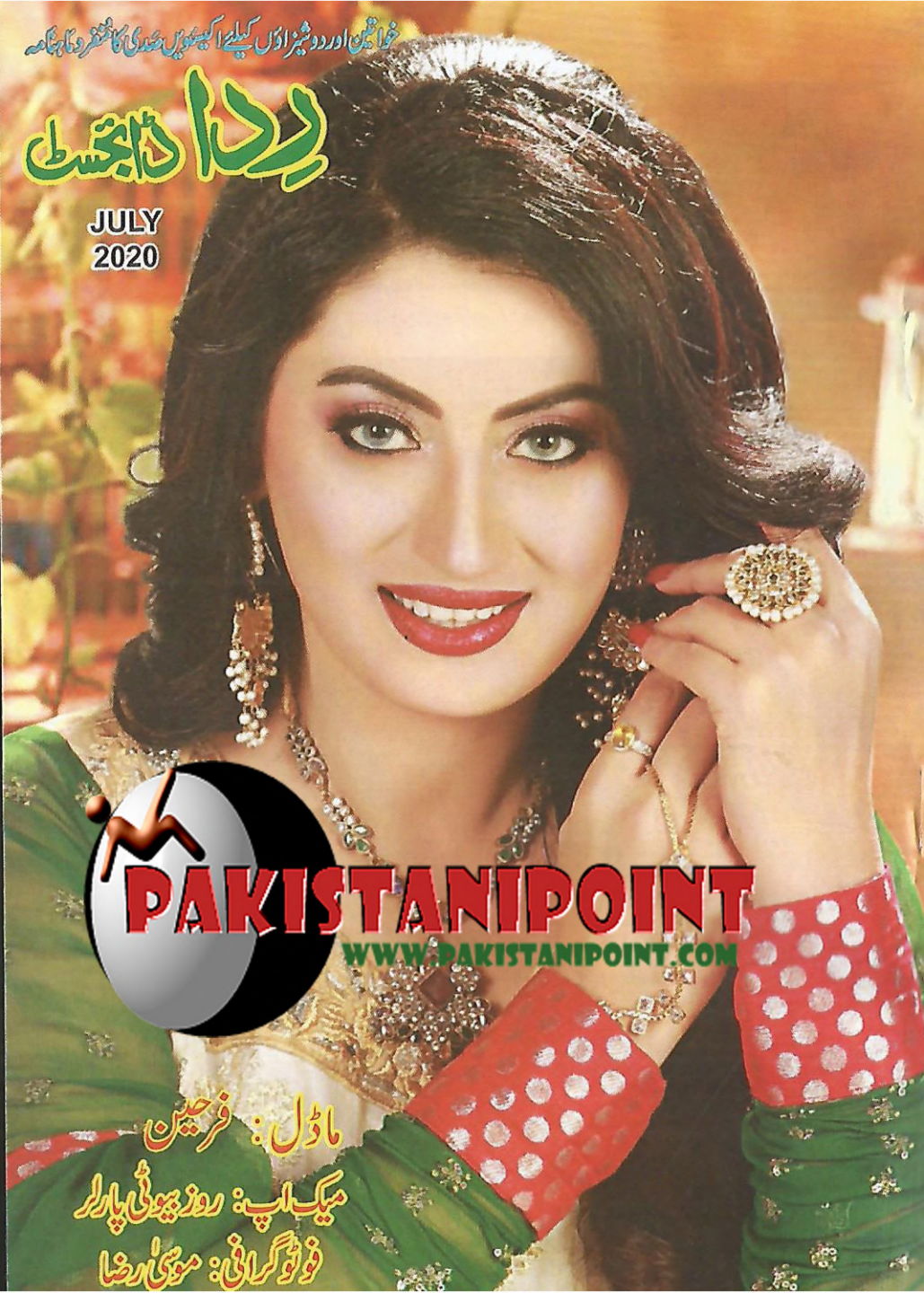

PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

ماڈل: فرحین

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

گوشہ آگہی — صالحہ محمود


## سلسلے وار ناول


| | | |
|---|---|---|
| دل ہے آوارہ | عائشہ ذوالفقار | ۱۰ |
| ہم ہار گئے جاناں | سیما شاہد | ۶۴ |
| میں مسیحا | ایقان علی | ۸۸ |
| خوشبو ہے کہ تم ہو | سباس گل | ۱۵۲ |


## مکمل ناول


| | | |
|---|---|---|
| زندگی کے رنگ | نظیر فاطمہ | ۲۴ |
| سنگ آہن ربا | زرقا بھٹی | ۱۱۶ |


## افسانے


| | | |
|---|---|---|
| آئینہ دل | کنیز زہرا | ۵۲ |
| سیکنڈ چوائس | علیزے شیخ | ۵۹ |
| پیار کی جیت | سحرش خان | ۸۲ |
| شاہ بلوط | زیبا حسن مخدوم | ۹۷ |
| ایک دن کی دلہن | غزل مستوئی | ۱۰۱ |
| برانڈڈ فیصلہ | میمونہ چوہدری | ۱۰۱ |
| تعبیر خواب | سمیہ مغل | ۱۰۳ |
| امتحانی سینٹر | فاطمہ نیازی | ۱۰۶ |
| خواہش | فرح خرم | ۱۰۹ |



E-mail: monthlyreda0325@gmail.com
E-mail: zaheeruddin0325@gmail.com



WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com


ردا ڈائجسٹ کا آفیشل پیج
https://www.facebook.com/Rida-Digest-official-100568511534130/


جولائی 2020ء
جلد نمبر 25 شمارہ نمبر 7
قیمت 100 روپے


زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹرڈ
1200 روپے

34535726


پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی



**انتباہ:-**
ماہنامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشن"۔

## مستقل سلسلے


| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| ردائے جنت | صالحہ محمود | ۷ | اس ماہ میں | تسنیم شریف | ۱۸۰ |
| ردا کی ڈائری | صدف سعد | ۱۷۷ | کچن | ثریا اقبال | ۱۸۹ |
| ذرا پھر سے کہنا | نورین ملک | ۱۸۴ | سنگھار | شہلا مشائق | ۱۹۳ |
| خوشبو | تسنیم شریف | ۱۷۳ | اشعار | حورینہ | ۱۸۷ |

# گوشہ

صالحہ محمود

دعا ہے کہ کرونا ہماری زندگی سے دور چلا جائے آمین

زندگی تھک سی گئی ہے لیکن کام کی رفتار نہیں تھکتی۔ کام، کام زندگی کا مقصد ہے بس کام، کیے جانا جس دن تھک گیا مسافر تو پرندے بھی پر سمیٹ کر اٹھ جاتے ہیں۔ خالی زمین اور بنجر دھوپ پر پھیلے ہوئے سائے بھی ٹھنڈک نہیں دیتے، پاؤں جلنے لگیں تو زمین چھوڑ دیتے ہیں۔ بادل سر پر آئیں تو ہم برسنے کی دعا کرتے ہیں یہی شام وسحر کے پل ہوتے ہیں پھر رات ہوتی ہے، صبح کے آغاز سے ہم پھر سفر باندھ لیتے ہیں۔ ایسے ہی آج کل ملک میں سیاسی ماحول بن گیا ہے۔ کچھ اعداد و شمار ایک کے بعد دوسرے اور تیسرے کی باری آن پہنچی ہے۔ ہر طرف ہاہا کار مچی ہے ہر کوئی اپنی زندگی اور اپنا نام بچا رہا ہے۔ بچنے کی کوشش ناکام ہوگی یا کامیاب، بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا تھا۔ خوب لوٹا کھایا۔ آنے والوں نے جو زادِ راہ میں لوٹا تھا وہ سب چھین لیا گیا۔ غلامی کی زنجیروں سے جنہوں نے آزاد کرایا، انہیں غلام سمجھ کر دوسری شہریت دے دی گئی۔ نام بدل کر ان سے زندگی چھین لی گئی۔ اب ان کی زندگی داؤ پر لگی ہے تو خدا یاد آیا ہے۔ بھلا ایسے پس منظر میں، میں کیا رنگ موسم کی بات کروں۔ گرمی کی شدت جلتے ہوئے کھیت اور کھلیان لیکن پھر بھی تپش دھوپ میں امید کی آس باقی ہے۔ یارب! اب ایسی بارش برسے، کھیت کھلیان سب ہرے بھرے ہو جائیں۔ زندگی کی رفتار نہ رکے یہی سب اب کہانی کا انجام ٹھہر جائے۔ رکتی تو کوئی شے نہیں، نظر ڈالو تو آنی جانی ہر شے ہے، صبح و شام گردش ماہ و بحر چلتے ہوئے دریا آبشار کے جھرنے اور یہ ہمارے ہوا کے جھونکے زمین بھی ساکت نہیں ہے اور نہ ہی فلک پر چاند اور ستارے، تو ہم کیا بھلا بندہ بشر یونہی ایک رفتار زندگی میں ردا بھی شامل ہے۔ جو ابھی آیا کہ پھر نئے شمارے کی تیاری کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ ہم آپ کی محبت میں کبھی نہیں تھکے، جوں کا توں عزم سفر باندھ لیتے ہیں تو آپ بھی ایک عزم سفر کے ساتھ قلم اٹھائیے اور ردا میں لکھ کر تو دیکھئے ہم آپ کو کیا سے کیا بنا دیں گے۔ پھر یہ آپ کے سفر کی بات ہو گی کہ آپ کہاں تک جاتے ہیں اور کہاں پر، پر سمیٹ لیں گے لیکن ہم۔ نئے لکھنے والوں کو ردا گائیڈ کارنر میں ایک بار موقع ضرور دیتے ہیں۔ ردا کی بے حد پذیرائی پر ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں۔ آپ نے بہت اچھا اور منفرد لکھا۔ آپ کے فون کالز اور ای میل سے ہمیں معلوم ہوتا رہتا ہے کہ ردا آپ لوگوں کو کتنا اچھا لگتا ہے لیکن سندیسہ لکھنا مت چھوڑیئے کہ وہ بھی آدھی ملاقات کا ایک سلسلہ رہتا ہے۔ فون کالز اور ای میل دیکھ کر میں یہی کہتی ہوں مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی، اور آپ کا محبت بھرا سندیسہ یاد آ جاتا ہے۔

آپی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

صالحہ محمود

# ادبِ نبوی

## نماز جمعہ طویل، خطبہ اور تقریر مختصر

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ
ں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
وئے سنا ہے کہ "آدمی کا نماز جمعہ طویل پڑھنا اور
طبہ اور تقریر مختصر دینا اس کی دینی سوجھ بوجھ کی
لامت ہے۔ پس نماز جمعہ طویل پڑھا کرو اور خطبہ
ور تقریر مختصر دیا کرو۔" (صحیح مسلم شریف)

## عبادت میں وقار اور سکون

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں
نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
وئے سنا ہے کہ "جب نماز شروع ہو جائے تو جماعت
ں شامل ہونے کے لیے دوڑ کر مت آؤ بلکہ ایسی
ال چل کر آؤ جس سے وقار اور طمانیت ظاہر ہو۔
نا حصہ نماز کا پالو اسے جماعت کے ساتھ پڑھ لو اور
حصہ چھوٹ گیا ہو اسے بعد میں پورا کر لو۔ (صحیح
اری، صحیح مسلم) مسلم کی روایت میں اتنا مزید اضافہ
ہے کہ تم میں سے کوئی جب ارادہ کر کے نماز کے لیے
ں پڑتا ہے تو وہ نمازی کے حکم میں شمار ہوتا ہے۔"

## کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے
عانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے سے پہلے انہیں
مال وغیرہ سے صاف نہ کرے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

## انگلیوں سے برتن صاف کرنا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب
ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد انگلیاں
رسالن کا برتن چاٹنے (انگلیوں سے صاف کرنے)
کی ہدایت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ "تم نہیں
جانتے کہ کھانے کا کون سا حصہ تمہارے لیے بابرکت
ہے۔" (صحیح مسلم شریف)

## حاکم کی اطاعت

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مسلمانوں
کو اپنے حاکم کا حکم سننا اور اس کو ماننا لازم ہے خواہ وہ
اسے اچھا لگے یا نہ لگے البتہ اگر وہ کسی گناہ کا حکم دے تو
اسے نہ سنا جائے اور نہ مانا جائے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

## نیکی اور برائی کا ارادہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھائیاں اور
برائیاں طے شدہ ہیں۔ لہٰذا جس شخص نے کسی نیکی کا
ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کر سکا تب بھی اللہ تعالیٰ
اسے ایک کامل نیکی کا ثواب عطا فرمائے گا اور اگر
ارادہ کے بعد اس نیکی پر عمل بھی کر لیا تو اسے دس نیکی
کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ یہ اضافہ سات سو گنا بلکہ
اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے اور اگر کوئی شخص برائی کا
ارادہ کرتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا تب بھی اللہ تعالیٰ
اس کو ایک نیکی کا ثواب عطا فرماتا ہے اور اگر ارادے
کے بعد اس پر عمل بھی کر لیا تو بھی ایک ہی برائی لکھی
جاتی ہے۔" (صحیح بخاری)

## منافق کی چار علامات

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص میں یہ چار باتیں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور اگر ان چار میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت نے جگہ بنالی حتیٰ کہ اسے چھوڑ نہ دے۔ (۱) جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ (۲) جب بولے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب وہ کوئی عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ (۹) جب وہ کسی سے جھگڑنے لگے تو گالیوں پر اتر آئے)'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

## معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چھوٹی سے چھوٹی کسی بھی معمولی نیکی کو حقیر اور کم تر نہ سمجھو حتیٰ کہ تم اپنے بھائی سے مسکرا کر ملو تو یہ بھی ایک نیکی ہے۔'' (صحیح مسلم شریف)

## واضح اور صاف گفتگو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے گفتگو فرماتے تو اپنی بات تین مرتبہ دہراتے تاکہ مخاطب بات کو اچھی طرح سمجھ جائے اور جب لوگوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں تین مرتبہ سلام فرماتے۔ (صحیح بخاری)

## برتن میں سانس لینا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی شریف)

## رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بہت زیادہ رحم کرنے والا رحم فرمائے گا۔ زمین پر رہنے والی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا (اللہ تعالیٰ) تم پر رحم کرے گا۔'' (ترمذی، ابوداؤد)

## اللہ تعالیٰ کا مخلوق کے ساتھ معاملہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ پس مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین بندہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے افراد کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے۔'' (بیہقی)

## اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنا

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جتنا بھی اور جس طرح بھی خرچ کرو گے اس کا اجر وثواب ضرور پاؤ گے حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی تم کو ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

## گناہ کبیرہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کبیرہ کے طور پر ان چیزوں کا بیان فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک۔ (۲) والدین کی نافرمانی۔ (۳) خودکشی یا کسی کو ناحق قتل کرنا۔ (۴) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ (صحیح بخاری)

## یتیم کی کفالت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کرے گا، اللہ تعالیٰ بلاشک و شبہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ الا یہ کہ اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو گیا ہو جس کو معاف کرنا ممکن نہ ہو۔'' (ترمذی) ☆☆

NAQAB AZEEM
www.pakistanipoint.com

عائشہ ذوالفقار

# دل بے آوارہ

وہ دونوں دم بخود رہ گئے۔

''ڈیتھ ہوگئی؟ مگر کیسے.....؟'' عکرمہ جلدی سے بولا۔

''آفس سے واپسی پر کچھ لوگوں نے اسے گن پوائنٹ پر لوٹ کر فائرنگ کی اور..... جان سے مار دیا۔'' علیکہ کا چہرہ ہلدی

کی طرح زرد ہو گیا۔ کرسی کا سہارا لے کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ سارا آفس اس کی نظروں کے آگے گول گول گھوم گیا۔

"اور تو آج بتانے آیا ہے۔" عکرمہ بمشکل بولا۔

"ہمت نہیں ہو رہی تھی۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"سوری علیکہ۔" وہ اس کے بے جان وجود اور پیلے پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"عارب چودھری۔" عکرمہ انتہائی سرد آواز میں کہتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ "وہ مر گیا یا مار دیا گیا۔"

عارب کا رنگ فق ہو گیا۔ "یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے عکرمہ۔" اسے پتا نہیں تھا کہ یہاں اس کا سامنا عکرمہ سے ہو جائے گا۔ "میرا خیال ہے میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

## قسط نمبر 23

عکرمہ کو یقین نہیں آرہا تھا۔ علیکہ خود کو کنٹرول کرتی ہوئی اپنے کیبن میں چلی گئی۔

''میری ایک بات یاد رکھنا عارب چودھری۔ وہ بے شک بہت بڑا بے غیرت تھا، بہت بڑا کمینہ تھا، اس نے علیکہ کو برباد کر دیا لیکن ایک اور بات جو شاید سب سے بڑی ہے اور وہ یہ کہ عتبہ صدیقی میرے چھبیس سالوں کا دوست تھا۔ تو تب تک خیر منالے جب تک میرے ہاتھ کوئی سرا نہیں آجاتا کیونکہ اس کے بعد..... بس گیم اوور.....'' اسے وارننگ دیتا ہوا وہ خود بھی علیکہ کے کیبن کی طرف آگیا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بے آواز رو رہی تھی۔ اس کے پاس کاٹ میں لیٹی عشاء نیند سے جاگ گئی تھی اور دھیرے دھیرے کسمسا کر رو رہی تھی۔

''بس حوصلہ کرو، چپ کرو۔ وہ دیکھو گڑیا رو رہی ہے، اسے فیڈر دو، اٹھو شاباش۔'' عکرمہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو خشک کیے اور اسے کھڑا کر دیا۔ علیکہ نے چپ چاپ اس کا فیڈر بنایا اور اسے کاٹ سے نکال کر گود میں اٹھا لیا۔

عکرمہ سُن ہوتے ذہن کے ساتھ وہیں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ علیکہ اسے گود میں لٹا کر فیڈر پلانے لگی۔ عارب، رضوی صاحب کو اطلاع دے کر باہر نکلا اور عرفان کی ہر بات نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر علیکہ کے کیبن کی طرف آگیا۔ اس کی گود میں ننھا سا وجود دیکھ کر دروازے میں ہی ٹھٹھک گیا۔

''یہ تمہاری بیٹی ہے؟'' اس نے حیرانی سے پوچھا۔ علیکہ نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ عارب سُن رہ گیا۔

''ہاں عارب! وہ صرف تمہاری بہن کا شوہر نہیں تھا۔ وہ ایک بیٹی کا باپ بھی تھا۔'' عکرمہ مسلسل اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

☆.....☆

آج بڑے دنوں بعد وہ چاروں ڈنر کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔

''علیکہ الگ رہنے لگی ہے؟'' عزین مرزا عمایہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن کیوں؟ وہاں وہ زیادہ حفاظت سے تھی۔'' انہیں سن کر پریشانی ہوئی۔

''بس اسے عادت نہیں ہے نا فیملی کے ساتھ رہنے کی۔'' عروہ دھیرے سے بولیں۔

''تو یہاں آجاتی۔ آخر کو بہو ہے تمہاری۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر بولے۔

''میں نے کہا تھا اسے وہ نہیں مانی اور یہاں کون سا فیملی نہیں ہے۔'' عروہ ان کے آگے ڈش کرتے ہوئے بولیں۔

''جاب کے ساتھ اکیلی کیسے مینیج کرے گی۔'' انہیں فکر ہو رہی تھی۔

''آپ کے بیٹے نے بھی تو کیا ہی تھا۔'' عروہ مسکرائیں، عزین مرزا حیران رہ گئے۔ وہ پہلی بار عکرمہ کے حق میں بولی تھیں۔

''عشوہ اس کے ساتھ تھی۔'' وہ بولے۔

''جس طرح ساتھ تھی سب کو پتا ہے آدھے آفس میں اور آدھے گھر میں۔ ایسے ہی پالے ہیں اس نے بھی دونوں بچے۔'' عروہ صاف کہہ گئیں۔

''ویسے تمہارے دونوں بچے ہی تم پر نہیں گئے۔ نہ عمیرہ پر گئے ہیں اور میرے دونوں ہی شاید مجھ پر چلے گئے۔'' وہ عینیہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ وہ یکدم شرمندہ ہو گیا۔

''سر میں کل آفس نہیں آسکوں گی۔'' وہ پانی پیتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''کیوں خیریت؟'' عزین مرزا یکدم بولے۔

''عرفان کے تیسرے سال کی فیس وغیرہ جمع کروانی ہے۔ اس کے ساتھ جانا...'' ابھی اس کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا دل بری طرح متلایا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر جیسے ہی اٹھی، زوردار چکر آیا اور وہ ساتھ بیٹھے عینیہ کے اوپر ہی گر گئی!

"عمایہ کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو کر اٹھا اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ وہ لمحوں میں پسینے سے شرابور ہو گئی تھی۔
"میرا دل گھبرا رہا ہے۔" اس کا وجود بے جان سا ہو رہا تھا۔ عروہ نے فوراً ڈاکٹر کو فون کر دیا۔ عینیہ نے اسے بستر پر لٹا دیا۔ ڈاکٹر چند منٹ میں پہنچ گیا۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔
"خیریت تو ہے ڈاکٹر صاحب" عروہ پریشانی سے بولیں۔
"یہ امید سے ہیں۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے عینیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

☆.....☆

وہ اسے آتے ہوئے زبردستی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ عشاء کو سلا کر وہ چادر کندھوں سے لپیٹتے ہوئے باہر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنا بے وفا کمینہ شوہر اس وقت شدت سے یاد آ رہا تھا۔
وہ جیسا بھی تھا..... اس کی پہلی اور آخری محبت تھا۔ وہ جیسا بھی تھا..... آخر میں اسے بانہوں میں لے کر ایک ہی فقرہ کہتا تھا "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں" چاہے جھوٹ ہی کہتا تھا۔ اس کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا تھا اس بے ہودہ انسان نے، پولیس کی مار تک کھائی تھی۔ چھبیس سال کی عمر میں اس سے خوشی خوشی شادی کر لی تھی۔ وہ جیسا بھی تھا آج اس سے بہت دور چلا گیا تھا۔
بے آواز روتے ہوئے اسے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔
"کب تک روؤ گی۔" عکرمہ اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ علیکہ نے بے جان ہو کر اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ عکرمہ نے اپنا بازو اس کے کندھوں کے گرد لپیٹ دیا۔
"تمہیں رونا نہیں آ رہا۔" علیکہ نے پوچھا۔
"شاید تم سے زیادہ..... اس کا چہرہ میرے ذہن سے محو ہی نہیں ہو رہا۔" عکرمہ کو واقعی وہ بہت یاد آ رہا تھا۔
"چار سال کا تھا وہ جب ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اب نہیں چھوڑیں گے۔ کبھی نہیں۔" وہ بولا۔
"اس نے ایسا کیوں کیا عکرمہ؟" علیکہ بلک بلک کر رو دی۔
"پتا نہیں۔ نہ جانے کیوں اس قدر بے حس ہو گیا تھا۔" عکرمہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ "تم سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ تمہارے لیے گھر بنایا اس نے تمہارے علاوہ اس نے کبھی کسی سے شادی کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ پھر نہ جانے کیسے بے وفا ہو گیا۔ تمہاری بے پناہ فکر کرتا تھا۔ ہر وقت تمہارا خیال رکھا۔ میں نے جب جب اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ تمہیں دیکھا۔ پھر پتا نہیں کیوں بدل گیا۔" عکرمہ کہتا چلا گیا۔
"عکرمہ! مجھے اس سے آج بھی محبت ہے۔ ہمیشہ رہے گی، اس کی بے وفائیوں اور بے اعتنائیوں کے باوجود۔" وہ بولی۔
"اس کی مام کو بتا دیا۔" عکرمہ نے پوچھا۔
"میں کیسے بتاؤں انہیں؟" علیکہ نے آنسو صاف کیے۔
"بتانا تو ہے نا۔" عکرمہ نے اس کے کندھے سہلاتے ہوئے کہا۔

☆.....☆

وہ آج پھر کلب آیا تھا۔ دونوں بچے ایک طرف بیٹھ کر چپ چاپ اپنے ہوم ورک میں لگ گئے۔ عون ان دونوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔
"اپنے پاپا سے کہو نا ایک میچ جیت کر دکھا دیں۔" اس کی پھر وہی رٹ تھی۔
"انکل! پاپا وہ میچ کیوں نہیں کھیل رہے۔" عرش نے سوال اٹھایا۔

NAZAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''وہ ذرا خطرناک ہے اس لیے لیکن تمہارے پاپا پہلے کھیل چکے ہیں۔'' عون پھر بولا۔
''میرے بچوں سے دور ہو جا۔'' عکرمہ نے رنگ میں سے آواز لگائی۔
''ایک میچ جتوا دے تو۔'' عون گڑگڑایا۔
''میرے بچوں کی ذمہ داری لیتا ہے کہ میں مرا تو انہیں پال لے گا۔'' وہ وہیں سے بولا۔
''ہاں لیتا ہوں۔'' عون کو اس لمحے اسے منانا تھا۔ عکرمہ اسے گھور کر رہ گیا۔ ایک گھنٹے پریکٹس کرنے کے بعد وہ باہر آ گیا۔
''پاپا اس میں کیا خطرہ ہے۔'' عرش نے اس کے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔
''بیٹے اس میں ہڈیاں وغیرہ ٹوٹ جاتی ہیں۔'' وہ بولا۔
''لیکن پاپا آپ تو اتنے اسٹرونگ ہیں۔'' عینا اس کے بازو دبا کر بولی۔ وہ مسکرا دیا۔
''پلیز۔'' وہ جانے لگا تو عون پھر منتیں کرتا ہوا آ گیا۔
''دیکھوں گا۔'' وہ اس سے کہتا ہوا ان دونوں کی انگلی پکڑے باہر آ گیا۔ اس کی قسمت کہ کلب سے باہر نکلتے ہی اسے عشوہ نظر آ گئی۔ وہ اپنی گاڑی میں تھی۔ اس نے عکرمہ کو کلب سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوراً گاڑی سے نکل کر اس کی طرف آ گئی۔
''عکرمہ، تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔'' وہ چیخ پڑی۔
''اب کیا کر دیا میں نے۔'' وہ بوکھلا گیا۔
''تم اپنی یہ جنگ و جدل اپنے بچوں کو دکھانے کے لیے بھی لاتے ہو۔'' وہ بولی۔
''جنگ و جدل؟'' وہ حیران رہ گیا۔
''تو اور کیا کہوں..... مار پیٹ، لڑائی مار کٹائی، باکسنگ..... یہ سب تم انہیں بھی دکھاتے ہو۔ سوچو ان کے ذہنوں پر کیا اثر پڑتا ہوگا۔ تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔'' وہ بولی۔
''یار ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ تنگ آ گیا۔
''میں ان دونوں کو اپنے ساتھ رکھوں گی۔'' وہ آگے کو آئی۔
''ہم پاپا کے ساتھ رہیں گے۔'' دونوں ایک ساتھ بولے۔
''دہشت گرد بن جاؤ گے اس کے ساتھ رہ کر۔'' عشوہ زور سے بولی۔ عکرمہ کو پہلی بار اس پر غصہ آ گیا۔
''تمہاری بلا سے میں اپنے بچوں کو دہشت گرد بناؤں یا کچھ اور..... تم نے تو کہہ دیا نا کہ یہ میرے ہیں۔ تو بس پھر تم اتنی پریشان نہ ہو۔'' وہ بولا۔
''آخر کو ذہنیت تو تمہاری دو مرلے کے فلیٹ والی ہی رہی نا۔'' وہ اسے جتا گئی۔
''کیونکہ اس دو مرلے کے فلیٹ میں چھبیس سال گزارے ہیں میں نے۔'' عکرمہ آگے کو ہوا۔
''تو ٹھیک ہے۔ جو مرضی کرو ان دونوں کے ساتھ لیکن میری جان بخش دو۔ مجھے آزاد کرو۔'' وہ کھلے الفاظ میں بولی۔
''کر دوں گا۔'' انتہائی سرد الفاظ میں کہتا ہوا دوبارہ اندر آ گیا۔
''عون.....'' اس نے دور سے اسے آواز دی۔ ''میں میچ کھیلوں گا۔'' اس نے زور سے کہا تھا۔

☆.....☆

وہ آج عزین ہاؤس آئی تھی۔ عروہ کو کسی نہ کسی طرح تو ضرور بتانا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"مبارک ہو تمہیں۔" عمایہ اسے لاؤنج میں ہی مل گئی۔
"تھینکس۔" وہ عشاء کو گود میں لیتے ہوئے بولی۔
"عروہ کہاں ہیں۔" اس نے پوچھا۔ عروہ اور عینیہ ایک ساتھ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئے تھے۔
"کیسی ہو لڑکی۔" عینیہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔
"ٹھیک ہوں۔" اس کا بجھا ہوا لہجہ عروہ کو چونکا گیا۔
"ایک بری خبر ہے آپ کے لیے۔" وہ بولی۔
"عتبہ کو کچھ ہو گیا.....!!" وہ بولیں۔ علیکہ سن رہ گئی۔
"اس کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" عروہ سمیت سب ہکا بکا رہ گئے۔
"لیکن کیسے.....؟" عینیہ نے جلدی سے پوچھا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔
"مجھے ہمت نہیں ہو رہی تھی آپ کو بتانے کی۔" وہ بولی۔
عروہ چپ تھیں۔ بالکل خاموش۔
"اس کا باپ بھی بالکل ایسے ہی گم ہو گیا تھا۔ چپکے سے۔ خاموشی سے۔" وہ نم آنکھوں سے بولیں۔
"اس کا انجام بھی ایسے ہی ہوا تھا۔" ان کے آنسو گر پڑے۔ عینیہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"مجھے آج تک اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔" وہ رو پڑیں۔
"رضوی صاحب بتا رہے تھے کہ عتبہ کی بھی لاش نہیں ملی۔" وہ اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی اور اپنا سر ان کی گود میں رکھ کر کنٹرول کے باوجود پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"مجھے بہت یاد آتا ہے وہ، نہیں بھلایا جاتا۔" عروہ نے بس اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔
"پتا نہیں کیوں میں نے اس سے محبت کی۔ آپ نے روکا بھی نہیں مجھے۔" اس نے گلہ کیا۔
"میں نے روکا تھا تمہیں، تم نہیں رکیں۔" "بس یہ سب تمہارا نصیب تھا۔ ایسے ہی ہونا تھا تمہارے ساتھ۔" وہ دھیرے سے بولی تھیں۔
عینیہ اور عمایہ دم بخود بیٹھے تھے۔

☆.....☆

وہ اپنے کیبن میں تھا جب اس کے پاس عون کی کال آئی۔ وہ اس کا بہت اچھا دوست تھا۔
"کیا کر رہا ہے کاکے۔" عون چہک رہا تھا۔
"تجھے کس چیز کی خوشی چڑھ رہی ہے۔" عینیہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔
"عنقریب میرا کلب پورے پاکستان میں چیمپئن بننے والا ہے۔" عون ہنستے ہوئے بولا۔
"پرسوں مارشل آرٹ کی آل پاکستان ٹرافی کے میچز ہیں کراچی میں، تو چلے گا؟" عون نے پوچھا۔
"تجھے مارشل آرٹ کا کون مل گیا؟" عینیہ حیران ہو گیا۔
"ایک پرانا دوست۔" عون ہنسا۔
"کون؟"
"عکرمہ نور۔" عون نے بتا دیا۔ عینیہ ایک دم آگے کو ہو گیا۔ ماضی میں وہ اس کا بہت فین ہوا کرتا تھا۔ اس کے ہر میچ کا ٹکٹ سب سے پہلے وہ خریدتا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"چلے گا۔" عون نے پھر پوچھا۔
"آج کل میری اور اس کی بول چال بند ہے۔" عینیہ بولا۔
"تو تو نے کون سا اس سے بات کرنی ہے۔ میچ ہی دیکھنا ہے۔" عون نے اسے گھرکا۔ "میں نے عاطف کو بھی راضی کر لیا ہے۔" عون پھر بولا۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ منع نہ کر سکا۔
"اپنے ڈیڈ سے پرسوں کی چھٹی لے لیں۔" عون نے ہنستے ہوئے کال ڈس کنیکٹ کی۔
لنچ ٹائم کے بعد وہ عزین مرزا کے آفس کی طرف آ گیا۔ "پرسوں کی چھٹی مل جائے گی؟" وہ بولا۔
"کیوں؟ ابھی عدیم اور عاصم بھی مجھ سے یہ ہی کہنے آئے تھے۔" وہ اس پر برس پڑے۔ "پرسوں ایک میٹنگ تھی۔ عشوہ نے وہ بھی کینسل کروا لی کہ عاطف نے پرسوں نہیں ہونا، آخر ہو کیا رہا ہے پرسوں؟" وہ بھرے بیٹھے تھے۔
"کراچی جانا ہے۔" وہ دھیرے سے بولا۔
"کیوں؟" وہ بھڑک کر بولے۔
"عکرمہ کا میچ دیکھنے۔" اس نے آخر بتا ہی دیا۔ عزین مرزا سُن رہ گئے۔
"اس نے پھر یہ مار پیٹ والا کھیل کھیلنا شروع کر دیا۔" وہ بے حد حیران تھے۔ عینیہ چپ کھڑا رہا۔ "عقل کہاں چلی گئی اس لڑکے کی۔ ہاتھ پاؤں تڑوا کر بیٹھ گیا تو اس کے بچوں کو کون پالے گا۔ کس نے کہا ہے اسے یہ سب کرنے کے لیے؟" وہ خوب غصہ ہوئے۔
"میں کر لوں چھٹی؟" اسے اپنی فکر ہو رہی تھی۔
"بھاڑ میں جاؤ۔" وہ زور سے چیخے۔ عینیہ چپ چاپ باہر آ گیا۔
عون اپنے کلب کی طرف سے پوری بس بھر کر تماشائی لے کر کراچی پہنچا۔ عکرمہ کا پورا ارادہ تھا کہ بچوں کو ساتھ لے کر نہیں جائے گا لیکن وہ دونوں تو اس پر چڑھ دوڑے۔ ناراضگی، بھوک ہڑتال، رونا دھونا..... اور آخر میں ایموشنل بلیک میلنگ۔
"آپ اچھے پاپا نہیں ہیں۔ آپ ماما کی طرح ہو گئے ہیں۔" بسورے ہوئے چہرے اور آنکھوں میں چھلکتے آنسو..... وہ مجبور ہو گیا۔ اسے سب نے روکا۔ علیکہ نے، عبیرہ نے یہاں تک کہ عزین مرزا نے خود کال کر کے روکا کہ نہ جاؤ۔
"معذور ہو گئے تو کیا ہو گا؟" وہ بولے۔
"آپ علاج کروا دینا۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔
"اور مر گئے تو؟" انہوں نے ڈرایا۔
"تو کفن دفن کا انتظام کروا دینا۔" ہر سوال کا جواب تھا اس کے پاس۔
وہ چپ ہو گئے۔
تین باکسرز کو ہرا کر وہ فائنل تک پہنچ گیا۔ فائنل میں اس کے مقابل حیدر آباد کا باکسر تھا۔ رِنگ کے آس پاس بے تحاشا ہجوم تھا۔ تالیاں، نعرے اور کیا کچھ۔ عینا کو عون نے اپنے کندھوں پر چڑھایا ہوا تھا۔ عرش، عاطف کے کندھوں پر سوار تھا۔
"تو ٹھیک ہے نا۔" فائنل سے پہلے عون اس کے پاس آیا۔
"بس دعا کریں میرے ہاتھ پاؤں سلامت رہیں۔" عکرمہ ہنسا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''بنیان اتار دے، پسینے آرہے ہیں تجھے۔'' عون اسے رومال پکڑاتے ہوئے بولا۔
''نہیں ایسے ہی ٹھیک ہے۔'' وہ خود کو ریلیکس کرتے ہوئے بولا۔
''پاپا آپ جیت جائیں گے۔'' عینا نے زور سے اس کا گال چوم کر کہا۔ وہ زور سے ہنس دیا۔
بیل کی آواز پر وہ لمبا سانس بھرتا ہوا رِنگ میں اتر گیا۔ شور اور تالیوں کی گونج میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کا مقابل جسامت میں اس سے چار گنا زیادہ تھا۔ پہلے راؤنڈ میں ہی اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا۔
''کیا لگتا ہے تجھے۔'' عاطف نے عینیہ کی طرف دیکھا۔
''ہارے گا تو نہیں۔'' وہ آخر کو عینیہ کا اسٹار تھا۔
''شرط لگا۔'' عاطف ہنسا۔
''لگ گئی بیس ہزار کی۔'' عینیہ نے فوراً لگالی۔
''پاپا آپ بھی یہ اتاریں۔ اس موٹے آدمی نے تو پینٹ بھی نہیں پہنی۔'' خاموشی کے مختصر سے وقفے میں عینا کی باریک سی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
''پاپا بنیان اتاریں۔ ٹیٹو تو دکھائیں۔'' عرش زور سے چلایا۔
''پاپا اس موٹے آدمی کے ٹیٹو کتنے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ آپ بھی ڈریگن دکھائیں نا۔'' عینا پھر چلائی تھی۔
''ڈریگن..... کون سی۔'' عون اس کی باریک سی آواز سن کر حیران ہوا۔
''میرے پاپا نے بھی ٹیٹو بنوایا ہوا ہے۔'' عرش کے کہتے ہی وہ دونوں بھی حیران ہو گئے۔
''پاپا پلیز اتار دیں۔''
دوسرا راؤنڈ شروع ہونے والا تھا۔ منہ پر پانی کے چھپکے مارتے ہوئے عکرمہ نے دھیرے سے مسکرا کر بنیان اتار دیا۔
عینا اور عرش زور سے چیخے تھے۔ عون، عاطف، عینیہ، ہر بندہ اس کی کمر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ آج پہلی بار اس نے اپنا آپ دکھایا تھا۔
بے تحاشا شور..... بے تحاشا نعرے..... دوسرا راؤنڈ جیت کر وہ دونوں برابر ہو گئے۔ تیسرا اور آخری راؤنڈ شروع ہو گیا۔
''یہ چوٹ کیسے لگی۔'' اس کے کانوں میں عزین مرزا کی آواز گونج گئی۔ بارہ سال کی عمر میں اس نے اپنا پہلا میچ کھیلا تھا۔
''جیسے مرضی لگی ہو، آپ کو کیا؟'' یہ اس کا جواب تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا جیسا اب ہو گیا تھا۔ اسے نہیں یاد آیا کہ چھبیس سالوں میں اس نے کبھی کسی سے معافی مانگی ہو۔ کبھی کسی کے آگے ہاتھ جوڑے ہوں۔ کبھی کسی کے آگے رویا ہو۔
وہ عکرمہ نور تھا ڈریگن جیسا۔
مقابل کو پے در پے وار کر کے اس نے پرے دھکیل دیا۔
اور آج وہ کیا تھا۔ ایک بے بس انسان جو آئے دن عشوہ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو معافی مانگتا ہے تو وہ معاف نہیں کرتی۔ قسم کھاتا ہے تو وہ یقین نہیں کرتی۔
جب وہ نہیں مان رہی تو کیا فائدہ۔
اس کے رونے کا کیا فائدہ۔
جب اس پر کسی شخص کو بھروسا ہی نہیں ہے تو کیا فائدہ اچھا بننے کا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس کی پوری زندگی فلم کی طرح اس کی نظروں کے آگے چل پڑی تھی۔ ڈریگن آہستہ آہستہ زندہ ہو رہا تھا۔ کھیل پوری طرح اس کے قابو میں آ رہا تھا۔

''کیا فائدہ محبت سے نظریں چرانے کا جب بدلے میں بیوی کی معافی نہیں مل رہی۔ کیا فائدہ خود سے جھوٹ بولنے کا۔ کیا فائدہ خود کو اچھا ظاہر کرنے کا جب کوئی تسلیم نہیں کر رہا تو.....''

''بس بہت ہو گیا۔'' اس نے مقابل کو گرا دیا تھا۔

نہیں جینا مجھے کسی کی بھیک میں دی ہوئی معافی لے کر..... کسی کا ترس کھا کر دیا ہوا احسان لے کر..... عشوہ نہیں معاف کرتی تو نہ کرے، جو چاہے کرے جیسے چاہے زندگی گزارے۔

''میں چھوڑ دوں گا اسے..... جاتے ہی چھوڑ دوں گا۔'' اس نے فیصلہ کر لیا۔ مقابل دوبارہ اٹھ رہا تھا۔

''اپنی محبت کو آج کے بعد نہیں چھپاؤں گا۔ تم نہ سہی عمایہ عادل..... تمہارے ہونے کا احساس ہی سہی۔'' فیصلہ ہو گیا تھا۔ فائنل داؤ لگا کر اس نے مقابل کو بے جان کر دیا۔

''اپنے بچوں سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہیں۔'' پسینے سے شرابور وہ رنگ سے باہر آ گیا۔ عینا دوڑتی ہوئی اس کے پاس آ گئی تھی۔ اسے کندھوں پر اٹھا کر اس نے عرش کو گلے لگا لیا۔

''میری شرٹ کہاں ہے؟'' اس نے ہنستے ہوئے عون سے پوچھا تھا۔

☆.....☆

اس کے آفس والوں کو اطلاع کر دی ہے؟'' وہ اس کے آگے کھانے کے برتن رکھتے ہوئے بولیں۔ عتبہ کو گئے دو مہینے ہونے کو آئے تھے۔ عروج کسی حد تک سنبھل گئی تھی۔

''جی کر دی۔'' وہ بولا۔

''اور اس کے باپ کو بھی کر دی۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔ اس نے فقط اثبات میں سر ہلا دیا۔

''علیکہ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے اب۔'' انہوں نے اچانک اس کی دکھتی رگ پکڑ لی۔

''شاید، میری اس سے زیادہ بات نہیں ہوتی۔'' وہ بولا۔

''ابھی بھی اس کی گود خالی ہے۔'' انہوں نے پھر پوچھا۔

''نہیں، ایک بیٹی ہے اس کے پاس۔'' عارب کے بتانے پر وہ حیران ہو گئیں۔

''اچھا!! مبارک باد دی تو نے اسے۔'' وہ بول نہ سکا۔

''کہاں رہتی ہے آج کل وہ؟'' وہ کچھ دیر بعد بولیں۔ عارب نے انہیں عتبہ کے گھر کا پتا دیا۔

''تجھے تو اب یاد نہیں آئی وہ۔'' عاصمہ جانے انجانے میں ہی اس کو نشتر چبھوئے جا رہی تھیں۔ اس سے کھانا کھانا دوبھر ہو گیا۔

''نہیں آتی۔'' وہ بمشکل بولا۔ عاصمہ چپ ہو گئیں۔ کچھ دنوں بعد وہ اسے بتائے بغیر ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گئیں لیکن دروازے کو تالا لگا ہوا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اس کے پرانے فلیٹ پر آ گئیں۔ ہلکی سی امید تھی کہ شاید وہ یہاں مل جائے اور وہ مل گئی۔ دروازہ اس نے ہی کھولا اور انہیں پہچان گئی۔

''میں لاہور کام سے آئی تھی۔ سوچا تمہیں مبارک باد دیتی جاؤں۔'' وہ بولیں۔ علیکہ نے انہیں اندر بلا لیا۔ عشاء کو اس نے صوفے پر لٹایا ہوا تھا۔ انہوں نے بہت محبت سے اسے اٹھا لیا۔

''چائے پئیں گی آپ؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

WAQAR AZEEM
www.Pakistanipoint.com

"نہیں شکریہ۔" وہ بولیں۔ "تم یہاں کیوں رہ رہی ہو۔ شوہر کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں۔" عاصمہ کچھ نہیں جانتی تھیں اسی لیے اس کا دل مسل گئیں۔

"اس نے چھوڑ دیا مجھے۔" علیکہ بمشکل بولی۔

"کیوں؟" وہ حیران رہ گئیں۔

"اس کی مرضی۔" علیکہ نے کندھے اچکا دیے۔ عاصمہ چپ ہو گئیں۔

"آپ کی بیٹی کیسی ہے اب۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ لیا۔

"اس کا سہاگ اجڑے دو ماہ ہونے کو آئے ہیں بیٹی۔ اس کا شوہر اس دنیا سے چلا گیا۔" عاصمہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اُس لڑکے کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ صرف ایک باپ تھا اس کا وہ بھی افریقا گیا ہوا ہے آج کل۔ صرف عروج کی خاطر وہ امریکا چھوڑ کر آیا تھا یہاں ایک سال کے لیے۔" علیکہ سن رہ گئی۔ وہ تو بہت کچھ نہیں جانتی تھیں۔

"کیا نام تھا اس کا۔" اس نے پوچھا۔

"عالیان۔" عاصمہ بولیں۔ علیکہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ تو کیا عارب جھوٹ بول رہا تھا؟

"عروج کی شادی عالیان سے کب طے ہوئی تھی؟" اس نے پھر پوچھا۔

"تقریباً آٹھ سال پہلے ان دونوں کا رشتہ طے ہوا تھا۔" عاصمہ نے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"بہت افسوس ہوا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"تمہاری بیٹی بہت پیاری ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے عشاء اسے پکڑا دی۔

"میں چلتی ہوں۔" کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور علیکہ کو الجھن میں چھوڑ کر باہر نکل آئیں۔

☆.....☆

"میڈم آپ کے لیے یہ لفافہ آیا ہے۔" چپڑاسی اسے ایک خاکی رنگ کا لفافہ پکڑا کر چلا گیا۔ فائل بند کرتے ہوئے اس نے اسے کھول لیا۔

"تم جب چاہو اپنے بچوں سے مل لیا کرنا۔" سفید کاغذ پر بس اتنا ہی لکھا تھا۔ وہ اپنے ڈائیورس پیپرز ہاتھ میں لیے سن بیٹھی رہ گئی۔ اس کا اور عکرمہ کا سات سالہ رشتہ آج آخر کار ختم ہو گیا تھا۔ لمبی سانس بھرتے ہوئے اس نے انہیں دراز میں رکھ دیا۔

ایک ہفتے کے اندر اندر ہر شخص کو اس کے کارنامے کا پتا چل گیا۔

☆.....☆

اس نے عاطف اور عکرمہ کو خاص طور پر ملنے کا کہا تھا۔ وہ دونوں مغرب کے بعد اس کے گھر آ گئے۔ عکرمہ نے آتے ہوئے بچوں کو تھوڑی دیر کے لیے عبیرہ کی طرف چھوڑ دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ دونوں ہی اس کی الجھی ہوئی شکل دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

"آج عارب کی امی آئی تھیں۔" اس نے دھماکا کیا۔

"کیا کرنے؟" عکرمہ فوراً بولا۔

"مجھ سے ملنے۔" وہ بولی۔

"عکرمہ! انہیں کچھ نہیں پتا عتبہ کے بارے میں، کچھ بھی نہیں۔" وہ بولی اور ساری بات بتائی۔

"علیکہ، تمہیں شاید یاد نہ ہو اس رات وہ لڑکا بھی عتبہ کو عالیان بھائی کہہ رہا تھا۔" عاطف زور سے بولا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

"یہ بات کنفرم ہے کہ عارب اسے عتبہ نہیں عالیان بنا کر وہاں لے کر گیا ہے اور اس کے گھر والوں کی نظروں میں عروج کی شادی عتبہ سے نہیں عالیان سے ہوئی ہے۔" عاطف نے پھر وہی بات دہرائی۔

"لیکن عارب نے ایسا کیوں کیا؟" علیکہ بولی۔

"تمہارے لیے۔ اس نے تمہیں عتبہ سے الگ کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔" عاطف جلدی سے بولا۔

"نہیں عاطف، بات صرف علیکہ کو حاصل کرنے کی نہیں ہے۔ عارب جیسا شخص صرف علیکہ کو حاصل کرنے کے لیے عتبہ جیسے فلرٹی انسان پر اپنی عزیز از جان بہن کو قربان نہیں کر سکتا۔ اسے کیا پتا نہیں تھا عتبہ کی فطرت کے بارے میں۔ اس کی حرکتوں کے بارے میں۔ ایسے کردار کے انسان کو وہ اپنی بہن کے لیے کبھی بھی نہ چنتا..... بات ضرور کچھ اور ہے۔" عکرمہ نے اندازہ لگایا۔

"اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس کے گھر والوں نے عتبہ کو عالیان کیسے سمجھ لیا اور اصلی عالیان کیوں نہیں آیا۔" علیکہ بولی۔

"ہو سکتا ہے عتبہ، عالیان جیسا نظر آتا ہو۔" عاطف نے تکا لگایا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اصل بات اس کی ماں کے آگے رکھ دینی چاہیے۔" عاطف نے اپنا خیال پیش کیا۔

"وہ مکر جائے گا، عتبہ تو اس دنیا میں رہا نہیں کہ بات کلیئر ہو جائے۔ میرا خیال ہے ہمیں عارب کو قابو کرنا چاہیے۔" عکرمہ بولا۔

"کیا مطلب تیرا.....؟" عاطف بولا۔

"مطلب یہ کہ عارب کو جنگل میں لے جانے کا وقت آ گیا ہے۔" عکرمہ دھیرے سے بولا۔ "سر پر پستول رکھی ہو تو سچ خود بخود زبان پر آ جاتا ہے۔ پہلے ہم اس سے سچ اگلوائیں گے۔ تھوڑا ڈرا کر تھوڑا دھمکا کر..... عروج کا نام لے کر تھوڑا بلیک میل کریں گے۔ پھر وہ بتائے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے بعد اس کی امی کے پاس جائیں گے۔" عکرمہ بولا۔

"میری بات سنو، اس کی امی کے پاس جانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس لڑکی پر ابھی تو ایک قیامت آئی ہے۔ پھر ایک اور ٹوٹ جائے گی۔" علیکہ بولی۔

"اگر اس پر نہ آئی تو اگلی قیامت تم پر ٹوٹ جائے گی، سمجھیں تم۔ اس کا اگلا نشانہ یا تو تم ہو گی یا تمہاری بیٹی۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے اس شخص کی شیطانیت کا۔ بہت لمبا اور سوچا سمجھا پلان ہے اس کا۔" عکرمہ بھڑک کر بولا۔ علیکہ چپ ہو گئی۔

"پہلے عارب سے سچ اگلواتے ہیں۔" عاطف کھڑا ہو گیا۔ عکرمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں چلتا ہوں۔ عوریہ کو چیک اپ کے لیے لے کر جانا ہے۔" وہ ان دونوں سے مل کر باہر نکل گیا۔

"ذرا مضبوط ہو کر میری بات سنو۔" عکرمہ اس کی طرف مڑا۔ "بالکل سچے دل سے فیصلہ کر کے جواب دینا مجھے۔ ایک عورت جس کا بیٹا کسی لڑکی کو پاگلوں کی طرح چاہتا ہو اور وہ لڑکی اس کے بجائے کسی اور سے شادی کر لے تو وہ کیا کرے گی؟ اس لڑکی سے نفرت کرے گی یا اس سے پہلے سے زیادہ انسیت رکھے گی۔" عکرمہ کی بات سن کر وہ چپ رہ گئی۔

"آخر کیوں وہ عورت تم سے اتنی چاہت رکھتی ہے۔ تم ہو کون؟ بس ایک لڑکی جس نے اس کے بیٹے کے بجائے کسی اور سے شادی کر لی۔ پھر کیوں وہ عورت ہر موقع پر تمہیں یاد رکھتی ہے، تمہیں شادی کی مبارک باد دیتی ہے۔ تمہارے بارے میں ہر وقت پوچھتی رہتی ہے۔ تمہاری بیٹی کا سن کر تم سے ملنے چلی آتی ہے۔ آخر کیوں؟" عکرمہ تکیے پر تکیے لگا رہا تھا۔ علیکہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"اتنی محبت ایک عورت صرف اپنی بیٹی سے کر سکتی ہے علیکہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔

"میں نے وہ خط پڑھا ہے۔ وہ کسی اپر کلاس عورت کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ کسی مڈل کلاس کا لکھا ہوا لگتا ہے۔" عکرمہ کہے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جا رہا تھا۔
''انہوں نے عارب کو لے مجھے چھوڑ دیا۔'' علیکہ دھیرے سے بولی۔ اب کے عکرمہ سن رہ گیا۔ ظاہر ہے اگر علیکہ ان کا خون ہے تو عارب، عزین مرزا کی اولاد ہوا۔ اس کا بھائی ہوا۔
''تیرے جیسی فطرت ہے اس کی عکرمہ۔'' عاطف سمیت سب یہ ہی کہتے تھے۔
''بس اب یہ گرہ کھل ہی جائے گی۔'' عکرمہ بولا۔

☆.....☆

''کیسی ہو عمایہ۔'' آج اس نے عمایہ کو کال کی تھی۔
''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں عکرمہ؟'' عمایہ کے پاس آج بھی اس کے لیے ''آپ'' تھا۔
''ڈائیورس کے بعد کیسا ہونا چاہیے مجھے؟'' وہ ہنسا۔
''بہت دکھی۔'' وہ بولی۔
''بس پھر ویسا ہی ہوں۔'' وہ مسکرا دیا۔
''مجھے کیسے یاد کر لیا۔'' وہ پھر بولی۔
''تمہیں یاد کرنے کے لیے مجھے کسی ذریعے، کسی چیز یا کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے عمایہ عادل..... میں تمہیں کسی بھی وقت پوری آزادی سے یاد کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔
''اب لگ رہا ہے کہ آپ کی ڈائیورس ہو گئی ہے۔'' وہ مسکرائی۔
''اتنے دن ہو گئے تمہیں دیکھے۔'' اس نے خواہش کی۔
''اسی لیے دنیا میں اتنا سکون ہے۔'' وہ ہنسی۔
''تمہارے گھر آ جاؤں؟'' وہ بولا۔
''نہیں، چپ چاپ اپنے گھر رہیں۔'' وہ فوراً بولی۔
''پھر تم آ جاؤ۔ مجھ سے نہ سہی میرے بچوں سے ملنے آ جاؤ۔'' وہ پھر بہک رہا تھا۔
''عکرمہ! پٹڑی پر واپس آ جائیں۔'' وہ ہنسی۔
''پہلے اترنے تو دو۔'' عمایہ کی کھنک دار ہنسی اس کے کانوں تک پہنچی تھی۔ وہ جیسے گم ہو گیا۔
''تم کہاں ہو اس وقت۔'' اس نے پوچھا۔ دل شدت سے اسے دیکھنے کی خواہش کر رہا تھا۔
''گھر پر لیکن آپ نہیں آئیں گے۔'' وہ بولی۔
''میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔ دونوں بچوں کو گاڑی میں بٹھا کر وہ عزین ہاؤس آ گیا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ چاروں لان میں بیٹھے چائے کا مزہ لے رہے تھے۔
''تمہیں یہاں آنے سے منع کیا تھا نا؟'' عزین مرزا اسے دیکھ کر بولے۔
''بچے ضد کر رہے تھے کہ دادا ابو سے ملنا ہے۔'' وہ عین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
''بچوں کو چھوڑ دو، تم جاؤ۔'' وہ بولے۔
''چائے تو پی لینے دیں۔'' وہ مسلسل عمایہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کئی دنوں کی پیاسی آنکھیں سانس لیے بغیر شروع ہو گئیں۔ غٹ..... غٹ..... غٹ.....''
عمایہ اس کی نگاہوں سے گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''کہاں جارہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔
''مجھے اندر کام ہے۔'' وہ بولی۔
''مجھے چائے تو بنادو۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ عینیہ چپ بیٹھا تھا۔
''خود بنالیں۔'' وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس کی پیاس ادھوری رہ گئی۔ وہ کچھ دیر اس کے باہر آنے کی امید پر وہیں عزین مرزا سے گپ شپ کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اٹھ کر اندر چلے گئے۔
''کیا کرنے آیا ہے تو؟'' عینیہ نے دھیرے سے پوچھا۔
''مبارک ہو تجھے، تو ایک بار پھر باپ بننے والا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''بس اس بار تو راستے میں مت آنا۔'' وہ آگے کو ہو کر بولا۔
''میں پہلے سے ہی راستے میں کھڑا ہوں یار۔'' عکرمہ مسکرایا۔
''تجھے یاد ہے جب میں عشوہ سے شادی کرنے لگا تھا تو تو نے کیا کہا تھا مجھ سے؟'' عکرمہ کچھ دیر بعد بولا۔
''ہاں یاد ہے۔'' عینیہ نے کہا۔
''کیا کہا تھا؟'' اس نے پوچھا۔
''یہی کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جسے دیکھ کر تو عشوہ کو بھول جائے گا۔'' عینیہ کو یاد تھا۔
''تو تجھے تو خوش ہونا چاہیے۔ ایسا ہی ہو گیا۔'' وہ بولا تو عینیہ چپ رہ گیا۔
''تو نے کہا تھا تب میں تیری منتیں بھی کروں گا تو تو مجھ پر ترس نہیں کھائے گا اور تو ایسا ہی کر رہا ہے۔'' عکرمہ کی آنکھوں میں نہ جانے کیا چمکا تھا۔
''وہ میری بیوی ہے۔'' عینیہ آگے کو ہو کر بولا۔
''اور مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔'' عکرمہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

☆.....☆

وہ آج عرفان سے ملنے آیا تھا۔ عکرمہ سے ہونے والی ساری باتیں اس نے عرفان کو بتادیں۔
''وہ ضرور کچھ کرے گا۔'' عارب ڈر رہا تھا۔
''پریشان نہ ہو۔ اس کے ہاتھ کچھ نہیں ہے۔'' عرفان اسے ریلیکس کرتے ہوئے بولا۔
''اور اگر اس کے ہاتھ کچھ لگ گیا تو.....''
''مثلاً کیا؟'' عرفان آگے کو ہوا۔
''مثلاً عتبہ.....'' وہ بولا۔ عرفان سانس بھر کر رہ گیا۔ ''وہ بھی نہ جانے کہاں گم ہو گیا۔'' عرفان بھی پریشان ہو گیا۔
کچھ دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد وہ وہاں سے نکل آیا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس کی قسمت کہ عاطف نے اسے دیکھ لیا۔ اسی وقت اس نے عکرمہ کو کال کی۔
''مرغا تیار ہے۔''
''تو بس پھر شکار کرتے ہیں۔'' عکرمہ فوراً تیار ہو گیا۔ دونوں بچوں کو علیکہ کے حوالے کر کے وہ اور عاطف اس کے پیچھے آگئے۔ نبتا سنسان سی جگہ پر پہنچ کر اس کی گاڑی رکوا کے اسے اپنی گاڑی میں ڈالا اور کہیں اور لے جانے کے بجائے عکرمہ کے گھر لے آئے۔ اس کی گاڑی وہیں سڑک کنارے کھڑی رہ گئی۔ عارب اس اچانک افتاد پر گھبرا گیا۔ عکرمہ نے فوراً اس کا موبائل آف کر دیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اس کے ہاتھ پاؤں باندھ۔'' عاطف سے کہتے ہوئے اس نے سارے دروازے بند کر دیئے۔
''یہ تو ٹھیک نہیں کر رہا۔'' وہ ڈر رہا تھا۔
''مجھے صرف یہ بتا کہ عتبہ کہاں ہے؟'' عکرمہ آگے کو آیا۔
''مجھے نہیں پتا۔'' اس کے کہنے کی دیر تھی کہ عکرمہ کا ہاتھ کھل کے چل پڑا۔ عاطف چپ چاپ اس کی درگت بنتے دیکھتا رہا۔ اس نے مار مار کے عارب کو نیل و نیل کر دیا۔
''عتبہ کہاں ہے؟'' بس ایک ہی سوال تھا۔
''اس کے علاوہ جو مرضی پوچھ لے۔'' وہ مرنے والا ہو گیا۔
''اس کے علاوہ تجھے جو پتا ہے بتا دے۔'' عکرمہ اس کے سر پر مسلط ہو گیا۔ ''اور سچ بولنا، ورنہ جیسے عتبہ غائب ہوا ہے تو بھی ہو جائے گا۔'' عکرمہ قہر بھرے انداز سے بولا۔
عارب بولتا چلا گیا۔ ان دونوں کی توقع کے برعکس وہ بہت کچھ بول گیا۔ عالیان کی کال سے لے کر عتبہ کے قتل تک..... سب کچھ!!
''تو نے عتبہ کو مروا دیا؟'' عکرمہ ایک بار پھر اس پر قہر بن کر برسا۔ ''ذلیل انسان! وہ جیسا بھی تھا تیرا دوست تھا، علیکہ کا شوہر تھا، بے غیرت! وہ تیری اپنی بہن کا بھی شوہر تھا۔'' وہ ایک بار پھر اس پر برس پڑا۔
''بس کر عکرمہ! بس کر دے۔'' عاطف نے اس کا ہاتھ روکا۔
''اس بات کا اور کس کو پتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''عرفان کو۔'' وہ بولا۔
''یعنی وہ بھی عتبہ کے قتل میں شریک ہے؟'' عارب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''اب تو یہاں سے دفع ہو جا، سیدھا عرفان کے پاس جا اور اسے بتا کہ تیری یہ حالت میں نے کی ہے۔ بگاڑ کے دکھائے کیا بگاڑتا ہے میرا..... ایک بار پہلے بھی اس نے تیری مدد کی تھی نا، نوکری کے لالے پڑ گئے تھے اسے، اب تو قتل میں ملوث ہوا ہے۔ اب کے سسپنڈ نہ کروایا تو دیکھ لینا۔'' عاطف نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ ''اور یاد رکھنا، مجھے ہاتھ بھی لگانے کی کوشش نہ کرنا، ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔'' وہ اسے وارن کرتے ہوئے بولا۔
''میرے گھر والوں کو مت بتانا۔'' عارب نے نہ جانے کس امید پر کہا تھا۔
''شہزادے! اب تو پوری دنیا کو پتا چلے گا۔ جا شاباش، جا کر اپنے دوست کو بتا سب کچھ۔'' عکرمہ آگے کو آیا۔
''ہو سکتا ہے عتبہ زندہ ہو۔'' وہ بولا۔
''تو پھر ڈھونڈ اسے۔'' عکرمہ نے اسے باہر نکال دیا۔
''ریکارڈ کیا؟'' اس نے عاطف سے پوچھا۔
''ہاں۔'' عاطف نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔
''اب کیا کرے گا تو؟'' عاطف نے پوچھا۔
''یہ سب کچھ اس کے باپ کے آگے رکھوں گا۔ جو کرنا ہے وہ خود کر لیں گے۔'' عکرمہ بولا۔
''بالفرض عرفان چودھری نے تجھے ہی مروا دیا تو؟'' عاطف آگے کو آیا۔
''اس سے پہلے ہی سب ستیاناس ہو جائے گا۔ ویسے بھی وہ پولیس والا ہے۔ اتنا بڑا رسک نہیں لے گا۔'' عکرمہ پُریقین تھا۔
(باقی آئندہ ماہ، ان شاء اللہ)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نظیر فاطمہ

# زندگی کے رنگ

دن کے اجالے دھیرے دھیرے شام کے پردوں میں گم ہو رہے تھے۔ امید افزا کی گاڑی حویلی میں آ کر رکی۔ وہ گاڑی سے اتری اور پچھلی سیٹ سے اپنا بیگ اور کچھ فائلیں اٹھائیں۔ فائلیں اور بیگ ایک ہاتھ سے سنبھال کر اس نے اپنا سفید اوور کوٹ اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا۔ گاڑی لاک کی اور حویلی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو بڑے کمرے سے ٹی۔ وی کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے کمرے میں جھانکا تو مسکان

WAQAR AZEEM Pakistani

صوفے پر نیم دراز کوئی پروگرام دیکھ رہی تھی۔ مسکان کو وہاں دیکھ کر امید افزا بھی ادھر ہی آ گئی اور اپنا سارا سامان بڑے تخت پر رکھ کر خود بھی وہیں ڈھیر ہو گئی۔ مسکان نے ٹی۔وی کی آواز آہستہ کر کے اس کی طرف دیکھا۔

''تم اتنے مرے ہوئے انداز میں کیوں گر گئی ہو؟'' مسکان نے اپنی پوزیشن تھوڑی بہتر کی۔

''تھک گئی ہوں۔'' امید افزا نے اپنا دایاں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر جواب دیا۔

''نئی اطلاع ہے کہ محترمہ ڈاکٹر امید افزا تھکتی بھی ہیں۔'' مسکان نے غیر سنجیدہ لہجے میں کہا اور صوفے سے کشن اٹھا کر امید افزا کی طرف پھینکا جو سیدھا اس کے پیٹ پر گرا۔

''مسکان کی بچی یہ کیا حرکت ہے کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' امید افزا نے جلبلا کر اسے دیکھا۔

# مکمل ناول

''مجھے تو کوئی تکلیف نہیں۔ آپ جنابہ منہ سے پھوٹیں کہ آپ کو کیا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔'' مسکان اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ ضرور کوئی ایسی غیر معمولی بات تھی جس نے اسے تھکا دیا تھا۔

''میرے ٹرانسفر آرڈر آئے ہیں۔'' امید افزا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''ٹرانسفر؟''

''ہاں۔''

''کہاں کے آرڈرز ہیں؟'' مسکان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ۔'' امید افزا کا جواب سن کر مسکان خوشی سے اچھل پڑی۔

''کیا؟ لاہور ٹرانسفر ہو رہی ہے تمہاری؟ او مائی گاڈ۔ ویری ایکسائٹنگ۔'' مسکان بے حد پر جوش تھی۔

''میں اتنی دور جانے کی وجہ سے پریشان ہوں۔'' امید افزا نے مسکان کو دیکھا۔

''کوئی دور نہیں ہے لاہور۔ آج کل فاصلے سمٹ گئے ہیں۔'' مسکان نے اس کی پریشانی کو چنداں اہمیت نہ دی۔

''ہاں مگر پھر بھی نئی جگہ پر سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔'' امید افزا، لیہ کے ڈسٹرکٹ اسپتال سے لاہور جانے کا سن کر واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''تم شاید بھول رہی ہو کہ لاہور میں میرا گھر ہے۔ لہٰذا تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مسکان نے اس کی پریشانی کا حل سیکنڈوں میں نکال لیا تھا۔

''وہ گھر تمہارا سسرال ہے۔ میں وہاں رہتے اچھی لگوں گی؟'' امید افزا ہچکچا گئی۔

''کون سا سسرال؟ بی بی! سارا کنبہ باہر کے ملکوں میں جا بسا ہے۔ گھر میں رہ گئے میں، ناصر اور میری وہ ساس جنہیں تم آل ریڈی بہت اچھی لگتی ہو۔ سارے خدشے ذہن سے جھٹک دو اور جانے کی تیاری پکڑو۔'' امید افزا نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''اچھا، جاؤ تم فریش ہو کر آؤ، میں تاری سے چائے بنواتی ہوں۔'' مسکان کھڑی ہو گئی۔ امید افزا نے محبت اور تشکر بھری نظروں سے مسکان کو دیکھا اور بڑے کمرے سے نکل گئی۔ امید افزا دل سے ان حویلی والوں کی ممنون تھی جن کے ساتھ اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا مگر انہوں نے نہ صرف اسے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا بلکہ اسے پڑھا لکھا کر معاشرے کا ایک کارآمد رکن بھی بنایا تھا۔

☆.....☆

سڑک کے چوراہے کے دائیں کونے پر بیس مرلے کا ایک پلاٹ سالوں سے خالی تھا۔ اس کے اردگرد اینٹوں کی پکی چار دیواری تھی اور لوہے کا گیٹ لگا کر اس پر تالا ڈالا گیا تھا۔ گڑیا اس پلاٹ کے پاس اسکول وین سے اتری۔ اس پلاٹ کے ساتھ والا گھر گڑیا کا تھا۔ دس مرلے پر پرانی طرز کا بنا ہوا کھلا سا کشادہ گھر جس کے صحن کے بائیں جانب کئی پھلدار درخت لگے ہوئے تھے۔ یہ درخت باہر والی چار دیواری کے اوپر جھک کر اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ آم، جامن، امرود اور شہتوت کے یہ درخت راہ گیروں کی توجہ دور سے ہی اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔ گڑیا کا خاندان کئی سالوں سے یہاں آباد تھا۔ یہ گھر گڑیا کے دادا نے کئی سال پہلے اس وقت تعمیر کروایا تھا جب شہر سے قدرے فاصلے پر یہ کالونی نئی نئی بنی تھی اور شروع میں یہاں چند ایک گھر ہی تھے۔ گھر کے سامنے کافی چوڑی سڑک تھی۔

رفتہ رفتہ بہت کچھ بدل گیا۔ ان کے گھر کے دائیں جانب اور پچھلی طرف والے گھر بھی آباد ہو گئے مگر بائیں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جانب والا پلاٹ خالی کا خالی ہی رہا۔ بس اتنا ہوا کہ اس کے گرد دیوار کر کے گیٹ لگا دیا گیا۔ جب گڑیا پلاٹ کے گیٹ کے پاس پہنچی تو اسے کھلا ہوا دیکھ کر چند لمحوں کے لیے رک گئی۔ اس نے غیر ارادی طور پر کھلے گیٹ سے اندر جھانکا تو اندر ایک بڑی سے گاڑی کھڑی تھی اور چند سوٹڈ بوٹڈ آدمی پلاٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔ گڑیا خاموشی سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ بیل دینے پر گڑیا کی امی ساجدہ بیگم نے دروازہ کھولا۔ گڑیا اندر داخل ہوئی اور سلام کر کے فر فر بولنے لگی۔

''امی! یہ ساتھ والے پلاٹ کا گیٹ آج کھلا ہوا ہے۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک اتنی بڑی گاڑی کھڑی تھی اور دو تین تیار شیار آدمی کھڑے تھے۔'' گڑیا نے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ ہی امی سے کہا۔

''پلاٹ کے مالک ہوں گے اور تمہیں کیا ضرورت تھی اندر جھانکنے کی۔ کتنی دفعہ کہا ہے کہ سیدھی گھر آیا کرو۔ ادھر ادھر تانکا جھانکی مت کیا کرو۔'' ساجدہ بیگم نے اس کی بات کا جواب دے کر آخر میں اسے ڈپٹ دیا۔

''میں نے کہاں جھانکا امی..... بس گزرتے گزرتے نظر پڑ گئی تو میں نے ذرا غور سے دیکھ لیا۔'' تیرہ سالہ گڑیا نے لاپروائی سے کہا۔

''اچھا جاؤ..... اندر جا کر کپڑے بدلو اور ہاتھ منہ دھو کر آجاؤ میں کھانا لاتی ہوں تمہارے لیے۔'' ساجدہ بیگم اسے کمرے میں بھیج کر خود کچن میں چلی گئیں۔

☆.....☆

''یہ لو، چائے پیو اور مجھے دعائیں دو۔'' مسکان نے چائے کی ٹرے میز پر رکھی اور خود صوفے پر بیٹھ گئی۔ جس میں دو کپ چائے اور ایک پلیٹ چکن رولز کی تھی۔ امید افزا چائے کے ساتھ چکن رول دیکھ کر کھل اٹھی۔

''واہ..... قسم سے پیاری بہن ہونے کا ثبوت دیتی ہو۔ آج اسپتال میں مجھے لنچ کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔'' امید افزا نے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں چکن رولز والی پلیٹ پکڑ کر مسکان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی اور پلیٹ اپنی گود میں رکھ کر چکن رول کھانے لگی۔

''ندیدی! یہ سارے تمہارے لیے نہیں ہیں۔ میں اپنے لیے بھی لائی تھی یہ۔'' مسکان نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے ندرے آگے کو جھک کر ٹرے سے چائے کا کپ اٹھایا۔

''سوری یار، بھوک ہی اتنی لگ رہی ہے کہ تمہارا خیال ہی نہیں رہا۔ یہ لو کھاؤ۔'' امید افزا نے صوفے پر تھوڑا سا کھسک کر جگہ بنائی اور پلیٹ اپنے اور مسکان کے درمیان رکھ دی۔

''بس میں یہ ایک ہی لوں گی۔ میں نے اچھا خاصا لنچ کیا تھا۔'' مسکان نے ایک چکن رول اٹھایا اور پلیٹ امید فزا کی طرف کھسکا دی۔ امید افزا نے صرف گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس کی پوری توجہ چائے اور رولز کی طرف تھی۔

''پھر اب کیا ارادہ ہے؟'' مسکان نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

''کس بارے میں؟'' امید افزا کھانے میں مصروف بمشکل جواب دے پائی۔

''کھانا دیکھ کر تو تم دنیا بھلا دیتی ہو۔'' مسکان نے اس کے جلدی جلدی کھانے پر ہلکا سا طنز کیا۔

''ارے تم نے سنا نہیں کہ بھوکے کو چاند بھی روٹی کی طرح نظر آتا ہے۔'' وہ مسکان کے طنز پر کھل کر مسکرائی۔ مسکان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''شام کو بڑے بابا اور بابا آئیں گے تو ان سے مشورہ کروں گی۔ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟'' امید

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

افزا نے مطمئن۔ انداز میں کہا۔
''اور وہ جو آپ کے لیے سب سے اہم ہیں بلکہ آپ کے نصف بہتر ہیں، ان کی اجازت کا کیا؟'' مسکان نے اسے چھیڑا تو امید افزا بھی شرارت پر اتر آئی۔
''بڑے بابا اور بابا کے سامنے ان بے چارے کی کیا حیثیت ہے بھلا؟'' امید افزا نے لاپروائی سے کہا۔
''اچھا!!! جعفر کا فون آئے گا تو میں بتاؤں گی اسے کہ تم اسے کچھ نہیں سمجھتیں۔'' مسکان نے دھمکایا۔
''اور وہ جیسے تمہاری بات مان لے گا۔'' امید افزا نے مسکان کو چڑایا۔
''ہاں کیا کروں؟ میرے بھائی کو تو تم نے پاگل کر دیا۔ ابھی صرف نکاح ہوا ہے اور یہ حال ہے تو تمہاری رخصتی کے بعد تو وہ ہم گھر والوں کو پہچاننے سے ہی انکار کر دے گا۔'' مسکان نے بھی جواباً اسے چڑایا۔
''بے فکر رہو۔ میں پہچان لیا کروں گی۔'' امید افزا نے معصومیت سے کہا اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

☆.....☆

''گڑیا! بیٹا اسکول کا کام جلدی ختم کرو۔ تمہارے ابو آنے والے ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے میں جھانکا تو گڑیا ابھی تک اسکول کا کام کرنے میں مصروف تھی۔
''امی، سارا کام ہو گیا تھا۔ بس میتھ کے کچھ سوال رہ گئے تھے۔ ابھی بھائی سے سمجھے ہیں، وہی کر رہی ہوں۔'' گڑیا نے کاپی سے نظر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔
''عبدالمعیز اس وقت کہاں ہے؟'' ساجدہ نے پوچھا۔
''اپنے کمرے میں پڑھ رہے ہیں۔'' ساجدہ سر ہلا کر پلٹ گئیں۔
عبدالمقیم اور ساجدہ کے دو ہی بچے تھے۔ عبدالمعیز جو انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھا اور گڑیا جو آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ عبدالمقیم ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دینے والے سترہویں گریڈ کے سرکاری ملازم تھے۔ لیہ کے قریب ایک گاؤں میں ان کے والد کی کچھ زمینیں تھیں جن سے ہر سال آمدنی آ جاتی تھی۔ یوں مل ملا کر ان کی بہت اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ بچے بھی اچھے اداروں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔
اطلاعی گھنٹی بجی تو ساجدہ نے گڑیا کو آواز دی۔
''گڑیا جا کر دروازہ کھولو تمہارے ابو ہوں گے۔'' گڑیا کام مکمل کر کے اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔ سب کچھ وہیں چھوڑ کر وہ گیٹ کی سمت بھاگی۔

☆.....☆

حویلی کے تمام مکین رات کا کھانا کھانے کے بعد بڑے کمرے میں موجود تھے۔ سب قہوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
''بڑے بابا! امید افزا کے ٹرانسفر آڈرز آئے ہیں۔'' مسکان نے اپنے تایا عبدالجبار خان کو مخاطب کیا۔
''کب؟ کہاں کے آڈر ہیں بیٹا؟'' عبدالجبار خان نے امید افزا سے پوچھا۔
''لاہور کے، بڑے بابا۔'' امید افزا نے بڑے ادب سے مختصر جواب دیا۔
''پھر کیا سوچا ہے جانا ہے یا ٹرانسفر رکوانا ہے؟'' عبدالجبار خان نے دوبارہ سوال کیا۔
''بڑے بابا، میرا خیال ہے امید کو جانا چاہیے۔ ایک بڑی opportunity ہے۔ وہاں اسے رہائش کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میرا گھر ہے نا وہاں۔'' امید افزا کے بجائے مسکان نے جواب دیا۔

''امید افزا! میرا خیال ہے مسکان ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ایک بڑی اور مشہور جگہ کا تجربہ حاصل ہو جائے گا تمہیں۔''
عبدالجبار خان نے قہوے کی خالی پیالی میز پر رکھی۔
''جی، بڑے بابا!'' امید افزا اب بھی مودب تھی۔
''جعفر کو بتایا؟ وہ کیا کہتا ہے؟'' عبدالجبار نے بیٹے کا نام لیا۔
''ابھی نہیں بتایا۔ پہلے آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔'' امید افزا نے ایک نظر بڑے بابا کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ اس کے اس انداز پر بڑے بابا کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔
''اِدھر آؤ، امید افزا۔'' عبدالجبار خان نے اپنے ساتھ والے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ امید افزا اٹھ کر وہاں جا بیٹھی۔ نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔ نجانے کیا بات تھی کہ بڑے بابا کی نرم طبیعت اور محبت بھرے انداز کے باوجود امید افزا ان سے مرعوب رہتی تھی اور وہ ان کے ساتھ بات کرتے ہوئے بہت مودب اور محتاط ہو جاتی تھی۔
''بھائی صاحب، آج تک ایسا ہوا ہے کہ امید نے آپ سے پہلے جعفر کو کچھ بتایا ہو؟'' مسکان کی امّی خدیجہ بی بی نے ہنس کر کہا۔
''میرا بچہ تو بے چارا سسر اور بہو کے درمیان کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔'' عبدالجبار خان کی بیوی چمن آرا نے مصنوعی افسردگی سے کہا اور پھر امید کو دیکھ کر شرارت سے مسکرا دیں۔ امید افزا کا چہرہ گل رنگ ہو گیا۔
''نہیں بھئی ہماری بیٹی کو تنگ نہ کرو۔ چلو میرا بچہ تم جانے کی تیاری کرو۔ جوائننگ رپورٹ کب دینی ہے؟'' عبدالجبار نے امید افزا کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔
''پندرہ دن تک بڑے بابا۔'' امید افزا نے ایک نظر انہیں دیکھ کر جواب دیا اور پھر نظریں جھکا لیں۔
''ٹھیک ہے، مسکان ایک ہفتے تک واپس جائے گی تو تم اس کے ساتھ ہی چلی جانا۔'' امید افزا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''امید بیٹا اب فون کر کے جعفر کو بھی اطلاع دے دینا۔'' چمن آرا نے مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر کہا تو امید افزا کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔
''بڑی امی، بس کر دیں، اگر اس کا چہرہ یونہی سرخ رہا تو دنیا سے لال رنگ ختم ہو جائے گا۔'' مسکان نے امید افزا کے چہرے کو دیکھ کر کہا تو سب ہنس دیے اور امید افزا کے چہرے کا رنگ مزید لال ہو گیا۔

☆.....☆

گڑیا نے دروازہ کھولا تو سامنے عبدالمقیم کھڑے تھے۔ وہ اپنا اسکوٹر اندر لے آئے اور اسے ایک سائیڈ پر کھڑا کر کے اس پر سے فروٹ والے شاپر اتارنے لگے۔ گڑیا نے آگے بڑھ کر وہ شاپر پکڑ لیے۔
''آپ اندر جا کر بیٹھیں، میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں۔'' گڑیا کچن میں چلی گئی۔
''یہ لیجیے پانی۔'' چند لمحوں بعد گڑیا ایک چھوٹی ٹرے میں پانی کا گلاس لیے سامنے تھی۔ عبدالمقیم جو صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، سیدھے ہو بیٹھے۔
''لاؤ بھئی، اس گھر میں ہماری بیٹی نہ ہو تو ہمیں تو کوئی پانی بھی نہ پلائے۔'' عبدالمقیم نے اونچی آواز میں کہا اور ہنس دیے۔
''جی ہاں! صرف پانی ہی پلا سکتی ہے، آپ کی لاڈلی۔'' کچن سے ساجدہ کی آواز آئی۔ ان کی لاکھ کوششوں کے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

باوجود گڑیا چھوٹے موٹے کام کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتی تھی۔
''بھئی ہماری بیٹی تو شہزادی ہے۔'' عبدالمقیم نے گڑیا کو بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ ساجدہ چائے لے کر وہیں آگئیں۔ گڑیا اپنا بیگ اٹھا کر چلی گئی۔ چائے پینے کے دوران ساجدہ اور عبدالمقیم سارے دن کی روداد ایک دوسرے کو سنانے لگے۔
''ہاں یاد آیا۔ یہ جو ہمارے ساتھ والا خالی پلاٹ ہے نا، یہاں آج کچھ لوگ آئے تھے۔'' ساجدہ نے ایک دم یاد آنے پر کہا۔
''ہوں، ابھی باہر حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہے تھے کہ پلاٹ کو مالک آیا تھا۔ وہ اس علاقے کے ایم۔این۔اے کا بھائی ہے۔ یہاں کوئی پلازہ وغیرہ بنانا چاہ رہا ہے۔'' عبدالمقیم نے تفصیل سے بتایا۔
''یہاں پلازہ؟'' ساجدہ نے حیرت سے کہا۔
''ہاں۔ دیکھا جائے تو سامنے والی سڑک پہلے کی نسبت کافی بڑی ہوگئی ہے۔ مزید چند سالوں میں بالکل مین روڈ کی طرح مصروف ہو جائے گی تو یہ سارا علاقہ بھی کمرشل ہو جائے گا۔ وہ شخص یہ کام ابھی کر رہا ہے۔'' عبدالمقیم نے حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا۔
''ہاں، یہ تو ہے۔'' ساجدہ نے تائید کی۔ ''چلیں آپ تھوڑی دیر آرام کرلیں۔ پھر میں کھانا لگاتی ہوں۔'' ساجدہ چائے کے برتن سمیٹ کر چلی گئیں۔

☆.....☆

امید افزا مسکان کے ساتھ لاہور چلی آئی۔ مسکان کی ساس ایک نیک اور محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ مسکان نے امید افزا کے لیے اوپر والی منزل پر کمرا سیٹ کر دیا۔ امید افزا نے سامان رکھا اور خود نہانے گھس گئی۔ فریش ہو کر ذرا دیر لیٹی تو جلد ہی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ مسکان اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تو اسے گہری نیند میں دیکھ کر پلٹ گئی۔
امید افزا سو کر اٹھی تو شام ڈھل رہی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو مسکان اور اس کی ساس بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ وہ بھی سلام کر کے ان کے پاس جا بیٹھی۔
''آؤ بیٹا! بیٹھو۔'' مسکان کی ساس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''نوشی! باجی کے لیے چائے اور ساتھ میں کچھ کھانے کو لاؤ۔'' انہوں نے اپنی ملازمہ کو پکارا۔
''آنٹی میں بس چائے لوں گی۔''
''ارے کیوں؟ دوپہر میں بھی تم بھوکے پیٹ سو گئی تھیں۔ اب کچھ کھالو۔ رات کے کھانے میں ابھی دیر ہے۔'' مسکان کی ساس نے محبت سے کہا۔

☆.....☆

''امی! ابو کہاں ہیں؟'' گڑیا کتاب ہاتھ میں پکڑے ساجدہ کے پاس آئی جو برآمدے میں بیٹھ کر سبزی بنا رہی تھیں۔
''ابھی نہیں آئے دفتر سے۔''
''آج ابھی تک نہیں آئے؟ کب آئیں گے؟ مجھے یہ سوال سمجھنا تھے۔'' گڑیا نے منہ بسور کر کہا۔
''آجاتے ہیں ابھی تم جا کر باقی کام مکمل کرو۔'' ساجدہ بیگم نے محبت سے کہا تو وہ پلٹ گئی۔

نو بجے کے قریب عبدالمقیم گھر پہنچے۔
''ابو آپ آج اتنا لیٹ آئے ہیں۔ مجھے آپ سے یہ سوال سمجھنا تھے اور آج آپ نے میرے لیے مٹھائی بھی لے کر آنی تھی۔'' گڑیا فوراً باپ کے سر ہوئی۔
''گڑیا بیٹا! بری بات، ابو تھکے ہوئے آئے ہیں۔ تم جاؤ سوال عبدالمعیز سے سمجھ لو اور مٹھائی کل آجائے گی۔ چلو جاؤ شاباش۔'' گڑیا کو بھی اپنی جلد بازی کا احساس ہوا۔
''سوری ابو۔'' گڑیا نے عبدالمقیم کی گردن میں بازو ڈال کر لاڈ سے کہا اور ان کا ہاتھ چوم کر چلی گئی۔
''آپ کپڑے بدل کر منہ ہاتھ دھولیں۔ تب تک میں کھانا گرم کرتی ہوں۔'' ساجدہ اٹھ گئیں۔
''ساجدہ! کھانا آج کمرے میں ہی لے آنا۔'' عبدالمقیم اپنے کمرے میں چلے گئے۔
''کیا پکایا ہے آج یار بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' عبدالمقیم نے ٹرے پر نظر دوڑائی۔ دال گوشت کے ساتھ چاول، روٹی اور سلاد دیکھ کر عبدالمقیم کی بھوک مزید چمک اٹھی۔ انہوں نے رغبت سے کھانا کھایا۔ ساجدہ برتن اٹھا کر کچن میں رکھنے گئیں تو عبدالمقیم نے بیڈ پر بچھی پلاسٹک شیٹ اٹھا کر رول کی اور اسے اس کی جگہ پر رکھ کر خود نیم دراز ہو گئے۔
''یہ لیجیے چائے اور اب بتائیے آج اتنی دیر کیسے ہو گئی۔'' ساجدہ نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا اور ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔
''راشد کے بیٹے کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ گھر والے اسے اسپتال لے گئے تھے۔ راشد بہت پریشان تھا۔ وہ تو اسی وقت چلا گیا۔ میں چھٹی کے بعد اس کے پاس اسپتال چلا گیا تھا۔'' عبدالمقیم نے دیر سے آنے کی وجہ بتائی۔
''اوہ! کیا ہو گیا بچے کو اب کیسا ہے؟'' ساجدہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ راشد اور عبدالمقیم سالوں سے ایک ہی دفتر میں کام کر رہے تھے۔ ان کی جان پہچان کا آغاز اسی دفتر سے ہوا تھا جو اب گہری دوستی میں بدل گیا تھا۔
''اپینڈکس کا درد اٹھا تھا۔ آپریشن ہو گیا ہے۔ اللہ خیر کرے گا۔ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔'' عبدالمقیم نے چائے پینے کے ساتھ ساتھ بیوی سے بات چیت جاری رکھی۔
''انشاء اللہ! اب آپ آرام کریں۔ میں بچوں کو دودھ دے آؤں۔'' عبدالمقیم نے اپنی بیوی کو محبت بھری نرم سی نظروں سے دیکھا جس نے ان کی زندگی کو واقعی جنت بنا دیا تھا۔ ساجدہ نے خالی کپ اٹھایا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆.....☆

امید افزا نے پندرہ روز پہلے اسپتال جوائن کر لیا تھا مگر ٹرانسفر کی فارمیلٹیز پوری کرتے کرتے اسے مریضوں کی طرف آنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ ویسے بھی جب تک اس کی فائل کلیئر نہ ہو جاتی تب تک اسے کوئی چارج بھی نہیں دیا جانا تھا۔ کل اس کی فائل کلیئر ہو کر آ گئی تھی اور اسے اس کی ڈیوٹیز اسائن کر دی گئی تھیں۔ آج وہ جونیئر اسٹاف عادل کو ساتھ لے کر ان مریضوں کو دیکھنے آئی تھی جن کی ذمہ داری اسے دی گئی تھی۔ جونیئر اسٹاف اسے ہر مریض کے بارے میں ضروری معلومات دیتا جا رہا تھا۔ یہ سب مریض کچھ عرصے کے لیے یہاں داخل کیے گئے تھے۔ سب کے بارے میں معلومات دینے کے بعد عادل اسے ایک کوٹھری کی طرف لے گیا جس کا سلاخوں نما دروازہ باہر سے بند تھا اور اس پر تالا لگا ہوا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''ڈاکٹر صاحبہ! یہ لاوارث ہے جی۔'' امید افزا نے اندر جھانکا۔ وہ آدمی بڑھے ہوئے بالوں اور شیو کے ساتھ بے حال ساز نجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر ٹانگیں سیدھی کیے، گردن دائیں کندھے پر جھکائے وہ شاید سو رہا تھا۔

''یہ پانچ سال پہلے آیا تھا یہاں۔ عام حالات میں نارمل ہی لگتا ہے مگر جب اسے دورہ پڑتا ہے تو کسی کے قابو میں نہیں آتا۔ عام حالات میں چھوٹے موٹے کام بھی کروا دیتا ہے مگر جب دورہ پڑتا ہے تو پھر مہینے ڈیڑھ مہینے تک نارمل نہیں ہوتا۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔ مارنے کو دوڑتا ہے۔ کل اچھا بھلا تھا۔ شام کو دورہ پڑا تو ہدایت کے پیچھے سے پکڑ کر دیوار کے ساتھ دے مارا اور پھر اس کا چہرا نوچنے لگا۔ وہ تو شکر تھا کہ ہم سب آس پاس ہی تھے۔ پانچ لوگوں نے مل کر اسے قابو کیا اور بے ہوشی کا انجکشن لگایا تو بچت ہوگئی ورنہ وہ اسے جان سے ہی مار دیتا۔ کافی زخمی ہو گیا ہے وہ۔ ہفتے کی چھٹی پر ہے۔'' عادل نے تفصیل بتائی۔

''ہوں۔ ان کی فائل کل تک مجھے دے دیں۔ میں اسٹڈی کروں گی۔'' امید افزا نے بے سدھ پڑے مریض پر ایک نظر ڈالی۔

''او کے میم۔'' عادل نے مودب انداز میں کہا اور دونوں پلٹ گئے۔

امید افزا اپنے کمرے میں آئی۔ وہ سائیکاٹرسٹ تھی۔ آئے دن اس کا واسطہ ذہنی طور پر ڈسٹرب لوگوں سے پڑتا تھا۔ وہ بڑی مہارت اور ہمدردی سے ان کا علاج کرتی تھی۔ آج وہ کتنے ہی مریضوں سے مل کر آئی تھی مگر اس لاوارث مریض کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اس کو بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ اس کا دل بھاری ہو رہا تھا۔

''میم! یہ چائے۔'' چپڑاسی نے اس کے سامنے چائے رکھی تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے چائے کا ایک گھونٹ ہی بھرا تھا کہ اس کا موبائل گنگنا اٹھا۔ اس نے دائیں طرف فائل کے اوپر رکھا موبائل اٹھا کر اس کی اسکرین کو دیکھا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کال ریسیو کر کے موبائل کان کے ساتھ لگایا۔

''وعلیکم السلام ڈاکٹر صاحبہ، کیا حال ہے؟'' جعفر نے بڑے فریش لہجے میں پوچھا۔

''الحمدللہ! آپ کیسے ہیں؟'' امید افزا نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں تو بہت خوب صورت اور اچھا ہوں مگر آپ کو نظر ہی نہیں آتا۔'' جعفر نے شرارت سے کہا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔'' امید افزا نے کپ کے کنارے پر انگلی پھیری۔

''ایسی ہی بات ہے زوجہ محترمہ۔ ورنہ آپ پچھلے بیس پچیس دن سے لاہور میں ہیں اور مجھ ناچیز کو اطلاع دینا بھی گوارا نہیں کیا۔'' جعفر نے جتایا۔

''بابا جان کو بتا دیا تھا انہوں نے نہیں بتایا آپ کو؟''

''یار کبھی خود بھی مجھے فون کر لیا کرو۔ کبھی تو میرے دل کا بھی خیال کر لیا کرو مگر نہیں جی آپ تو دماغ درست کرنے والی ڈاکٹر ہیں آپ کو میرے دل سے کیا سروکار۔'' جعفر نے اسے چڑایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اسے خود سے فون کرنے سے کترائی ہے۔

''آپ کو پتا ہے کہ دل و دماغ کا آپس میں بڑا گہرا رشتہ ہوتا ہے۔'' امید افزا ہنسی تھی۔

''ہاں ہنس لو۔ بس پانچ چھ مہینے کی بات ہے۔ میں واپس آجاؤں گا اور میں نے آتے ہی رخصتی کروانی ہے۔ بس تم

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تیار رہنا۔ اب کوئی بہانہ نہیں سنوں گا۔'' جعفر نے محبت بھری دھمکی دی۔
''اب کوئی بہانہ ہے بھی نہیں۔'' امید افزا نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا۔
''ہیں؟؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں یعنی کہ ڈاکٹر صاحبہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' جعفر تو ایسا خلافِ توقع جواب سن کر خوشی سے پاگل ہی ہو گیا۔
''بولو نا خاموش کیوں ہو؟'' جعفر نے اصرار کیا۔
''نہیں۔''
''اوہ تم نے تو میرا دل خوش کر دیا۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ.....''
''بس! اب آپ پٹڑی سے مت اتر جایئے گا۔ اسی لیے میں آپ کو فون نہیں کرتی۔'' امید افزا نے جعفر کی بات کاٹی تو اس نے جاندار قہقہہ لگایا۔
''چلیے ڈاکٹر صاحبہ اب آپ کو حکایتِ دل رو برو سنائیں گے۔'' جعفر نے جتاتے ہوئے کہا۔
''اچھا! میں اس وقت اسپتال میں ہوں۔ بعد میں بات کریں گے۔'' امید افزا نے فون بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پیاری سی مسکان تھی۔

☆.....☆

سارے دن کی تھکی ماندی دھوپ رخصت ہو رہی تھی اور شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ پرندے اپنے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے۔ سارا دن کام کاج کرنے کے بعد مردوں کے گھر لوٹنے کا وقت ہو رہا تھا۔ عبدالمقیم بھی اپنے اسکوٹر پر سوار اپنے گھر کے سامنے رکے تھے۔ کونے والے پلاٹ کے پاس ان کے کافی محلے دار کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنا اسکوٹر سائیڈ پر کھڑا کیا اور ان لوگوں کی طرف چلے گئے۔
''السلام علیکم! کیا بات ہے؟ آپ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں؟ سب خیریت ہے نا؟'' عبدالمقیم نے باری باری سب کو دیکھتے ہوئے مشترکہ طور پر پوچھا۔
''وعلیکم السلام..... آؤ عبدالمقیم..... ہاں خیریت ہے۔ سنا ہے اس پلاٹ کا مالک یہاں بہت بڑا پلازہ بنانا چاہ رہا ہے۔'' عبدالمقیم کے ساتھ والے گھر میں رہائش پذیر بزرگ نے اطلاع دی۔
''مگر ایک کنال کے پلاٹ میں اتنا بڑا پلازہ کیسے بنے گا؟'' عبدالمقیم کا سوال بجا تھا۔
''میں نے سنا ہے کہ اس پلاٹ کا مالک اردگرد کے چند پلاٹ خرید کر ساتھ شامل کرے گا۔'' ایک شخص نے نئی اطلاع دی۔
''یہاں اردگرد کون سے پلاٹ ہیں؟ اس لین میں اس پلاٹ کے علاوہ میرا، چچا شکور، حامد بھائی اور خالد صاحب کے گھر ہیں۔'' عبدالمقیم نے قدرے پریشانی سے کہا۔
''ہاں سنا ہے کہ وہ شخص بہت بڑا زمیندار ہے اور اس کا بھائی کوئی ایم۔این۔اے ہے۔ بڑا پیسا ہے اس کے پاس۔ وہ منہ مانگے دام دے کر یہ سب خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''
''ہیں، کوئی زبردستی ہے کیا؟ ہم اپنے گھر کیوں بیچیں گے؟'' چچا شکور نے قدرے تشویش سے کہا۔
''چلیں، دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ ابھی تو سب کچھ سنا سنایا ہی ہے۔'' عبدالمقیم اپنے گھر کی طرف پلٹ گئے۔
''ابو! میں نے آپ کے اسکوٹر کی آواز سن کر گیٹ کھولا تو اسکوٹر کھڑا تھا اور آپ نہیں تھے۔ میں نے باہر جھانکا تو بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ کچھ ہوا ہے ابو؟'' گڑیا نے اسکوٹر گھر کے اندر کھڑا کر کے برآمدے کی طرف

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جاتے عبدالمقیم سے پوچھا۔
''نہیں، ویسے ہی کچھ لوگ کھڑے تھے تو میں ان کے پاس دعا سلام کرنے چلا گیا تھا۔ عبدالمعیز آ گیا ہے یا نہیں۔'' عبدالمقیم نے برآمدے میں پہنچ کر اپنے پیچھے آتی گڑیا سے سوال کیا۔
''نہیں ابو! ابھی تک نہیں آئے۔'' دونوں آگے پیچھے بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔
''عبدالمعیز نے آج دیر نہیں کر دی؟'' عبدالمقیم نے ساجدہ سے پوچھا جو اپنے تہ کیے ہوئے کپڑے کمرے میں لے کر آئی تھی۔
''آج اس کی کوئی اضافی کلاس ہے۔ دیر سے آئے گا۔ بتا کر گیا تھا صبح۔'' ساجدہ کپڑے رکھ کر کچن میں چلی گئیں۔
عبدالمقیم فریش ہو کر آئے تو عبدالمعیز بھی آ چکا تھا۔ ساجدہ چائے کی ٹرے لے آئیں۔ پیچھے گڑیا پکوڑوں کی پلیٹ لیے چلی آئی۔
''امی! میری پلیٹ میں زیادہ پکوڑے ڈال دیں۔ بہت بھوک لگی ہے آج لنچ کرنے کا وقت بھی نہیں ملا۔'' عبدالمعیز نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔
''ابو! کیا سوچ رہے ہیں؟'' عبدالمعیز نے پکوڑوں کی پلیٹ پکڑی۔
''کچھ نہیں۔'' عبدالمقیم نے چائے کا گھونٹ بھرا پھر چاروں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے چائے پینے لگے۔

☆.....☆

امید افزا کی ڈیوٹی آف ہوئی تو وہ گھر جانے کے لیے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ وہ کمرے کے دروازے تک پہنچی تو کچھ یاد آنے پر یکدم رک کر پلٹی اور دوبارہ میز تک آئی۔ اس نے میز پر رکھی فائلیں اِدھر اُدھر کیں اور سب سے نیچے والی فائل اٹھا کر ہاتھ میں پکڑ لی۔ یہ اسی لاوارث مریض کی فائل تھی۔ امید افزا گھر جا کر سکون سے اس فائل کو پڑھنا چاہتی تھی۔ گھر پہنچی تو مسکان اور اس کی ساس کہیں گئی ہوئی تھیں۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی۔ چیزیں رکھ کر وہ فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر وہ سو گئی۔
''سب چھین لیا ظالم نے مجھ سے..... اولاد بھی..... عزت بھی..... سب چھین لیا..... میں خالی ہاتھ رہ گیا۔''
''ابو!'' امید افزا یکدم ہڑبڑا کر اٹھی۔ آج بہت عرصے بعد اس نے اپنے ابو کو پھر روتے کرلاتے دیکھا تھا۔ بارہ سال ہو گئے تھے اس کے ابو کو اس دنیا سے گئے ہوئے مگر امید افزا نے جب انہیں خواب میں دیکھا، روتے ہوئے ہی دیکھا۔ وہ باپ کی روح کی بے چینی پر نڈھال ہو جاتی تھی۔
''میں کیا کروں؟ ابو میں کیسے آپ کو اس تکلیف سے چھٹکارا دلاؤں؟ میں بہت بے بس ہوں، بہت بے بس۔'' امید افزا بے اختیار رو دی۔
''امید افزا، کیا ہوا؟'' مسکان اسے اٹھانے آئی تھی تو یوں روتے دیکھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔
''مسکان! میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟'' امید افزا اس کے گلے لگ کر رو دی۔
''پھر خواب میں پھوپھا کو دیکھا ہے تم نے۔'' مسکان نے اس کی پیٹھ سہلائی۔ ''بس چپ کرو شاباش۔ نماز پڑھو اور ان کے لیے دعا کرو۔ عصر کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ میں اسی لیے تمہیں جگانے آئی تھی۔'' مسکان اسے اٹھا کر خود باہر نکل گئی۔
رات کو سب کاموں سے فارغ ہو کر امید افزا وہ فائل لے کر اپنے بستر پر آ بیٹھی۔ فائل میں پرسنل انفارمیشن میں

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مریض کا نام، عمر اور پتا درج تھا جو کسی دور دراز گاؤں کا تھا۔ داخل کروانے والوں میں اس شخص کے دو بھتیجوں کے نام درج تھے۔ فائل کے مطابق مریض کا نام شاہ نواز تھا۔
بیماری کی تفصیل کے ساتھ ساتھ مختلف ڈاکٹرز کے تفصیلی ریمارکس بھی درج تھے۔ جس کے مطابق وہ شخص Psychotic disorders کی بدترین قسم کا شکار تھا اور ڈاکٹرز نے اس بیماری کو تقریباً لاعلاج قرار دیا تھا۔

☆.....☆

''اگلے روز امید افزا اسپتال میں معمول کے راؤنڈ پر نکلی۔ راؤنڈ مکمل کر کے وہ اس لاوارث مریض کی کوٹھری کی طرف چلی آئی۔ سلاخ نما دروازے پر اب بھی تالا پڑا ہوا تھا اور زنجیروں میں جکڑا وہ مریض اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا۔
''ہاں مارو مجھے..... مارو..... تو تو بھی آ گیا۔ چل بھاگ یہاں سے..... کیوں آتے ہو..... جان چھوڑو..... چل بھاگ۔'' بولتے بولتے وہ اپنے ہاتھوں کو ہوا میں یوں لہرانے لگا جیسے کسی کو پیچھے کی جانب دھکیل رہا ہو۔
''جاؤ چھوڑ دو..... مجھے..... ترس کھاؤ..... چھوڑ دو.....'' اب وہ زمین پر گر کر رونے لگا تھا۔
''بابا..... بابا!'' امید افزا نے دروازے کے پاس زمین پر پنجوں کے بل بیٹھ کر اس شخص کو پکارا۔ روتے روتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔
''کون..... کون ہو تم؟'' وہ ڈر کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے بازو اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ کر چہرہ اس میں چھپا لیا۔
''میں ڈاکٹر ہوں۔ آپ میرے ساتھ باتیں کریں گے؟'' امید افزا نے ایک کوشش اور کی۔
''ڈاکٹر ہو..... جاؤ دفع ہو جاؤ..... سارے ڈاکٹر گندے ہیں..... مارتے ہیں مجھے..... تم بھی جاؤ..... جاؤ۔'' وہ طیش میں اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا مگر زنجیروں میں جکڑا ہونے کی وجہ سے دروازے تک پہنچنے سے پہلے ہی گر گیا اور پھر تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔ امید افزا اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی اور عادل کو بلا کر اس مریض کی دوائیوں اور خوراک کے حوالے سے کچھ ہدایات دیں۔
''ڈاکٹر امید کچھ بھی کر لیں..... یہ شخص ٹھیک نہیں ہو سکتا..... ہر دفعہ دوا اور خوراک بدلنے پر اس میں اتنی تیزی سے بہتری آتی ہے کہ لگتا ہے چند دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا مگر پھر جب دورہ پڑتا ہے تو پہلے سے بھی پیچھے چلا جاتا ہے..... آٹھ سال سے یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔'' امید افزا نے سینئر ڈاکٹر شاہد حسین سے شاہ نواز کی حالت پر بات کرنا چاہی تو انہوں نے مایوسی کا اظہار کیا۔
''بٹ سر! ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے اگر ہم خود نا امید ہو جائیں گے تو پھر مریضوں کا کیا بنے گا۔''
''شیور! ڈاکٹر امید آپ اپنی پوری کوشش کر لیں۔ میں آپ کو منع نہیں کر رہا مگر اپنے تجربے کی بنیاد پر نتیجہ بتا رہا ہوں۔'' ڈاکٹر شاہد حسین مسکرائے۔
''تھینک یو سر!'' امید افزا فائل اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆.....☆

پلاٹ کے مالک کا نام تو نہ جانے کیا تھا مگر وہ چٹھہ صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے اس سوسائٹی کے کرتا دھرتاؤں کے ساتھ اچھے مراسم قائم کر لیے تھے۔ اس کے پلاٹ پر مشینری آ گئی تھی۔ پلاٹ پر ایک طرف اس نے بیٹھنے کے لیے ایک لمبا سا برآمدہ بنوا لیا تھا۔ آج اس نے پوری لین کے چاروں گھروں کے مالکان کو

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پلاٹ پر مدعو کیا تھا۔ عبدالمقیم سمیت سب وہاں موجود تھے۔ چٹھہ صاحب نے سب کے لیے کولڈ ڈرنک منگوائی اور خود برآمدے میں رکھے بڑے سے میز کے پاس جا کر میز پر نقشہ بچھانے لگا۔

''آپ سب تھوڑی دیر کے لیے ادھر آ کر میری بات سن لیں۔'' چٹھہ صاحب نے سب کو برآمدے میں بلایا۔

''یہ ہے اس بلڈنگ کا نقشہ جو میں یہاں بنانا چاہتا ہوں۔'' چٹھہ صاحب نے نقشہ کی طرف اشارہ کیا۔

یہ نقشہ تو اس پلاٹ سے زیادہ رقبے کا ہے۔'' عبدالمقیم نے نقشے پر لکھے اعداد و شمار پڑھ کر کہا۔ انہیں نقشوں کے بارے میں تھوڑا بہت علم تھا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ یہ نقشہ میرے پلاٹ سے لے کر اس لین کے آخری گھر تک کے رقبے کے لیے بنایا گیا ہے۔'' چٹھہ صاحب نے آرام سے جواب دیا جیسے یہ پوری لین اس کی ملکیت ہو۔ اس کی بات سن کر سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ مکینوں کو خبر بھی نہ تھی اور ان کے گھروں کو ساتھ ملا کر بلڈنگ کا نقشہ بھی تیار کروالیا گیا تھا۔

''آپ لوگ گھبرائیے مت۔ میں اس جگہ کی قیمت مارکیٹ ریٹ سے ڈبل ادا کروں گا۔'' چٹھہ صاحب نے انہیں اطمینان دلایا۔

''آپ نے سب کچھ بالا ہی بالا طے کرلیا اور ہمیں کچھ خبر ہی نہیں ہے۔'' چاچا شکور نے ناگواری سے کہا۔

''بزرگو! خفا کیوں ہوتے ہو؟ میں تو بڑی شرافت سے قیمت ادا کر رہا ہوں۔ یہاں تو راتوں رات قبضے ہو جاتے ہیں۔ مالک بدل جاتے ہیں۔'' چٹھہ صاحب نے نہ جانے انہیں اطلاع دی تھی یا دھمکایا تھا۔

''آپ تو قیمت ادا کرنے کی بات یوں کر رہے ہیں جیسے سودا طے پا گیا ہو۔ آپ نے ہم سے ہماری مرضی تو پوچھی ہی نہیں کہ ہم اپنے گھر بیچنا بھی چاہتے ہیں یا نہیں۔'' عبدالمقیم نے چٹھہ صاحب کو مخاطب کیا۔

''ہاہاہا..... آپ لوگوں کی کیا مرضی جی، جب میں خریدنا چاہتا ہوں تو آپ لوگوں کو یہ زمین ہر حال میں بیچنی ہی ہو گی۔'' چٹھہ صاحب نے زوردار قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

سب لوگ جیسے تلملا گئے۔

''دنیا کا کوئی قانون کسی کو زبردستی اس کی ملکیت فروخت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ آپ اتنی بڑی بات کس طرح کہہ سکتے ہیں؟'' شکور چچا نے چٹھہ صاحب کو گھورا۔

''بزرگو! میں کون سی زبردستی کر رہا ہوں۔ قیمت دوں گا وہ بھی ڈبل۔'' چٹھہ صاحب کو اپنی زیادتی کا احساس ہی نہیں تھا تو نظر کیسے آتی۔

''آپ لوگوں کے پاس ایک مہینے کا وقت ہے۔ مجھے یہاں جلد از جلد کام شروع کروانا ہے۔'' چٹھہ صاحب نے سب کے چہروں پر ناگواری دیکھ کر بات سمیٹ لی۔

''ہم سوچ کر آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیں گے۔'' عبدالمقیم نے سب کو چلنے کا اشارہ کیا۔

''آپ کا فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیے۔'' چٹھہ صاحب نے عبدالمقیم سے کہا۔

''نہ ہوا تو؟ عبدالمقیم جاتے جاتے مڑے۔

''تو مجھے اپنے حق میں کروانا آتا ہے۔'' چٹھہ صاحب نے قہقہہ لگایا۔

اس کا انداز سب کو حد سے زیادہ ناگوار گزرا۔ چچا شکور کے اشارے پر سب پلاٹ سے نکل گئے۔

رات کو چچا شکور کے گھر میں سب جمع ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنا گھر بیچنے کو راضی نہیں تھا۔ لہٰذا متفقہ فیصلہ کیا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گیا کہ چٹھہ صاحب کو انکار کر دیا جائے گا۔ جب ان سب کو مشترکہ انکار چٹھہ صاحب تک پہنچا تو وہ اپنی مونچھوں کو بل دے کر کچھ سوچنے لگا۔

☆.....☆

ڈاکٹر امید افزا پوری تندہی سے اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے فرائض انجام دے رہی تھی۔ جلد ہی تمام مریضوں میں وہ اپنی نرم خو اور ہمدردانہ رویے کی وجہ سے مقبول ہو گئی۔ جونیئر اسٹاف بھی اس سے خوش تھا کہ وہ سب کے ساتھ بہت عزت اور احترام سے بات کرتی تھی۔ ابھی وہ شاہ نواز کو دیکھ کر آئی تھی جو دوائیوں کے زیر اثر سو رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر امید افزا نے فون کر کے عادل کو بلایا۔

''آیئے، عادل صاحب بیٹھیے پلیز۔'' عادل کے سلام کا جواب دے کر امید افزا نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''عادل صاحب! یہ سات دنوں کی ایک چیک لسٹ ہے۔ آپ نے پورے سات دن شاہ نواز کا جائزہ لینا ہے اور جانے سے پہلے روزانہ کی بنیاد پر اس چیک لسٹ کو مکمل کر کے جانا ہے۔'' امید افزا نے ایک فائل عادل کی طرف بڑھائی۔

''او کے میم۔'' عادل نے فائل کھول کر اس میں لگے کاغذوں پر ایک نظر ڈالی۔

''آج سے آپ ان کا ایک انجکشن کم کر دیں۔ ایک انجکشن صبح اور رات کا رکھیے۔ دوپہر میں صرف میڈیسن دیجیے۔'' امید افزا نے ساری تفصیل ایک پرچے پر لکھ کر عادل کی طرف بڑھائی۔

''ایک ہفتے بعد میں خود انہیں دیکھنے جاؤں گی۔ پھر ان کی حالت دیکھ کر آگے کا لائحہ عمل تجویز کریں گے۔'' امید افزا اپنی چیزیں سمیٹ کر اٹھ گئی۔ عادل بھی فائل اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

☆.....☆

چٹھہ صاحب کی طرف سے جان، مال اور سب سے بڑھ کر عزت کو روندنے کی دھمکیاں موصول ہونے لگیں۔ سب اکٹھے ہو کر دار سوسائٹی کے دفتر گئے۔ جہاں سے انہیں یہ مشورہ دے کر رخصت کر دیا گیا کہ وہ چٹھہ صاحب کی بات مان لیں۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں پولیس سے مدد لینی چاہیے۔'' عبدالمقیم نے مشورہ دیا۔

''تمہیں لگتا ہے پولیس ہماری بات سنے گی؟'' چچا شکور نے پوچھا۔

''کوشش تو کرنی چاہیے۔'' عبدالمقیم نے حوصلہ بڑھایا۔

''کوشش کر کے کیا ہو گا۔ یہاں تو تھانے کا چپڑاسی بھی کسی کا رشتہ دار ہو تو اس بندے کے تعلقات کہاں تک ہوتے ہیں۔ اس کا تو بھائی ایم۔ این۔ اے ہے۔'' خالد صاحب نے حقیقت پر مبنی بات کی۔

''میرا تو خیال ہے کہ چپ چاپ چٹھہ صاحب کی بات مان لیتے ہیں۔ ہم سب بال بچوں والے ہیں۔ اگر انہیں کوئی نقصان پہنچا تو ہم کیا کر لیں گے۔ سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا۔ ویسے بھی وہ جگہ کی ڈبل قیمت دے رہا۔ چپ کر کے رقم پکڑتے ہیں اور کہیں اور جا کر بسیرا کر لیتے ہیں۔'' حامد بھائی نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی۔

''کیوں بھئی..... کوئی زبردستی ہے کیا؟ ہم لوگ یہاں خوش ہیں، سیٹل ہیں۔ نہیں بیچنا چاہتے اپنا گھر.....'' عبدالمقیم نے کہا۔

''چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔'' چچا شکور کے کہنے پر سب تھانے چلے گئے اور وہاں وہی ہوا جو خالد صاحب نے کہا تھا۔ تھانے دار نے چٹھہ صاحب کا نام سن کر انہیں ان کی بات لینے کا مشورہ دیا اور ان کی کسی بھی قسم کی

NADAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مدد کرنے سے معذوری ظاہر کردی۔
تھانے دار نے چٹھہ صاحب کو فون کر کے ساری تفصیل بتادی۔
''اس سے پہلے کہ یہ لوگ کوئی اور کھڑاک کریں مجھے کچھ کر لینا چاہیے۔ مجھے لگتا ہے یہاں گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔'' موبائل آف کر کے سائیڈ پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچنے لگا۔
چند دنوں بعد حامد بھائی اور خالد صاحب نے گھر فروخت کرنے کے لیے رضامندی ظاہر کردی۔ یہ خبر سن کر چچا شکور اور عبدالمقیم دونوں ان سے ملنے گئے۔
''عزت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ میری دو بیٹیاں ہیں۔ میں نہیں چاہتا انہیں کوئی نقصان پہنچے۔'' حامد بھائی نے سر اور نظریں جھکا رکھی تھیں۔
''میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو یہ گھر میرے کس کام کا۔ اس سے بہتر ہے کہ میں یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں۔'' دونوں خالد صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہ بات کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔
''تو اس کم ظرف گھٹیا انسان نے تمھیں دھمکی دی ہے۔'' عبدالمقیم نے پوچھا۔
''دھمکی نہیں۔ عمل کر لیا ہے اس نے۔ کل میرا بیٹا اسکول سے گھر واپس نہ آیا۔ تو گھبرا کر میری بیوی نے مجھے فون کیا۔ میں نے ہر جگہ معلوم کر لیا مگر اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ میں مایوس ہو کر گھر پہنچا تو مجھے فون آیا کہ اگر بیٹا صحیح سلامت واپس چاہیے تو گھر بیچ دو۔ میرے پاس اور کوئی چارا نہیں۔ میرے ہامی بھرتے ہی وہ لوگ میرے بیٹے کو گھر کے دروازے پر چھوڑ گئے۔'' خالد صاحب نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔
''تم نے کسی کو بتایا ہی نہیں کہ ایسا ہوا ہے۔''
''مجھے منع کیا گیا تھا۔ آپ کو بھی اس لیے بتا رہا ہوں کہ آپ میری مجبوری کو سمجھیں اور مجھے خود غرض نہ گردانیں۔'' چچا شکور نے اٹھ کر خالد صاحب کا کندھا تھپتھپایا اور عبدالمقیم کے ساتھ باہر نکل گئے۔

☆.....☆

امید افزا اسپتال میں اپنی روٹین سے فارغ ہو کر عادل کو ساتھ لے کر شاہ نواز کو دیکھنے گئی۔
''شاہ نواز کی حالت میں کچھ بہتری آئی ہے؟'' امید افزا نے عادل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔
''جی! ایسی بہتری پہلے بھی کئی دفعہ آ چکی ہے مگر تھوڑے دنوں بعد اس کی پھر وہی حالت ہو جاتی ہے۔'' عادل نے بہتری کی نوید سنانے کے ساتھ ساتھ مایوسی بھی ظاہر کی۔
''کھانا وغیرہ کھا رہا ہے؟''
''جی اب انجکشن بھی اسے صرف رات کے وقت لگا رہے ہیں۔ باقی دو وقت گولیاں کھلانے سے ٹھیک رہتا ہے۔''
''بات وات کرتا ہے کچھ؟''
''ابھی تو نہیں کر رہا مگر اب بات سن کر رسپانس دے رہا ہے۔ ابھی کچھ اور بہتری آئے گی تو بات بھی کرے گا اور اپنے ماضی کے قصے بھی سنائے گا۔'' عادل نے اس کے پچھلے ریکارڈ کو سامنے رکھتے ہوئے بتایا۔ دونوں شاہ نواز کی کوٹھری تک پہنچ چکے تھے۔ حسب معمول وہ اپنی کوٹھری میں تھا اور کوٹھری کے سلاخوں والے دروازے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج وہ زنجیروں سے آزاد تھا۔ امید افزا نے دروازے کے پاس جا کر اندر جھانکا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''شاہ نواز!'' امید افزا نے دو سلاخوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اسے آواز دی تو اس نے خاموشی سے نظروں کا
زاویہ بدل کر امید افزا کو دیکھا۔ امید افزا نے مسکرا کر اس کی ہمت بندھائی۔
''مجھ سے دوستی کرو گے؟'' امید افزا نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔
''دوستی؟'' اس نے زیرِ لب دہرایا اور ایکدم ہیجانی انداز میں اٹھ کر دروازے تک آ گیا۔ عادل اور امید افزا ایک
لمحے کو کانپ سے گئے مگر دروازہ مقفل تھا سو وہیں کھڑے رہے۔
''تم دوست بنو گی میری؟'' اس نے جیسے تصدیق چاہی۔
''ہاں!''
''دوست تو مدد کرتے ہیں نا؟ میری مدد کرو گی؟'' اس نے جیسے التجا کی۔
''ہاں! بتاؤ کیا مدد کروں تمہاری؟'' امید افزا نے اس کی حرکات و سکنات کو غور سے دیکھا۔
''مجھے میرے اندر کی مار سے نجات دلا دو۔ یہ جو اندر کی مار ہوتی ہے نا بڑی ظالم ہوتی ہے۔'' اس نے عجیب سی
بات کی۔ امید افزا اس سے اس بات کی توقع نہیں کر رہی تھی سو چند ثانیے کے لیے خاموش سی ہو گئی۔
''بتاؤ نا، اللہ کا واسطہ مجھے نجات دلا دو۔ نجات دلا دو۔'' شاہ نواز روتے روتے التجا کرنے لگا اور پھر نڈھال سا
نیچے بیٹھ گیا۔
''کروں گی مدد پہلے تم مجھے بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ گے تو مدد کروں گی نا۔'' امید افزا بھی نیچے بیٹھ
گئی۔ شاہ نواز نے سر اٹھا کر امید افزا کو دیکھا جیسے اس کی بات کو پرکھنا چاہ رہا ہو۔ پھر ہولے سے اثبات میں سر
ہلانے لگا۔ امید افزا کو اس شخص پر بہت ترس آیا۔

☆.....☆

چھٹہ صاحب نے دھونس دھمکی سے کام لے کر اس لین کے دو گھروں کو خرید لیا۔ اب صرف شکور چچا اور عبدالمقیم
ہی رہ گئے تھے۔ چھٹہ صاحب نے مختلف لوگوں کو پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ قیمت دوگنا سے زیادہ کرنے
کی پیش کش کی۔ مگر ان لوگوں کا موقف یہی تھا کہ وہ اپنے گھر بیچنا نہیں چاہتے۔ یہیں پر رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی
''ناں'' چھٹہ صاحب کو اندر سے مشتعل کر رہی تھی مگر وہ برداشت سے کام لے رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ کام کسی
طرح خرابے کے بغیر ہو جائے تو اچھا ہے۔ جب عبدالمقیم اور شکور چچا نے چھٹہ صاحب کی ہر پیش کش کو رد کر دیا
اور اس کی دھمکیوں کو بھی کسی خاطر میں نہ لائے تو چھٹہ صاحب جیسے پاگل ہوا تھا۔
''ان دو ٹکے کے لوگوں کی اتنی اکڑ..... میں نے تو کبھی اپنے باپ کے نخرے برداشت نہیں کیے تو یہ کیا چیز ہیں۔
دے پہلوان! پرویز کو فون کر۔ اسے کہہ صبح ہونے سے پہلے چھٹہ صاحب کے پاس پہنچے۔'' چھٹہ صاحب
نے اپنے دستِ راست کو آواز دے کر کہا۔

☆.....☆

عبدالجبار خان جو گڑیا کے بابا کے بہت گہرے دوست تھے، ان کی سب سے چھوٹی بہن کی شادی تھی۔ وہ خود
آ کر شادی کی دعوت دے کر گئے تھے۔ گڑیا نے بھی ساتھ چلنے کی ضد کی۔
''امی جی! میرے اسکول کی چھٹیاں ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ شادی پر بھگر جاؤں گی۔'' گڑیا نے لاڈ
سے کہا۔
''ٹھیک ہے ہم سب چلیں گے۔ عبدالمعیز بھی جائے گا۔ کل اس کا آخری پیپر ہے۔ ہم لوگ بدھ کو روانہ ہوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گے۔شادی جمعے کو ہے۔ پھر اتوار کو واپس آجائیں گے۔'' ساجدہ بیگم نے گڑیا کو پورے پروگرام سے آگاہ کیا۔گڑیا خوشی خوشی اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

''تم نے بچوں کو بھی تیار کرلیا۔ میں تو چاہ رہا تھا کہ میں اور تم ہی چلے جاتے شادی میں۔اتنی دور کا سفر ہے، بچے خوامخواہ تھک جائیں گے۔'' عبدالمقیم نے ساجدہ بیگم کو دیکھا۔

''حالات پہلے جیسے ہوتے تو میں ان دونوں کو آرام سے گھر چھوڑ جاتی۔آپ جانتے تو ہیں کہ اس بدمعاش آدمی نے کتنی دھمکیاں دی ہیں۔ میں اپنے بچوں کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔اسی لیے ان کو ساتھ لے کر جارہی ہوں۔'' ساجدہ بیگم نے گہری سانس بھری۔

''میں تو کہتی ہوں۔ان کی بات مان لیں۔کہیں اور چل کر رہ لیں گے۔ان لوگوں نے ہمارے بچوں کو کوئی نقصان پہنچادیا تو ہم کیا کریں گے۔'' ساجدہ بیگم نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ایسے کرپٹ لوگ ہمارے اسی خوف سے فائدہ اٹھا کر ہر ناجائز کام آسانی سے کر جاتے ہیں۔ان کو روکنے کی جرات جو نہیں ہوتی کسی میں۔پہلی بات تو یہ کہ رہائشی علاقے میں کمرشل پلازہ بنانا سرے سے غیر قانونی ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ ہمارے ساتھ زبردستی کر رہا ہے۔ میں ان کو اتنی آسانی سے ان کے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔'' عبدالمقیم نے عزم سے کہا۔

''آپ اکیلے کیا کرلیں گے۔سوسائٹی سے لے کر تھانے تک ہر بندہ ان کا طرف دار ہے۔'' ساجدہ بیگم نے جیسے انہیں منانے کی کوشش کی۔

''کچھ نہ کچھ تو کر ہی لوں گا مگر ان کو اتنی آسانی سے یہ سب نہیں کرنے دوں گا۔'' عبدالمقیم اپنے موقف سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔

☆.....☆

اگلے روز سورج کی پہلی کرن زمین پر پڑنے سے پہلے پرویز، چٹھہ صاحب کے روبرو تھا۔چٹھہ صاحب نے اس کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کے ساتھ مل کر پورا لائحہ عمل تیار کیا کہ عبدالمقیم اور شکور چاچا کو راستے سے کیسے ہٹانا ہے۔

☆.....☆

رات کے دس بج رہے تھے۔مسکان کا شوہر اپنے دفتر کی طرف سے ایک ہفتے کے وزٹ پر گیا ہوا تھا۔اس کی ساس میڈیسن لے کر سو چکی تھیں۔مسکان جی بھر کر بور ہو رہی تھی، ٹی۔وی دیکھ کر بھی اس کی بوریت کم نہیں ہو رہی تھی۔اس نے ٹی۔وی آف کیا، ریموٹ صوفے پر پھینکا اور اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔دو کپ کافی بنائی اور ٹرے میں رکھ کر سیڑھیاں چڑھ گئی۔امید افزا اپنے پروفیشن سے متعلق ایک موٹی سی کتاب میں غرق تھی۔مسکان نے دروازہ ناک کیا اور اندر چلی آئی۔امید افزا نے ایک نظر اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر مسکرا دی۔

''قسم سے اس وقت کافی کی شدید طلب ہو رہی تھی مگر اٹھ کر بنانے کا موڈ نہیں تھا مگر کافی خود چل کر آگئی۔'' امید افزا نے کتاب الٹی کر کے بیڈ پر رکھی۔

''خود چل کر نہیں آئی ڈفر۔ میں لے کر آئی ہوں۔''

''چلو ایسے ہی سہی۔'' امید نے کافی کا کپ اٹھالیا۔مسکان بھی اس کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''میں نیچے اکیلی بوریت سے مرنے کے قریب ہوگئی تھی۔ تم سے اتنا نہیں ہوا کہ میرے پاس آجاتیں جانتی بھی ہو کہ میرے شوہر نامدار گھر میں نہیں ہے۔ مگر ناں جی آپ کو تو اپنی ان موٹی خشک کتابوں سے عشق ہے۔ اردگرد کے انسان بھلے اکیلے رہ رہ کر پاگل ہو جائیں۔'' مسکان جلی بھنی تھی۔

''تم جیسے لوگ پاگل ہوں گے تو مجھ جیسی ڈاکٹر کا کام چلے گا نا۔'' امید افزا نے شرارت سے کہا تو مسکان نے اسے گھور کر دیکھا۔

''ہو جاؤ گی ٹھیک تم بھی۔ بس دو تین مہینوں کی بات ہے۔ جعفر آجائے گا نا تو سب ڈاکٹری بھلا دے گا تمہیں۔'' مسکان نے پیار بھری دھمکی دی تو امید افزا کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''کل تمہارا آف ہے۔ مجھے نہیں پتا، چھوڑو ان کتابوں کو اور نیچے چلو میرے کمرے میں کوئی اچھی سی رومینٹک مووی دیکھتے ہیں۔ آگے چل کر تمہارے کام آئے گی۔'' مسکان نے ایک دم اٹھ کر امید افزا کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

''ارے رکو تو مجھے چپل تو پہننے دو۔'' امید افزا نے چپل پیروں میں پھنسائی اور مسکان کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

☆.....☆

گاڑی اب بھکر شہر سے گزر رہی تھی۔ گڑیا گاڑی کے دروازے کے شیشے سے سر ٹکائے بڑے اشتیاق سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بھکر کا علاقہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک طرف کچے پکے آدھے ادھورے مکان اور دوسری طرف وسیع کشادہ اور سرسبز کوٹھیاں، بنگلے اور نئی طرز کی عمارتیں۔ شام کا سورج اپنی لالی سمیٹ کر مغرب کی اوٹ میں منہ چھپانے جا رہا تھا جب وہ لوگ حویلی پہنچے۔ بہت بڑی حویلی تھی۔ بیچ میں بہت بڑا دالان، سامنے بڑے بڑے برآمدے جن کے پیچھے اونچی اونچی چھتوں والے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جن کے فرش سرخ اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ کمروں کی چوبی کھڑکیاں اور دروازے رنگین شیشوں سے سجے ہوئے تھے۔ شادی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ ساری حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔

رات ہوتے ہی حویلی میں شادی کی تقریبات اپنے جوبن پر آچکی تھیں۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل تھی۔ گڑیا اپنے ہوش میں یہ پہلی شادی دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ تتلی کی طرح اِدھر سے اُدھر اڑتی پھر رہی تھی۔ وہ شادی کی ہر رسم کو خوشی اور حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ عبدالجبار خان اور ان کے چھوٹے بھائی کے بچوں سے اس کی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ شادی بخیر و عافیت اپنے انجام کو پہنچی اور عبدالمقیم نے واپسی کا ارادہ کیا۔

''ابو! ہم کچھ دن اور رک جاتے ہیں یہاں دیکھیں تو کتنا مزا آرہا ہے۔'' گڑیا نے باپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بھئی ہماری بیٹی کا دل نہیں چاہ رہا تو مت جاؤ یا کچھ دن اور رک جاؤ۔'' عبدالجبار خان نے گڑیا کو محبت سے دیکھا۔ ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی کی گڑیا جتنی ہی ایک بیٹی تھی جو باپ سے زیادہ تایا سے مانوس تھی۔ گڑیا کو دیکھ کر عبدالجبار خان کے اندر محبت کا وہی احساس پیدا ہوتا تھا جو اپنی بھتیجی کو دیکھ کر ان کے دل میں جاگتا تھا۔

''نہیں یار، دفتر میں آج کل کچھ اہم امور چل رہے ہیں۔ تین دن کی چھٹی بھی بڑی مشکل سے ملی ہے۔ کل مجھے دفتر میں حاضری دینی ہے۔'' عبدالمقیم نے جواب دیا۔

''ابو پلیز۔'' گڑیا کی ضد قائم تھی۔

''گڑیا بیٹا، ضد نہیں کرتے پھر آجائیں گے۔'' عبدالمقیم نے گڑیا کو پچکارا۔
''اچھا ایک کام کرو۔ گڑیا کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ اگلے ہفتے میں اور تمہاری بھابھی لاہور آئیں گے تو اسے اپنے ساتھ لے آئیں گے۔'' عبدالجبار کی اس تجویز پر گڑیا کا چہرا خوشی سے کھل اٹھا۔ گڑیا کا خوشی سے چمکتا چہرا دیکھ کو عبدالمقیم کو اثبات میں سر ہلاتے ہی بنی۔

☆.....☆

امید افزا عادل کے ساتھ شاہ نواز کو دیکھنے آئی تھی۔ اب اس کی حالت پہلے سے قدرے بہتر تھی۔ دو دن پہلے اس وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔
''السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' امید افزا نے شاہ نواز سے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔
''تم..... تم..... اچھی ہو..... میں گندا ہوں..... بہت گندا۔'' شاہ نواز نے جو نظریں جھکائے اپنے پیر کے انگوٹھے کو ہولے ہولے مروڑ رہا تھا۔ امید افزا کے سوال کے جواب میں کہا اور پھر سے اسی شغل میں مصروف ہو گیا چند لمحے رک کر وہ پاؤں کا انگوٹھا چھوڑ کر سامنے خلا میں دیکھنے لگا۔
''تم جاؤ..... جاتے کیوں نہیں..... جاؤ یہاں سے۔'' وہ خلا میں ادھر ادھر ہاتھ چلانے لگا۔
''مجھے مارو..... مارتے کیوں نہیں تم..... سامنے کھڑے ہو کر ہنستے کیوں رہتے ہو؟'' شاہ نواز بڑبڑا رہا تھا۔ امید افزا نے عادل کو چند ہدایات دیں اور وارڈ سے باہر نکل آئی۔

☆.....☆

عبدالمقیم، ساجدہ اور عبدالمعیز گھر پہنچے تو دیکھا کہ چچا شکور کے گھر کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔
''یہ لوگ کہاں چلے گئے؟'' ساجدہ کے لہجے میں حیرت تھی کہ پورا خاندان اکٹھے کہاں چلا گیا۔ یہ لوگ کبھی بھی گھر کو تالا لگا کر کہیں نہیں گئے تھے۔ ایک دو افراد ہمیشہ گھر پر ہی رہتے تھے۔
''چلو تالا کھولو، سامان اندر رکھ کر پتہ کرتے ہیں۔'' عبدالمعیز نے تالا کھولا تو سب آگے پیچھے گھر میں داخل ہو گئے۔
جب عبدالمقیم کی آنکھ کھلی تو شام گہری ہو رہی تھی۔ کمرے میں ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ بیڈ کی دوسری جانب ساجدہ گہری نیند میں تھی۔ عبدالمقیم اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔ انہوں نے عبدالمعیز کے کمرے میں جھانکا تو وہ بھی گہری نیند میں تھا۔ سفر کی تھکان اتنی تھی کہ واپس پہنچ کر جو تینوں تھوڑی دیر آرام کی غرض سے لیٹے تو گہری نیند سو گئے۔ عبدالمقیم منہ ہاتھ دھو کر بڑے کمرے میں آئے تو ساجدہ پہلے سے وہاں موجود تھیں۔
''آپ جاگ گئے تھے تو مجھے بھی اٹھا دیتے۔''
''میں نے سوچا تم تھکی ہوئی ہو تو چلو تھوڑی دیر اور آرام کر لو۔''
''میں منہ ہاتھ دھو لوں پھر چائے بنا کر لاتی ہوں۔ آپ معیز کو بھی اٹھا دیں تب تک۔'' ساجدہ اٹھ کر چلی گئیں۔
''کچھ منگوانا ہے تو لسٹ بنا دو میں بازار جا رہا ہوں۔'' چائے پی کر عبدالمقیم نے ساجدہ سے پوچھا۔
''صرف سبزی منگوانی ہے۔ وہ لیتے آیئے گا۔'' عبدالمقیم نے اثبات میں سر ہلایا، میز سے والٹ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈالا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

☆.....☆

امید افزا نے شاہ نواز کے ساتھ خصوصی نشست کی اجازت لے لی تھی۔ عادل اور دیگر وواٹینڈنس کے ساتھ امید

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

افزا سٹنگ روم میں داخل ہوئی۔ شاہ نواز دیوار کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ درمیان میں میز تھی۔ میز کے اس جانب رکھی کرسی پر امید افزا جا بیٹھی۔ عادل اور دونوں اٹینڈنٹس الرٹ کھڑے ہو گئے کیونکہ شاہ نواز کسی بھی وقت وحشی ہو سکتا تھا۔

''شاہ نواز! یہ کھاؤ گئے؟'' امید افزا نے بسکٹ کا پیکٹ میز پر رکھا۔ شاہ نواز نظریں جھکائے بیٹھا رہا۔

''لے لو تم میرے دوست ہو نا'' امید افزا نے بسکٹ پیکٹ کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔ شاہ نواز نے اپنی گردن اپنے دائیں کندھے کے ساتھ لگا کر جھجکتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ امید افزا نے ایک بسکٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا وہ اسی طرح گردن کندھے سے لگائے بسکٹ کترنے لگا۔ امید افزا شاہ نواز کے ساتھ اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگی۔ شاہ نواز بس خاموشی سے سن رہا تھا اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ یکدم تیز ہوا کا جھونکا آیا اور کھلی کھڑکی سے جیسے کسی نے مٹھی بھر کر مٹی کمرے میں اچھال دی۔

''عادل پلیز کھڑکی بند کر دیں، مٹی آ رہی ہے۔''

''مٹی..... ہاں..... اماں..... کہتی تھی..... میں..... مٹی..... کھاتا تھا..... میں..... مٹی..... کپڑوں..... پر لگ..... جاتی..... تھی۔'' شاہ نواز ایک دم بے ربط سا بولنے لگا۔ امید افزا نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی۔

''اور کیا کہتی تھی اماں؟'' امید افزا نے اسے مزید بولنے پر اکسایا۔

''میرے..... بڑی..... زمینیں..... بڑا پیسا.....'' وہ امید افزا کا سوال نظر انداز کیے اپنی کہے گیا۔

''میرے..... چار..... بیٹے..... تھے..... مر..... گئے..... سارے..... میں..... نے..... مارا..... دوسروں..... کو..... تو..... میرے..... بھی مر گئے..... سب چھن گیا۔'' وہ میز پر سر پٹخ پٹخ کر رونے لگا۔ عادل اور اٹینڈنٹس اسے تھامنے آگے بڑھے تو وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکا تھا۔

☆.....☆

''سبزی نہیں لائے آپ؟'' ساجدہ نے عبدالمقیم کو خالی ہاتھ واپس آتے دیکھا تو پوچھا۔ وہ ان کی بات کا جواب دیے بغیر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ساجدہ کو ان کی غیر معمولی خاموشی بری طرح کھلی۔ وہ ان کے قریب آن بیٹھیں۔

''سب خیریت ہے نا؟ کیا ہوا؟ آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟'' انہوں نے ایک سانس میں کتنے ہی سوال کر دیے تھے۔

''شکور چچا نے بھی چٹھہ کو گھر بیچ دیا ہے۔''

''کیا؟''

''ہاں ابھی مارکیٹ گیا تو لوگوں نے بتایا کہ پتا نہیں کیا ہوا کہ راتوں رات یہ لوگ اپنا سامان لاد کر بغیر کسی سے ملے چلے گئے۔''

''پھر؟''

''مجھے بھی سب یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ چٹھہ اک خطرناک آدمی ہے میں بھی گھر اسے بیچ دوں۔''

''اب کیا ہوگا؟'' ساجدہ بہت خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

''دیکھتے ہیں۔'' ابھی بات ان کے منہ میں ہی تھی کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ عبدالمقیم اٹھ کر باہر آئے۔ دروازہ کھولا تو باہر دو عجیب و غریب حلیے والے آدمی کھڑے تھے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''عبدالمقیم تمہارا نام ہے؟'' ایک نے اکھڑ سے لہجے میں پوچھا۔
''جی۔ فرمایئے؟''
''گھر کب تک بیچنے کا ارادہ ہے۔ اب تو اکیلے رہ گئے ہو۔'' ان کے لہجوں نے عبدالمقیم کو جیسے آگ لگا دی تھی۔
''کبھی نہیں..... میرا گھر ہے میں نہیں بیچنا چاہتا۔'' عبدالمقیم نے سینے پر ہاتھ باندھ کر بے خوفی سے کہا۔
''سوچ لو زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔ زندگی نہ ہو تو کیا گھر کیا اولاد۔''
''تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟''
''نہیں حقیقت بتا رہے ہیں۔''
''یار ضد چھوڑ۔ قیمت پکڑ اور مزے کر۔ کیوں اپنی لیے بھی مصیبت کھڑی کر رہا ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔'' اب کے ان میں سے ایک نے عبدالمقیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنی۔'' عبدالمقیم پلٹ کر گھر کے اندر گئے اور دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔
''ہوں، یہاں گھی نکالنے کے لیے انگلیاں ٹیڑھی کرنا ہی پڑیں گی۔'' ایک اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے لگا اور دوسرا کسی گہری سوچ میں گم عبدالمقیم کے گیٹ کو گھورے جا رہا تھا۔

☆.....☆

جعفر واپس آ رہا تھا۔ مسکان اور امید افزا کو لیہ جانا تھا۔ امید افزا نے ایک ہفتے کی چھٹی لی اور اگلے روز دونوں لیہ روانہ ہو گئیں۔ اگلی صبح کا سورج نکلا تو بڑے بابا اور مسکان کے بابا جعفر کو لینے ائیر پورٹ روانہ ہو گئے۔ جب وہ لوگ جعفر کو لے کر واپس پہنچے تو سب بڑے ہال کمرے میں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ امید افزا اور مسکان ان سب کے پیچھے ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ جعفر فرداً فرداً سب سے ملا۔ آخر میں مسکان اور امید افزا کی طرف آیا جو ابھی تک دروازے کے پاس ہی کھڑی تھیں۔ جعفر نے مسکان کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر نرم سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ پھر ایک قدم مزید آگے بڑھایا اور شرارت بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر امید افزا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ امید افزا اس اچانک افتاد پر سٹپٹا سی گئی اور سب کی موجودگی کو محسوس کر کے شرمندہ سی ہو گئی۔ وہ ایک دم اس کے بازو کے حلقے سے نکلی اور سرخ چہرہ لیے کمرے سے باہر چلی گئی۔ جعفر نے گہری سانس بھر کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔
''نہ تنگ کیا کرو میری بیٹی کو۔'' بڑے بابا نے اسے تنبیہ کی۔
''آپ کی بیٹی میری زوجہ محترمہ ہونے کا شرف بھی رکھتی ہے۔ اب اتنی گنجائش تو ہونی ہی چاہیے کہ اتنے عرصے بعد ملاقات ہو تو بندہ گلے ہی مل لے۔'' جعفر کون سا کسی سے کم تھا۔ مسکان کے بابا نے کھنگار کر اسے ادب کے دائرے میں رہنے کا سگنل دیا تو سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆.....☆

''چٹھہ صاحب! گھر سے لوگوں کو عزت جان سے سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ عبدالمقیم کے سلسلے میں ہمیں اپنا طریقہ کار تھوڑا بدلنا ہوگا۔'' شام کو پرویز اچٹھہ صاحب کے روبرو تھا۔
''کچھ بھی کر بس مجھے اگلے مہینے کے آخر میں پلازے کا کام ہر حال میں شروع کروانا ہے۔'' چٹھہ صاحب چمک

کر بولا۔
''آپ فری ہینڈ دے دیں۔''
''ٹھیک ہے بس کام ہونا چاہیے باقی جو تیرا دل کرتا ہے وہ کر۔''
عبدالمقیم دفتر پہنچے تو ان کی میز پر ایک لیٹر موجود تھا جس میں انہیں فوراً ڈائریکٹر کے سامنے پیش ہونے کا نوٹس دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عبدالمقیم لیٹر لے کر ڈائریکٹر کے روبرو تھے۔
''بیٹھیے عبدالمقیم صاحب'' انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
''آپ کے سابقہ ریکارڈ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم سب آپ کی ایمان داری سے آگاہ ہیں اور آپ کی بہت قدر کرتے ہیں۔''
''شکریہ جناب۔''
''مگر اوپر سے آپ کے خلاف انکوائری کے آرڈرز آئے ہیں۔ آپ پر لاکھوں کی رشوت لینے کا الزام ہے۔'' ان کی بات سن کر عبدالمقیم بے یقینی سے انہیں یوں دیکھنے لگے جیسے ان کی قوتِ گویائی جیسے سلب ہوگئی۔ ان کی حالت دیکھ کر ڈائریکٹر صاحب کرسی سے اٹھ کر ان تک آئے اور ان کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
''ہمیں آپ کی ایمان داری پر پورا بھروسہ ہے۔ یہ انکوائری آڈرز یقیناً کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کلیئر ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔'' انہوں نے خاموش بیٹھے عبدالمقیم کا کندھا تھپکا تو وہ جیسے ہوش میں آئے اور وہاں سے اٹھ کر اپنی سیٹ پر چلے گئے۔
انکوائری شروع ہوئی۔ ساری زندگی ایمان داری سے کام کرنے والے عبدالمقیم کے گرد گھیرا تنگ ہونے لگا۔ ساری وضاحتیں، ثبوت ہر چیز جیسے ان کے خلاف ہوگئی۔ جب وہ بندہ سامنے آیا جس کے بقول اس نے انہیں دس لاکھ روپے رشوت دی تھی تو عبدالمقیم نے اسے پہچاننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس شخص نے یہ کہا کہ اس نے عبدالمقیم کو ان کے گھر جا کر رشوت دی تھی۔ نوٹوں کے نمبر تک اس شخص کے پاس درج تھے۔ انکوائری کمیٹی عبدالمقیم اور اس شخص کے ساتھ عبدالمقیم کے گھر روانہ ہوئی۔ پولیس پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی جس کے پاس گھر کے سرچ وارنٹ موجود تھے۔ عبدالمقیم کے گھر پولیس کو دیکھ کر لوگوں وہاں جمع ہو گئے۔
''میری بیوی اندر ہے۔ انہیں باہر آنے دیں پھر آپ لوگ شوق سے تلاشی لے لیں۔'' ساجدہ چادر اوڑھ کر باہر آئیں اور عبدالمقیم کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔ عبدالمقیم کو یقین تھا کہ جب انہوں نے رشوت لی ہی نہیں تو رقم ان کے گھر سے ملے گی کیسے۔ مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ بعض اوقات وہ کچھ بھی ہو جاتا ہے جس کا کبھی گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔
ساجدہ فق چہرے کے ساتھ سب دیکھ رہی تھیں۔ پولیس ان کے گھر کے اندر گئی۔ ان کے گھر کا سامان الٹ پلٹ کیا اور بالآخر انہیں برآمدے کی گیلری سے متعلقہ بیگ مل گیا۔ پولیس بیگ لے کر باہر آئی تو یقین سے کھڑے عبدالمقیم لڑکھڑا سے گئے۔
بیگ میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر چیک کی گئی تو وہی سیریل نمبر تھا جو ساتھ آئے شخص نے بتایا تھا۔ سالوں سے عبدالمقیم کے اچھے کردار کے گواہ لوگ اک پل میں سب بھول کر ان پر تھو تھو کرنے لگے۔ پولیس انہیں ہتھکڑی لگا کر لے گئی۔ ساجدہ پیچھے لوگوں کو یقین دلاتی رہ گئیں کہ ان کے شوہر بے گناہ ہیں۔ مگر کوئی بھی آنکھوں دیکھا ثبوت جھٹلا نہ سکا۔ ان کی برسوں کی کمائی عزت ایک جھٹکے میں لوگوں کے پیروں میں رل گئی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

عبدالمعیز یونیورسٹی سے واپس آیا تو ساجدہ سسکتے ہوئے اس کے گلے جا لگیں اور سب کہہ سنایا۔ عبدالمعیز ہر شخص کے پاس گیا مگر کوئی بھی اس کے ساتھ تھانے جانے اور اس کی مدد کرنے کو تیار نہ ہوا۔ البتہ سب نے طنز کے تیر ضرور برسائے۔ عبدالمعیز اکیلا ہی تھانے کی طرف جا رہا تھا جب اسے راستے میں صوفی صاحب ملے۔ عبدالمعیز انہیں دیکھ کر رُک گیا اور سلام کے بعد انہیں ساری بات سنائی۔

''بیٹا بڑا ہی افسوس ہوا۔ میں شہر سے باہر تھا۔ ابھی ابھی واپس پہنچا ہوں۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

صوفی صاحب لوگوں کے رویے پر افسوس کرتے ہوئے عبدالمعیز کے ساتھ چل پڑے۔

صوفی صاحب اور عبدالمعیز کی ہر درخواست اور کوشش کے باوجود انہیں عبدالمقیم سے ملنے نہ دیا گیا۔ ان کی ہر کوشش بے کار گئی اور وہ عبدالمقیم کو رہا نہ کروا سکے۔ عبدالمعیز بری طرح پریشان تھا، یہ الزام اس کے باپ کی سالوں کی نیک نامی کو چاٹ گیا تھا۔

نہ جانے صوفی صاحب کو کیا خیال آیا کہ وہ عبدالمعیز کو وہیں بٹھا کر خود چٹھہ صاحب کے پاس چلے گئے اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ وہ تو جیسے تیار بیٹھا تھا۔ صوفی صاحب کے ساتھ تھانے چلا آیا اور تھانے دار کو اپنے بھائی کا حوالہ دیا۔

''تھانے دار صاحب، چٹھہ کبھی کسی کے پیچھے تھانے آتا نہیں اور اگر آ جائے تو بندہ لیے بغیر واپس نہیں جاتا۔''

چٹھہ صاحب کی کوششوں سے عبدالمقیم کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

''جی ہم تو آپ کے خادم ہیں بس آپ ہی ہمیں کسی خاطر میں نہیں لاتے۔'' تھانے سے نکل کر صوفی صاحب نے چٹھہ صاحب کا شکریہ ادا کیا تو وہ عبدالمقیم کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''تم کیا سمجھ رہے ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں سب جانتا ہوں جو کھیل تم کھیل رہے ہو۔'' عبدالمقیم نے طنزیہ جواب دیا۔

''ابھی بھی بل نہیں نکلے پوری طرح۔'' چٹھہ صاحب نے یک دم سنجیدگی طاری کر لی۔

''تم جو چاہتے ہو وہ میں کسی قیمت پر نہیں ہونے دوں گا۔'' عبدالمقیم نے عبدالمعیز کا بازو تھاما اور آگے بڑھ گئے۔

''اب تم وہی کرو گے جو میں چاہتا ہوں اور اس کی قیمت بھی ادا کرو گے۔ بڑی ڈھیل دے دی میں نے۔'' چٹھہ صاحب نے دور جاتے عبدالمقیم کی پشت کو گھورتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔

☆.....☆

عبدالمقیم ضمانت پر رہا تو ہو گئے تھے مگر انہیں معطل کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے دفتر کے کئی چکر لگائے مگر کوئی بھی ان کی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔

''پانچ بج گئے ہیں عبدالمعیز ابھی تک گھر نہیں آیا۔'' ساجدہ نے اپنی سوچوں میں غرق عبدالمقیم کو مخاطب کیا۔

''ہوں۔ آ جائے گا دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔'' انہوں نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''آج کل وہ حد سے حد چار بجے تک آ جاتا ہے اور اب پانچ بج رہے ہیں۔'' ساجدہ کا دل اندیشوں سے لرز رہا تھا۔

''گھنٹا آدھا گھنٹا اور دیکھ لیتے ہیں۔ پھر میں پتا کرتا ہوں۔'' پانچ سے چھ اور پھر چھ سے سات بج گئے مگر عبدالمعیز گھر نہ پہنچا۔ دونوں میاں بیوی پریشان ہو گئے۔ عبدالمقیم باہر جانے کو ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عبدالمقیم نے فون اٹھایا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''میں ابھی آتا ہوں۔ عبدالمعیز کا پتا چل گیا ہے۔'' عبدالمقیم نے اپنے اسکوٹر کی چابیاں اٹھائیں اور باہر کو لپکے۔

''کہاں جا رہے ہیں مجھے کچھ بتایئے تو؟'' ساجدہ پیچھے لپکیں مگر عبدالمقیم نے کوئی جواب نہ دیا۔

عبدالمقیم بتائے گئے پتے پر پہنچ گئے۔ شہر کے باہر کوئی زیر تعمیر عمارت تھی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ وہ کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں کہ ایک بندہ ان کے پاس آیا۔

''عبدالمقیم؟''

''ہوں۔''

''آؤ میرے ساتھ۔'' عبدالمقیم اس کے پیچھے چلنے لگے۔ ان کا دل انجانے خدشوں سے لرزنے لگا۔ وہ یوں اکیلے اٹھ کر آجانے پر پریشان ہو گئے تھے۔ اس زیر تعمیر عمارت کی چھٹی منزل پر آکر وہ شخص رک گیا۔ سامنے عبدالمعیز ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس کا منہ ٹیپ لگا کر بند کیا گیا تھا۔

''عبدالمعیز! میرے بچے۔'' عبدالمقیم تڑپ کر آگے بڑھے۔ ایک پستول بردار آدمی دونوں باپ بیٹے کے بیچ میں آگیا۔

''بڑی جلدی ہے، بیٹے سے ملنے کی۔ پہلے ہماری ڈیمانڈ تو پوری کرو۔'' وہ خباثت سے مسکرایا۔

''اگر نہ کروں تو؟''

''تو جوان بیٹا کھو دو گے۔'' اس نے بے لچک انداز میں کہا۔ اولاد واقعی بعض اوقات ماں باپ کی کمزوری بن جاتی ہے۔ اپنے حق پر ڈٹ کر مضبوطی سے کھڑے رہنے والے عبدالمقیم نے بیٹے کی جان پر بنی دیکھی تو مکان سے دست برداری کے کاغذات پر سائن کرنے میں ایک منٹ نہ لگایا۔

''مالک نے کہا تھا ان سے قیمت بھی وصول کرنی ہے۔'' جب عبدالمقیم دستخط کر چکے تو اس آدمی نے کاغذات سنبھال کر اپنی جیب میں رکھتے آواز کی سمت دیکھا جہاں اس کا دوسرا ساتھی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''میرا کام سائن کروانا تھا وہ میں نے کروا لیے قیمت وصول کرنا تمہارا کام ہے۔'' وہ اطمینان سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

عبدالمقیم اپنے بیٹے کو رسیوں سے آزاد کروا رہے تھے۔ وہ نیچے بیٹھ کر اس کے پیروں کی رسیاں کھول رہے تھے جب عبدالمعیز کو دو تین زوردار جھٹکے لگے۔ عبدالمقیم نے سر اٹھا کر دیکھا تو ان کے بیٹے کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا اور وہ منہ کے بل زمین پر گر رہا تھا۔ اس آدمی نے سائلنسر لگے پستول سے بے آواز گولیاں برسائیں اور خود بھاگ گیا۔ عبدالمقیم جیسے اپنے حواس کھو بیٹھے، چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکارنے لگے مگر اس سناٹے میں کون تھا جو ان کی مدد کو آتا۔ وہ خود بھی بے ہوش ہو کر عبدالمعیز کے برابر میں جا گرے۔

☆.....☆

جب گڑیا عبدالجبار کے ساتھ واپس آئی تو سب ختم ہو چکا تھا۔ سب لٹ گیا تھا۔ عبدالمقیم ہار گئے تھے۔ اپنے جائز حق کے لیے لڑنا انہیں بہت مہنگا پڑا تھا۔ ظالموں نے ان کی عمر بھر کی کمائی لوٹ لی تھی۔ عبدالمقیم نے اپنے جوان بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تو گویا خود بھی مٹی ہی ہو گئے اور اگلی صبح خاموشی سے اپنے بیٹے کے پیچھے چلے گئے۔ ساجدہ چیخ چیخ کر حواس کھو رہی تھیں۔ گڑیا کو تو جیسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔ اس کا بھرا پرا گھر اجڑ گیا تھا۔ اسے تو چپ ہی لگ گئی۔ وہ رونا دھونا بھول کر ٹکر ٹکر سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔ کوئی رشتہ دار ان ماں بیٹی کی

WAQAR AZEEM
www.pdfstar.blogspot.com

ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں تھا۔ ایسے میں عبدالجبار خان ان ماں بیٹی کا سہارا بن گئے اور ان کو اپنے ساتھ لیہ لے جانے کا اعلان کر دیا۔

ابھی عبدالجبار خان ضروری کاموں میں مصروف تھے کہ چٹھہ صاحب ان سے ملاقات کرنے آئے۔

''لگتا ہے آپ عبدالمقیم کے کچھ زیادہ ہی سگے رشتہ دار ہیں۔'' اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

''جی آپ فرمایئے کیسے زحمت کی۔'' اس کے انداز کو نظر انداز کر کے عبدالجبار خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ کاغذات دکھانے آیا ہوں۔ عبدالمقیم نے یہ گھر میرے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔'' عبدالجبار نے کاغذات دیکھے تو ان کے مطابق عبدالمقیم یہ گھر فروخت کر کے رقم وصول کر چکے تھے۔

عبدالجبار نے اس سلسلے میں ساجدہ سے بات کی تو وہ جیسے چیخ پڑیں۔

''جھوٹ..... جھوٹ بولتا ہے وہ۔''

''مگر اس کے پاس کاغذات ہیں۔''

ساجدہ نے بے بسی کے احساس سے مغلوب ہو کر رونا شروع کر دیا۔ عبدالجبار نے ان کے گھر کا سارا سامان اونے پونے داموں بیچا اور ان دونوں کو ساتھ لے گئے۔

ساجدہ کی مخدوش ذہنی حالت دن بدن خراب ہونے لگی۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرتیں۔ اسی حالت میں وہ بمشکل ایک سال زندہ رہیں اور ایک رات خاموشی سے اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئیں۔ گڑیا کے لیے اتنی سی عمر میں پے در پے صدمے جھیلنا آسان نہیں تھا۔ وہ تو جیسے بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی تھی۔ شاید وہ بھی مر ہی جاتی اگر جو عبدالجبار خان اور ان کا خاندان اس کو اپنے پروں میں نہ چھپا لیتا۔ انہوں نے پوری کوشش کر کے اسے زندگی کی طرف واپس کھینچا اور اسے اس کے باپ کا خواب پورا کرنے پر اکسایا جو اسے ایک ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ گڑیا نے اس مقصد کو اپنے سامنے رکھا اور اس کے حصول میں جُت گئی۔

☆.....☆

ڈاکٹر امید افزا نے ایک مہینے کی چھٹی لی تھی۔ اس کی رخصتی ہو رہی تھی۔

''چلیے ڈاکٹر صاحبہ! آپ کو شاپنگ کروا دیں۔'' امید افزا اپنی پیکنگ مکمل کر کے فریش ہو کر بیٹھی تھی۔ کل انہیں گاؤں جانا تھا۔ جعفر اسے اور مسکان کو لینے آیا تھا۔

''امید افزا! امی کی کال آئی تھی وہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے تمہارے زیور اور جوڑے کا آڈر دیا ہوا ہے۔ تم جعفر بھائی کے ساتھ جا کر یہ آڈرز وصول کر لو۔'' مسکان امید افزا کو اپنی امی کا پیغام دے کر واپس پلٹ گئی۔ امید افزا نے نظریں اٹھا کر جعفر کو دیکھا جو اسے بڑی روشن نگاہوں سے تک رہا تھا۔ امید افزا عجیب سے احساسات سے دوچار ہوئی مگر نارمل سے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں!''

''چلیے ڈاکٹر صاحبہ۔'' جعفر نے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر تھوڑا سا جھک کر اسے راستہ دیا تو امید افزا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆.....☆

مایوں کی رات امید افزا نے اپنے امی، ابو اور بھائی کو خواب میں دیکھا۔ تینوں بہت خوش تھے اور یوں تیار تھے جیسے اس کی شادی میں شریک ہونے آئے ہوں۔ امید افزا ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ انہیں یاد کر کے اس کی آنکھیں

WAQAR AZEEM
www.pdfbooksfree.pk

نم ہونے لگیں اور وہ بے اختیار ہو کر رونے لگی۔ مسکان کی آنکھ کھلی تو اسے روتے دیکھ کر وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟'' امید افزا نے نفی میں سر ہلایا۔

''پاگل ہو تم۔ کہیں دور تھوڑا جا رہی ہو۔'' مسکان اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اس کا کندھا تھپک کر اسے دلاسا دینے لگی۔ امید افزا کے آنسوؤں میں اور شدت آ گئی۔

''چپ ہو جاؤ پلیز، ورنہ میں جعفر بھائی کو بلانے جا رہی ہوں۔'' مسکان اس کے مسلسل روئے پر زچ ہو کر بیڈ سے نیچے اترنے لگی تو امید افزا نے اس کا بازو تھام لیا۔

''نہ کرو پلیز۔'' امید افزا نے جھٹ سے اپنے آنسو صاف کر لیے۔

امید افزا کی رخصتی ہو گئی اور ایک مہینہ جیسے پلک جھپکتے گزر گیا۔ دو دن بعد امید افزا کو واپس لاہور جا کر اسپتال جوائن کرنا تھا۔

''یار ڈاکٹر صاحبہ! آپ چلی جائیں گی تو میں یہاں کیسے رہوں گا؟''

''جیسے پہلے رہتے تھے۔''

''پہلے اور اب میں بہت فرق ہے۔ بے درد مسیحا۔'' جعفر امید افزا کے نارمل سے انداز پر سراپا احتجاج بن گیا۔

''کوئی فرق نہیں ہے، چلیں ہٹیں سونے دیں مجھے۔'' امید افزا نے سنجیدگی سے کہا تو جعفر اسے بے چارگی سے دیکھتے ہوئے تھوڑا سا سائیڈ پر کھسک گیا اور امید افزا نے اس کے برابر میں لیٹ کر کروٹ لی اور آنکھیں موند لیں۔ جعفر نے احتجاجاً اس کے اوپر اپنا بازو رکھا اور اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ امید افزا کے ہونٹوں پر بڑی پیاری شرمیلی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

☆.....☆

امید افزا اسپتال کے راؤنڈ پر نکلی تو سب سے پہلے شاہ نواز کے پاس گئی جو اپنے بازوؤں پر یوں ہاتھ مار رہا تھا جیسے کوئی چیز جھاڑ رہا ہو۔

''بچھو..... کاٹ..... رہے ہیں..... بچھو!'' وہ ساتھ ساتھ بڑبڑا رہا تھا۔

''شاہ نواز!'' امید افزا نے اسے پکارا تو وہ اور خوف زدہ ہو گیا۔

''وہ..... یہ..... دیکھو..... یہ بچھو۔'' وہ اپنے بازوؤں پر اور زور سے ہاتھ مارنے لگا۔

''وہ..... وہ..... عبدالمقیم کھڑا ہے نا..... وہ پھینک رہا ہے بچھو۔'' شاہ نواز نے دیوار کے ساتھ چپک کر کہا اور اس کے منہ سے عبدالمقیم کا نام سن کر امید افزا ٹھٹھک گئی۔

''کون عبدالمقیم؟'' امید افزا نے سوال کیا۔

''وہ..... میں نے..... مار..... دیا..... اس کا..... بیٹا..... ہاہاہا..... پھر وہ..... بھی..... مر..... گیا..... ہاہاہا..... میں نے اس کا سب کچھ لے لیا..... ہاہاہا..... ہائے میں مر گیا..... بچاؤ..... وہ..... عبدالمقیم..... میرے..... اوپر..... سانپ..... سانپ..... پھینک..... رہا..... ہے..... اب۔'' شاہ نواز اب زور زور سے رونے لگا تھا اور امید افزا جو جب گڑیا تھی تب سے سوچتی تھی کہ اگر جوان کا گھر اجاڑنے والا شخص اس کے سامنے آ جائے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ اب جو وہ اس کے سامنے آیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس پر ترس کھائے یا اس کی اس حالت کو اس کے اعمال کی سزا کا نتیجہ قرار دے کر اس پر تھوک دے۔ وہ خاموشی سے پلٹی اور باقی کا راؤنڈ ادھورا چھوڑ کر اپنے آفس میں آ گئی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ اس نے اپنا سر دونوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہاتھوں میں گرالیا۔

☆.....☆

شاہ نواز چٹھہ جس کا نام دہشت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اسے من پسند زمینیں حاصل کرنے کا شوق تھا۔ کچھ زمین خرید لیتا، کچھ پر قبضہ کر لیتا۔ جہاں آرام اور پیار سے کام نکل جاتا وہ اچھا بنا رہتا اور جہاں اگلا تھوڑا اکڑتا اور اپنے حق کی بات کرتا تو وہ ان کی نسل مٹا دینے کی دھمکی دے کر کام نکال لیتا۔ ایک آدھ بندہ پھڑکانا اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔ جب اس کے دماغ میں شہر والی زمین پر پلازہ بنانے کا خبط سوار ہوا تو اسے ارد گرد کے گھروں کی ضرورت پڑی مگر یہاں بسنے والے لوگ آسانی سے گھر چھوڑنے والے نہیں تھے۔ باقیوں کو تو اس نے ڈرا دھمکا کر قابو کر لیا۔ مگر جب وہ عبدالمقیم کو ڈرا دھمکا کر اپنے راستے سے نہ ہٹا سکا تو اس نے اسے بدنام کر کے تھانے تک پہنچا دیا۔ اس سے بھی بات نہ بنی تو اس کے جوان بیٹے کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کروا دیا۔ دوسروں پر ظلم کرتے اور ان کے حق پر قبضہ کرتے ہوئے اسے ایک لمحے کو بھی اسے خوفِ خدا نہیں آیا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ مظلوم کی آنکھ سے نکلا ایک آنسو ظالم کی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہاں تو عبدالمقیم اور ساجدہ کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکے تھے پھر بھلا وہ اللہ کی پکڑ میں کیوں نہ آتا۔

پلازے کا ڈھانچہ کھڑا ہو چکا تھا۔ شاہ نواز چٹھہ اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ آج یہاں موجود تھا۔ وہ پلازے کی تعمیر کے حوالے سے چند معاملات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ وہ انجینئرز اور ٹھیکے داروں کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ اس کے چاروں بیٹے اس کے پاس کھڑے بور ہو رہے تھے۔ ان کی عمریں بیس سے دس سال کے درمیان تھیں۔ وہ چاروں اپنی بوریت دور کرنے کے لیے پلازے کے اندر چلے گئے۔ شاہ نواز نے ایک نظر اپنے بیٹوں کو اندر جاتے دیکھا اور پھر باتوں میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کے کھانے کا وقفہ ہو گیا تھا۔ اندر موجود سب مزدور کھانا کھانے چلے گئے۔ بچوں کو اندر گئے پانچ سات منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ چھ منزلہ پلازے کی عمارت زوردار آواز کے ساتھ سینڈوچ کی طرح یوں زمین بوس ہوئی کہ اس کی آخری منزل کی چھت زمین کے برابر آ گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی بڑی طاقت والے نے اوپر کی منزل پر ہاتھ رکھ کر زور ڈالا ہو اور سب نیچے بیٹھ گیا ہو۔ ارد گرد کے لوگ اور مزدور دوڑے۔

''ارے خدا کے لیے کچھ کرو میرے بچے اندر دب گئے ہیں۔'' چٹھہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ اس لمحے اسے بھولا ہوا خدا جیسے یک دم سے یاد آیا تھا۔

بڑی جلدی جلدی کرتے بھی مشینوں کے ساتھ ملبہ ہٹانے میں دو دن لگ گئے اور ان چاروں کی لاشیں ملبے سے مل گئیں۔ شاہ نواز اپنے لاڈلوں کی لاشیں دیکھ کر حواس کھونے لگا۔ اپنے گود کے پالوں کو یوں دیکھ کر ان کی ماں جو گری تو ان کے ساتھ ہی قبر میں جا اتری۔

یہ سانحہ شاہ نواز کے اعصاب کو جیسے کھا گیا۔ اس کی ذہنی حالت بگڑتے بگڑتے اس نہج پر آ گئی کہ اس کے بھائی بھتیجوں نے اسے لاوارث قرار دے کر مینٹل اسپتال میں داخل کروا دیا۔ تب سے اب تک وہ یہیں تھا۔

☆.....☆

''تم ڈاکٹر ہو..... کسی بھی دوا کی زیادہ مقدار دے کر تم اس کا کام تمام کر دو..... کسی کو تم پر شک بھی نہیں ہوگا کیونکہ تم ایک قابل اور ہمدرد ڈاکٹر ہو۔ اپنے خاندان کا بدلہ لے لو..... مار دو اس ظالم انسان کو جس نے تمہاری دنیا اجاڑ

دی تھی..... ماردو۔'' امید افزا اس روز سے عجیب کش مکش میں تھی۔ اس کے نفس نے اسے اکسایا کہ وہ شاہ نواز کو مار کر اس سے انتقام لے لے۔

''تم ڈاکٹر ہو..... تمہارا کام انسانی زندگی بچانا ہے..... تم کیسے کسی کی جان لے سکتی ہو..... تم نے حلف اٹھایا ہے کہ تم ہر انسان جان کی حفاظت کرو گی۔'' اس کے ضمیر نے اسے اس کا مقام یاد دلایا۔ امید افزا کے کانوں میں اس حلف کے الفاظ گونجنے لگے جو اس نے ڈاکٹر بنتے وقت اٹھایا تھا۔

''میرے ابو دنیا کی نظروں میں بے شک گناہ گار تھے مگر اللہ کی نظروں میں سرخرو تھے..... تم اچھے ہو اور دنیا تمہیں برا سمجھے..... بہتر ہے اس بات سے کہ تم برے ہو اور دنیا تمہیں اچھا سمجھے مگر یہ جو پچھتاوے کی آگ میں جل رہا تھا..... پل پل جی رہا تھا..... پل پل مر رہا تھا..... جس پر زندگی جیسی چیز سزا بنا کر مسلط کر دی گئی تھی، جو یہاں بھی عبرت کا نشان بنا دیا گیا تھا اور مرنے کے بعد تو اس کا کوئی نام لینے والا بھی شاید نہ رہے..... نیک اولاد صدقہ جاریہ ہوتی ہے اور میں اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہوں۔'' امید افزا مسلسل خود سے لڑ رہی تھی، دلیلیں دے کر اپنے نفس کی بات نہ ماننے کی کوشش میں تھی۔ پھر اس کے ضمیر نے اس کے نفس کو شکست دی اور امید افزا اپنی نفرت کو دبا کر پہلے کی طرح شاہ نواز کا علاج کرنے لگی۔ گو کہ اب یہ سب کرنا مشکل تھا اور مشکل ہی ہونا تھا کیونکہ نفس کو دبانا کبھی بھی آسان نہیں ہوتا۔

امید افزا اپنے آفس میں بیٹھی چند مریضوں کی فائلیں دیکھ رہی تھی جب اچانک شور اٹھا۔ وہ باہر نکلی تو سب لوگ شاہ نواز کی کوٹھڑی کی طرف بھاگ رہے تھے۔ وہ بھاگ کر وہاں پہنچی۔ شاہ نواز پر پاگل پن کا شدید دورہ پڑا تھا۔ اس میں نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ اس نے اپنی زنجیریں دیوار سے اکھاڑ لی تھیں اور اب وہی زنجیریں اپنے سر اور چہرے پر مار رہا تھا۔ وہ خون میں لت پت تھا۔ اس کی جنونی حالت کے پیش نظر فی الحال اس کے قریب جانے کا رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔ وہ خود کو مار مار کر بے ہوش ہو کر گر گیا تو اٹینڈنٹس بھاگ کر کوٹھڑی میں پہنچے مگر اسے اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آئی کہ وہ وہاں چلا گیا تھا جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

شاہ نواز جیسے ذی اختیار کا یہ الم ناک انجام دیکھ کر نہ جانے امید افزا کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہنے لگے تھے حالانکہ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ اس کا دشمن اپنے انجام کو پہنچا۔ وہ روتے ہوئے وہیں دیوار سے جا لگی۔

''ڈاکٹر امید! حوصلہ کیجیے۔ آپ نے اپنی پوری کوشش کی۔ آپ ڈاکٹر ہیں خود پر قابو رکھیے۔'' ڈاکٹر شاہد نے امید افزا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا۔

''سسٹر! ڈاکٹر صاحبہ کو یہاں سے لے جائیں۔''

جب انسان کو کسی بات کا اختیار دیا جاتا ہے تو اس کے سامنے دو راستے بھی رکھ دیے جاتے ہیں کہ چاہے تو اس اختیار کو بھلائی کے لیے استعمال کرے اور چاہے تو برائی کے لیے۔ مگر انسانوں کو جب اختیار ملتا ہے تو ان کی اکثریت اسے پا کر فرعون بن جاتی ہے اور ظلم کا رستہ اختیار کر لیتی ہے۔ شاہ نواز نے اپنے اختیار کے نشے میں چور ہو کر عبدالمقیم کی نسل کو ختم کرنا چاہا تھا مگر ان کی نسل اب بھی زمین پر موجود تھی اور وہ خود بے گھر اور بے نسل ہو کر مر گیا تھا۔ انسان کی اوقات ہی کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں' امید افزا انہی سوچوں میں گم تھی۔ اس نے شاہ نواز کی زندگی سے عبرت حاصل کر کے اختیار کو بھلائی کے لیے استعمال کرنے کا سبق سیکھا تھا اور اب اسے ساری زندگی اس سبق کو نہ صرف خود یاد رکھنا تھا بلکہ اسے اپنی اگلی نسلوں کو بھی پڑھانا تھا۔

☆

کنیز زہرہ

# آئینہ دل

''میری سمجھ میں نہیں آتا مہر کہ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔ آج کے دور میں تم دقیانوسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ پرانے دور کی باتیں ہیں۔ آج کے دور میں اس طرح کی سوچ کو کوئی نہیں مانتا۔ تم بھی اس سوچ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھو اور اپنی مرضی سے اپنی زندگی کو جیو۔'' افراز نے جھنجھلاتے ہوئے پین کو ٹیبل پر پٹخا اور سیدھا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''انسان جب کسی کی پریشانی کسی کے حالات سمجھ نہ سکے تو اسے کچھ کہنا بھی نہیں چاہیے افراز صاحب! یہ زندگی ہے آپ کے کسی ڈرامے کی اسٹوری نہیں جو آپ کے کہنے پر چلے گی اور میری ایک بری عادت ہے کہ میں کسی کے کہنے پر نہیں چلتی، جو میرے دل میں آئے جو میرے اصول ہیں ان کے مطابق چلتی ہوں۔'' پیپر ویٹ گھماتے ہوئے مہرین نے بات مکمل کی تو افراز تڑپ اٹھا۔

''زندگی اگر میرا بنایا ہوا ڈراما نہیں ہے تو کوئی مذاق بھی نہیں ہے۔ تم اسی طرح اچھے کردار چھوڑتی رہیں تو پھر بھول جانا کہ تم کبھی اچھی اداکارہ بن سکتی ہو۔ یہ ڈراما انڈسٹری ہے میڈم! اپنی مرضی سے آپ کوئی کردار نہیں کر سکتیں۔ اگر تمہیں کامیاب ہونا ہے تو تمہیں ہر قسم کا کردار کرنا ہوگا۔ خواہ وہ طوائف کا ہی کیوں نہ ہو۔ اداکارہ نہیں ہوتا جو کچھ گنے چنے کردار کرے۔ اداکارہ ہوتا ہے جو ورسٹائل ہو اور ہر طرح کے کردار کر سکے۔'' وہ کچھ پل رکا سنجیدگی سے اسے دیکھنے کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔ ''دیکھو! زندگی کو یوں مذاق نہ سمجھو۔ جب تک تم سنجیدگی سے کام نہیں کرو گی تم کامیاب نہیں ہو سکتیں۔'' آدھا گلاس پانی چڑھا کر غصہ ضبط کرتے ہوئے افراز نے مہرین کو سمجھایا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم ایک بہت بڑے ہدایت کار ہو لیکن میں بھی ایک شریف زادی ہوں۔ میں بھی وہ رول نہیں کروں گی جو میری شان کے خلاف ہے۔'' اس نے بھی انتہائی سنجیدگی سے کہا تو وہ چپ سا ہو گیا۔ وہ مزید گویا ہوئی۔ ''دیکھو افراز! میرے کچھ اصول ہیں جن کے ساتھ چلنا میں پسند کرتی ہوں۔ تم نے مجھے آفر کی تمہاری مہربانی مگر میں وہ رول کروں گی جو مجھے اچھا لگے گا۔ ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' بحث سے بچنے کی خاطر بیگ اٹھا کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اسے بہت دیر ہو گئی تھی۔ آج ثمرین کی سالگرہ تھی اسے یاد ہی نہیں تھا۔ ریش ڈرائیونگ کر کے گھر پہنچی تو گھر پر میلے کا سا سماں تھا۔ بہت کم لوگوں کو بلانے کے باوجود بلا کی چہل پہل تھی۔ شام کے سائے ڈھل رہے تھے۔ آسمان سے گویا رنگ برس رہے تھے۔ تقریب کا انعقاد لان میں ہی تھا۔ وہ لیٹ ہو چکی تھی۔ اسی خدشے کے پیش نظر وہ گھر سے ہی تیار ہو کے نکلی تھی۔ آج شوٹنگ نہیں تھی بس افراز نے ایک کردار کے بارے میں بات چیت کرنا تھی اسی لیے اسے بلایا تھا۔

☆.....☆

سید وجاہت حسین شاہ کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ بڑی مہرین وجاہت جو بی ایس سی کے بعد شوبز جوائن کر چکی تھی جس کی کافی مخالفت وجاہت شاہ نے اور

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

AR AZEEM
kistan

سارے خاندان نے کی۔ اس موقع پر ثمرین نے ایک بہن ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے ہزار دلیلیں دے کے بابا کو منا ہی لیا۔ وہ چھوٹی تھی، ضدی تھی اور سب سے بڑھ کر اسے قائل کرنا آتا تھا۔ ثمرین خود اب ایم بی بی ایس کے تیسرے سال کی طالبہ تھی۔

اس نے مسکراتے ہوئے قدم بڑھائے' سامنے ہی لوگوں سے ملتے ملاتے وجاہت صاحب اور سکینہ بیگم نظر آگئے۔ بلیک ڈنر سوٹ میں اگر وجاہت حسین قیامت ڈھا رہے تھے تو سادہ سی سیاہ ملٹی ستاروں سے سجی ساڑھی پہنے سکینہ بیگم بھی کسی سے کم نہیں لگ رہی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے پاس جاتے ہوئے سلام کیا تو جواب دے کر سکینہ بیگم اسے ڈانٹنے لگیں۔

''کہا بھی تھا آج مت جاؤ بہن کی سالگرہ ہے، کچھ اس کا ہی خیال کرلو۔ اب دیکھنا وہ ناراض ہو گی تم سے۔'' وجاہت صاحب نے بھی ایک برہم نگاہ سے نوازا۔

''ارے میری پیاری ماما جانی! ٹریفک میں پھنس گئی تھی، سوری نا اب اور ثمر کی بچی کو میں خود منا لوں گی۔'' ماما کے گلے لگ کر وہ ان کی خفگی کو مٹانے لگی تو وجاہت صاحب مسکرا اٹھے۔

''جاؤ بیٹا! جو یہاں ایک خطرناک لڑکی ہے۔ اس کے عتاب کا شکار ہونے سے پہلے اس سے معافی مانگ لو جا کے۔'' آنکھ مارتے ہوئے شرارت سے کہتے وجاہت حسین ایک طرف چل دیے تو مہر بھی مسکراتے ہوئے ماما سے الگ ہوئی۔ ''آخر غلطی بھی تو میری ہے۔ صحیح کہتے ہیں بابا! معافی مانگ لینے میں کیا حرج ہے۔ معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا تھوڑا ہی ہو جاتا ہے۔'' سوچتے ہوئے اس نے سر جھٹک کر منفی سوچوں سے دامن چھڑایا۔ کئی سالوں سے وہ ہی تو مانگتی آرہی تھی معافی۔

''ویسے ہے کہاں میڈم جی! ان سے بھی سوری کہہ لوں کہیں دیر سے آنے پر ناراض ہی ہو جائے۔'' لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے اس نے پوچھا تو سکینہ بیگم بولیں۔

''یہیں کہیں ہوگی دیکھ لو۔''

وہ مسکراتی ہوئی ایک طرف چل دی۔ اسکن اور سرخ بوتیک اسٹائل سوٹ میں مناسب میک اپ کیے' کانوں میں ننھے ننھے ٹاپس کے علاوہ اس نے کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ سکینہ نے باوقار چال چلتی بیٹی کو دور تک دیکھا۔ اس سادگی میں بھی وہ غضب ڈھا رہی تھی۔ سکینہ بیگم بھی مطمئن مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے مسز ملک سے ملنے لگیں جو ابھی اپنی فیملی کے ساتھ آئی تھیں۔ کچھ دیر میں ہی ثمرین اسے اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی نظر آگئی۔ اس کے اونچے اونچے قہقہے اس کے اچھے موڈ کے گواہ تھے۔ اس نے پاس جا کے سلام کیا تو جواب بڑے پرجوش انداز میں دیا گیا۔ وہ کچھ حیران ہوئی۔

''دانیہ! ان سے ملو یہ میری آپی ہیں جو شوبز اسٹار ہیں۔ لوگ ان کے آٹوگراف کے لیے ترستے ہیں۔ میں خوش نصیب ہوں یہ میری بہن ہیں۔'' خوشی اس کے چہرے سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

''اور آپی..! یہ دانیہ ہے میری نئی دوست میری کلاس فیلو۔''

اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ کچھ دیر وہ وہاں بیٹھ کے اٹھ آئی۔ ثمرین کا رویہ اسے الجھا رہا تھا۔ ''کیا اس نے درگزر کرنا سیکھ لیا تھا؟''

کیک کٹنے کے بعد خوشگوار ماحول میں سب نے کھانا کھایا۔ دانیہ کی ماما سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ بہت اچھی خاتون تھیں۔ پھر ویٹرز سب کو سبز چائے سرو کرنے لگے تو مہرین نسبتاً کنارے پر دور ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ وہ تھک گئی تھی۔ کچھ دیر میں ہی ثمرین کی سہیلیوں نے دھاوا بول دیا۔ سب کو اس کا آٹوگراف چاہیے تھا۔ ثمرین بھی پاس کھڑی مسکراتی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

رہی۔

''ارے دانیہ.. تم یہاں ہو میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں، ماما بھی پوچھ رہی ہیں گھر نہیں چلنا؟'' مہرین آٹوگراف وغیرہ سے فارغ ہو کر جانے ہی لگی تھی کہ آواز پر سامنے نظر گئی اور پلٹنے سے انکاری ہوگئی۔ اس نے کم ہی خوب صورت مردوں کو دیکھا تھا۔ اس کے خیال میں خوب صورتی بس عورت کی میراث تھی مگر سامنے کھڑا مرد اس کے خیالات کی نفی کر رہا تھا۔ بلیک پینٹ اور لائٹ کاسنی شرٹ میں وہ شخص اپنی مثال آپ تھا۔ سرو قد، سرخ و سفید رنگت، متناسب سراپا، سرخ ہونٹوں پر سجی کمال نفاست سے ترشی ہوئی مونچھیں، سمندر جیسی گہری سیاہ آنکھیں سب سے بڑھ کر لڑکیوں جیسی مڑی ہوئی گھنی پلکیں۔ وہ متوجہ نہیں تھا۔ مہر نے جلدی سے سر جھٹک کر نظر اس کی طرف سے ہٹائی۔ دانیہ، ثمرین سے مل کے جا رہی تھی۔ جانے کیوں مہرین کو لگا کہ دانیہ سے بات کرتے کرتے بھی ثمرین کی نظریں دانیہ کے بھائی عون کے چہرے کا طواف کر رہی ہیں۔ وہ اپنا وہم سمجھ کر وہاں سے اٹھ آئی۔

''ویسے بندہ ہے خوب صورت! اللہ کتنی فرصت سے بناتا ہے کچھ لوگوں کو۔'' دل ہی دل میں اس نے اعتراف کیا۔ پھر مہمانوں کے جانے کے بعد ماما نے بتایا کہ ثمرین اور عون کے رشتے کا سلسلہ عنقریب چلنے والا ہے تو مہر بہت خوش ہوگئی۔ عون ہر لحاظ سے ثمرین کے لائق تھا۔

☆.....☆

آج اس کے ڈرامے کی شوٹنگ کا آخری تھکا دینے والا دن تھا۔ آخری سین اوکے ہوا تو وہ کرسی پر ریلیکس انداز میں بیٹھی۔ سامنے ٹیبل پر پڑا جوس کا گلاس گرم ہو رہا تھا۔ جاتی گرمیوں کی شامیں خوشگوار تھیں مگر دن ہلکی ہلکی گرمی کے احساس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ ایک ہی زاویے سے بیٹھی گلاس وال سے باہر آسمان پر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے کیمرہ مین، میک اپ مین وغیرہ کی موجودگی کو نظر انداز کیے وہ خود میں گم تھی۔ جب افراز نے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ٹیبل کو انگلی سے بجایا تو وہ فوراً متوجہ ہوئی۔

''پھر کیا سوچا تم نے اس رول کے بارے میں؟ میں تو کہتا ہوں انکار مت کرو۔ بہت پاور فل رول ہے۔ زندگی بن جائے گی تمہاری۔'' افراز نے اسے سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

''تم ایک شریف زادی کو ایک طوائف کا کردار کرنے کو کہہ رہے ہو جبکہ میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ مجھے ایسا کوئی کردار نہیں کرنا جس سے میرے خاندان، میری ذات، میرے کردار پر حرف آئے۔'' تنبیہی انداز اختیار کرتے اس نے سنجیدگی سے کہا تو افراز نے سامنے پڑا جوس اٹھا لیا۔

''دیکھو مہر! یہ زندگی ہے اور زندگی ہر کسی کو گولڈن چانس نہیں دیتی۔ یہ ایک میگا ڈراما سیریل ہے۔ بڑی کاسٹ پر مشتمل ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی شوٹنگ امریکا میں ہو رہی ہے۔ تم پچھتاؤ گی یہ چانس مس کر کے۔'' جوس کے سپ لیتا وہ مکمل سے گویا ہوا۔

''سب سے پہلی بات تو یہ کہ میرے بابا نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے شوبز کی اجازت دی، وہ اعتماد میں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔ دوسری بات یہ کہ مجھے یہ گوارہ نہیں کہ کوئی مجھے دیکھ کے یہ کہے کہ وہ جا رہی ہے جس نے ایک طوائف کا کردار کیا۔ خدا جانے خاندانی ہے بھی یا بس نام کی خاندانی ہے۔'' جامع انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تو افراز کی سمجھ سے باہر ہو گیا کہ وہ اپنی بہت اچھی دوست کو کیسے سمجھائے۔

''تمہاری مرضی مگر میں ایک ہفتے تک تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔ سوچ سمجھ کے جواب دینا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مجھے کوئی جلدی نہیں۔" ادھ پیا گلاس ٹیبل پہ پٹخ کے وہ واک آؤٹ کر گیا تو مہر نے ٹھنڈی سانس لے کر اپنا گلاس اٹھا کر دو گھونٹ میں ختم کیا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو خلاف معمول سناٹے نے استقبال کیا۔ لاؤنج میں صفائی کرتی ملازمہ سے اس نے پوچھا تو پتا چلا کہ سب گھر میں ہیں مگر اپنے اپنے کمروں میں۔ وہ ثمرین کے کمرے کی طرف چل دی۔ آج جانے کیوں اس سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے ثمرین کی آواز آ رہی تھی۔ شاید وہ اپنی کسی دوست سے بات کر رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے سائرہ آنٹی! پاگل ہو گئی ہیں۔ سائرہ بیگم (دانیہ کی امی) کو کیا نظر آیا اس اول جلول مہر میں جو میرے بجائے اس کا رشتہ مانگ لیا۔" مہر کے دستک دیتے ہاتھ اپنا نام سن کے رک گئے۔ وہ ساکت وجود لیے سن سی کھڑی رہی۔

"اوپر سے کہتی ہیں۔ عون کو مہر جیسی ڈیسنٹ لڑکیاں پسند ہیں۔ بتاؤ میں نے ان کے سامنے کیا کرتب کیا جو میں انہیں جوکر لگی ہوں؟" وہ شدید غصے میں آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی، بات بات پہ بے انتہا غصہ ہونے والی اور غصے میں تمیز بھول جانے والی۔

"اور بات بھی تو عون کی ہے جسے میں پہلی نظر میں ہی اپنا مان بیٹھی ہوں۔" دوسری طرف کی بات سن کے وہ پھر گویا ہوئی۔

"صحیح کہا تم نے زنیرہ۔ جب مہر کام طوائفوں والے کرے گی تو مردوں کو رجھانا تو آئے گا ہی۔ اس جینی گری ہوئی لڑکی سے اور امید بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ تم یقین نہیں کرو گی میں نے کس مشکل سے ماما بابا کو اسے گھر سے نکالنے سے روکا تھا۔ اس نے ہماری ذات پہ ہمارے خاندان پر لوگوں کو کیچڑ اچھالنے کا موقع دیا۔ ایسی اولاد کو تو مر ہی جانا چاہیے۔" ثمر کے لہجے میں نفرت کا زہر تھا۔

احساس توہین سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک پل کے لیے اسے لگا وہ مر گئی ہے مگر آتی جاتی سانسیں بتا رہی تھیں کہ وہ کس قدر ڈھیٹ ہے جو ابھی بھی زندہ ہے۔ اس نے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا اور شکستہ پا جھکے سر کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ بیڈ پہ گر کر وہ سسک سسک کر رو دی۔ کیسے کیسے انکشاف ہوئے تھے آج کہ اس کی روح تک ادھیڑ گئے تھے۔ تب ہی وہ حیران ہوتی تھی کہ ماما بابا کی محبت میں کمی کیوں آ گئی ہے۔ وہ اس کے پہلے کی طرح ناز نہیں اٹھاتے۔ ان کے دلوں میں اس کے لیے نفرت تھی، یہ کبھی چاہ کے بھی مہر نہیں سوچ پائی تھی۔ سچ تھا کہ اس دنیا میں بہت کچھ چاہت کے برخلاف ہوتا ہے اور انسان کو سہنا پڑتا ہے مگر یہ کیا ہو گیا تھا کہ اس سے سہا ہی نہیں جا رہا تھا۔

☆.....☆

وہ رات ہی پیکنگ کر چکی تھی۔ وہ سامان لے کر کمرے سے نکلی تو ماما اور بابا لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"اچھا ماما بابا! میں جا رہی ہو۔ چار بجے کی فلائٹ ہے دو تو گھر میں ہی بج گئے۔" ہینڈ کیری فرش پہ رکھ کر ماما سے گلے ملتے ہوئے جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس رات سب کچھ سن کے اس نے سہہ لیا تھا۔ کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کہتی بھی تو کس سے؟ کون تھا اس کا اپنا اور اسے آتی بھی کب تھی اپنی بات کہنی یا سمجھانی۔ عجیب بے چینی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا دنیا کے کسی کونے میں چھپ جائے پھر بھی کوئی اسے ڈھونڈ نہ پائے۔ شوٹنگ کا بہانہ کر کے وہ سارا سارا دن سڑکوں پر بے مقصد گاڑی بھگاتی رہتی۔ اس نے افراز کو بتا دیا تھا کہ وہ رول اسے قبول ہے۔

"او کے بیٹا! خیر سے جاؤ۔" سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بابا نے دعا دی تو اس کی آنکھیں برس پڑیں مگر وہاں کون تھا جو اس دل گرفتگی کی وجہ پوچھتا۔ پھیکی سی

WAQAR AZEEM pakistanipoint.com

مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ کر معدوم ہوگئی۔
عزتوں اور اناؤں کے بلند پرچموں پہ نگاہیں ٹکی ہوں تو نظر کسی کی بے بسی پہ جائے بھی تو کیسے۔''
''پہنچ کر فون ضرور کر دینا۔'' ماما کی فکر میں چھپا مصنوعی پن آج اور بھی اجاگر ہوا۔
وہ نظر چراتی، اثبات میں سر ہلاتی باہر کی طرف چل دی۔ ملازم گاڑی میں سامان رکھ چکا تھا۔
''سنو! ثمر سے تو مل لو۔'' ماما کی آواز کی بازگشت نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ ان سنا کر کے گاڑی میں جا بیٹھی۔ پیچھے شاہ ہاؤس کی پرشکوہ عمارت سناٹے میں گھری رہ گئی۔

☆.....☆

ڈراما واقعی میگا بجٹ سے تیار ہو رہا تھا۔ کئی نام ور فنکار اس میں موجود تھے۔ مہر تمام دن شوٹنگ میں گزارتی اور رات کو تھک ہار کے اپنے کمرے میں واپس آ کے سگریٹ پھونکتی رہتی۔ یہ نئی عادت تھی جو اس نے بہت تیزی سے اپنائی تھی۔ اب وہ اتنے سگریٹ پیتی تھی کہ کیا کوئی چین اسموکر پیتا ہوگا۔
اس دن بھی وہ تھکی ہاری آئی اور روم لاک کر کے فریش ہوئے بنا کرسی پر ڈھے گئی۔ دفعتاً بھوک کے احساس نے اسے گھیر لیا۔ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ اس نے ٹیبل سے سگریٹ اور لائٹر اٹھایا۔ وہ سارے دن کی بھوکی تھی اور بھوک کا احساس بھی سگریٹ پھونک کر مٹا رہی تھی جانے وہ کسے سزا دے رہی تھی۔
''کام طوائفوں والے کرے گی تو مردوں کو رجھانا تو آئے گا ہی نا؟'' دھوئیں کے مرغولوں میں نیند سے روٹھی آنکھوں نے ایک منظر دیکھا تو وہ سر جھٹک گئی۔ بھلا سات سمندر کا فاصلہ پاٹ کر ثمرین نفرت کے تیر چلانے یہاں کیسے آ سکتی تھی۔ ایکدم اسے احساس ہوا کہ یہ کرب آگیں لہجہ اور یہ نفرت میں ڈوبا انداز تو اس کے دل میں کسی خنجر کی طرح چبھا ہے اور رہ رہ کے درد دیتا ہے۔ وہ اٹھی اور کھڑکی میں کھڑی ہوگئی۔ پتا نہیں کیوں ہر سہولت سے آراستہ اس پرتعیش کمرے میں بھی اسے چین نہیں مل رہا تھا۔ سگریٹ سلگ سلگ کر اس کی انگلیاں جلانے لگا تو اس نے پاؤں سے مسل کے نیا سگریٹ جلا لیا۔ بیڈ کی طرف جاتے ہوئے اس کا عکس آئینے میں ابھرا تو آئینے میں موجود بکھرے حلیے والی لڑکی کے لب تھرتھرائے۔
''گری ہوئی لڑکی!'' کوئی اس کے کانوں کے پاس غصے سے کہہ رہا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخیں روکتے ہوئے وہ بیڈ پر گر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اگلے دن اس کے ڈرامے کی شوٹنگ کا آخری دن تھا۔ آخری سین عکس بند ہو رہا تھا۔
''جاؤ سلیمان صاحب! جاؤ اپنی پاک باز بیوی کے پاس جاؤ۔ کیا ہوا جو وہ آپ کو مجھ جتنا نہیں چاہتی تو۔ بھلا طوائف کی محبت بھی کوئی محبت ہے؟ محبت تو شریف زادیوں کا حق ہوتی ہے۔ آپ جیسے لوگ اپنی نام نہاد شرافت پہ بس اپنے خاندان کی عورتوں کو کھرا پاتے ہو۔ وہ شادی کے لائق ہوتی ہیں ہم نہیں۔'' جذباتی انداز میں ڈائیلاگ بولتے ہوئے وہ ٹیبل پہ دھرے چمکتے پھل والے تیز دھار چاقو کو ہاتھ میں لیتی ہے۔
''سر! سوری میں مہرین میڈم کو مصنوعی خون کی تھیلی دینا بھول گیا۔'' میک اپ مین بھاگتے ہوئے آیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کٹ بولتا مہرین پے در پے چاقو کئی بار اپنے پیٹ میں گھسا چکی تھی۔ قمل بھل فواروں کی شکل میں نکلتا خون اس کو پل میں نہلا گیا تھا۔ افراز بدحواس ہو کر بھاگا اور گرتی ہوئی مہر کو بازوؤں کا سہارا دے کے فرش پر بیٹھ گیا اور چلانے لگا۔
''کس نے رکھا نقلی چاقو کی جگہ اصلی چاقو؟ مبشر ایمبولنس کو فون کرو۔'' افراز پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لوگوں کو متوجہ کرنے لگا کیمرہ مین، لائٹ مین، اردگرد کھڑی ساری ٹیم جو سین اچھا ہو جانے پہ خوش تھی۔ انہیں صورتحال سمجھنے میں کچھ دیر لگی۔

"میں نے رکھا تھا اصلی چاقو افراز! مرتو میں کئی دن پہلے گئی تھی۔ اب تو اس سانسوں کے عذاب سے نجات حاصل کی ہے۔ میں نے غلطی کی تھی نا، خاندان کی عزت کو داغ لگایا تھا نا؟ دیکھو آج اپنے خون سے دھو دیا ہے۔ تم گواہ ہونا۔" ان کے گرد جمگھٹا لگ گیا تھا۔ بھانت بھانت کی آوازیں فضا میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح پھیلی تھیں۔

"ہاں ہاں مہر! میں گواہ ہوں۔ کیوں کیا تم نے ایسا پاگل! یہ تو بتاؤ؟" شدت جذبات سے افراز کی آواز پھٹ رہی تھی۔ چیخنے سے گلے کی نسیں ابھر آئی تھیں بلاشبہ افراز اس کا بہترین دوست اور ایک عمدہ انسان تھا۔

"چپ بس میری سنو!" اس نے خون آلود انگلی اپنے عنابی ہونٹوں پر رکھی۔ نم پلکوں کو جھپک کر افراز کے دھندلے چہرے کو دوبارہ دیکھا۔

"مجھے یہیں دفنا دینا۔ میرے کمرے میں ایک خط ہے وہ میرے گھر بھجوا دینا۔" آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھیں درد کی شدت سے بار بار بند ہو رہی تھیں۔

فرش اس کے خون سے رنگین ہو چکا تھا۔ افراز اسے بازوؤں میں اٹھا کے گاڑی کی طرف بھاگا۔ مگر خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ جانبر نہ ہو سکی۔

افراز نے اس کی خواہش پر اس کی تدفین امریکہ میں ہی کر دی۔ اس کی خواہش کے عین مطابق اس کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں لگایا گیا تھا۔ نہ ہی افراز علاوہ کوئی جانتا تھا کہ اسے کہاں دفن کیا گیا ہے۔ سب سمجھ رہے تھے کہ اسے مردہ خانے میں رکھا گیا ہے تاکہ پاکستان بھجوایا جا سکے۔ افراز سے اس نے آخری اکھڑی سانسوں میں یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ کسی کو اس کی قبر کا پتا نہیں بتائے گا۔ اس کی فیملی کو بھی نہیں۔ افراز نے اس کے ہاتھ سے لکھا خط پاکستان روانہ کر دیا۔ جو تمام عمر سید وجاہت حسین اور اس کی فیملی کو عمر بھر کے پچھتاووں کی نذر کرنے والا تھا۔

ثمرین، عون کو تو پہلے ہی کھو چکی تھی۔ اب وہ محبت کرنے والی بہن کو بھی کھو چکی تھی۔ مکافات عمل کی آگ میں جلتی وہ کار حادثے میں اپنی ٹانگیں گنوا چکی تھی۔ اس کے اپنے الفاظ کی بازگشت اس کی سماعت پر عذاب مسلسل بن کر اترتی رہتی تھی۔ اصل میں گری ہوئی لڑکی تو وہ خود تھی جس نے اپنی ہی سگی بہن کے اندر سے جینے کی امنگ چھین لی تھی۔

.....☆.....


آپ پاکستان کے کسی بھی علاقے میں مقیم ہوں

ماہنامہ ردا ڈائجسٹ

ہم ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے۔
فی شمارہ 80 روپے کے حساب سے
12 ماہ کا زر سالانہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

صرف 960 روپے میں

رقم منی آرڈر یا ڈیمانڈ ڈرافٹ کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں

0331-2785763


WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

علیزے شیخ

# سیکنڈ چانس

کوئی ایسی پلا ساقی، شرابِ معتبر مجھ کو
ستارہ چاند بن جائے مقدر رقص میں آئے

یونیورسٹی کے لان کے بیچوں بیچ کتابوں میں سر دیے وہ بیزار سی صورت لیے بیٹھی اپنی دوست کا انتظار کر رہی تھی۔

''ایسی شکلیں کیوں بنا رہی ہو، کیا ہوا ہے؟'' اپنے بیگ کے اوپر گرتا اپنی دوست کا بیگ دیکھ کر اس نے ساتھ بیٹھتی دوست کو دیکھا۔

''یہ انجینئرنگ کا آخری سمسٹر اتنا مشکل کیوں ہے طوبیٰ؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''انجام چاہے اچھا ہو یا برا تکلیف تو دیتا ہی ہے۔'' سموسہ چاٹ کھاتی وہ کندھے اچکا کر بولی۔

اقراء نے کھا جانے والی نظروں سے اس کے ڈرامائی انداز کو دیکھا اور دوبارہ اپنی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ویسے مجھے تو آغاز ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ کسی بہت ہی خوب صورت افسانے کا۔'' معنی خیز لہجے پر اقراء کی نگاہیں بے ساختہ بھٹکیں۔

''وہ سامنے درخت کے نیچے۔'' طوبیٰ پھر سے اسی انداز میں بولی۔

اس نے وہاں دیکھا جہاں وہ یونیورسٹی کا ہیرو انہیں اپنی جانب دیکھتا پا کر نظروں کا رخ موڑ گیا تھا۔

''کسی اور کو بھی تو دیکھ سکتا ہے ضروری نہیں وہ ہم ہی ہیں۔'' اس نے کندھے اچکا کر طوبیٰ کی بات کی نفی کرنی چاہی جب کہ دل کا راگ تان سین کے راگ جیسا ہو گیا تھا۔

''ہاں میں تو واقعی نہیں ہو سکتی لیکن تم تو ہو سکتی ہو۔'' طوبیٰ نے اس کے کان میں سرگوشی کی جس کی اٹھتی گرتی پلکیں اسی طرف تھیں جہاں سے شایان ابھی اٹھ کر گیا تھا۔

''کیوں تم کیوں نہیں ہو سکتیں؟ مجھ سے کہیں زیادہ پیاری ہو تم۔'' دل کے شور کو اونچی آواز تلے دبایا گیا۔

''اوہ بہن! یہ پیاری لڑکی منگنی شدہ ہے اور اس منگنی کا باقاعدہ اعلان کر چکی ہے۔'' اقراء کے نگاہوں میں وہ منظر گھوما جب اس نے ساری کلاس میں اقراء کی منگنی کی خوشی میں مٹھائی بانٹی تھی۔

''خیر جو بھی ہے میرا دل نہیں مانتا۔'' دل کی آواز دبا کر وہ بولی۔

''پورے ایک سال سے وہ یونہی گھورتا رہا ہے اور دل ابھی تک نہیں بدل پایا؟ اتنی دیر میں تو پتھر بھی پگھل جاتا ہے پانی پڑنے سے تم کیا چیز ہو اقراء''

''یہی تو مسئلہ ہے کہ پتھر نہیں ہے میرا دل، ایک عورت کا دل ہے پگھل تو رہا ہے لیکن عورت کو نفرت سے زیادہ محبت خوفزدہ کرتی ہے، مجھے بھی کر رہی ہے۔'' دل ہی دل میں وہ خود سے ہی مخاطب تھی۔ خواب دیکھنے کو دل کرنے تو لگا تھا لیکن ہر خواب کی تعبیر خوب صورت نہیں ہوتی، یہ بات وہ اب بھولنے لگی تھی۔

☆.....☆

''ہیلو..... لسن پلیز۔'' پیچھے سے آنے والی آواز پر وہ کلاس سے نکلتے نکلتے واپس مڑیں۔

''جی بولیں۔'' طوبیٰ نے اک مسکراتی نظر اقراء کے جھکے سر کو دیکھا اور شایان سے پوچھا۔

''مجھے نوٹس چاہئیں فزکس کے اگر آپ دے دیں تو.....؟'' شایان کے کہنے پر اقراء نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو مخاطب تو دونوں سے تھا لیکن نظریں اس وقت اقراء پر تھیں۔

''جی کیوں نہیں، اقراء دو نوٹس، اقراء کے نوٹس بیسٹ ہوتے ہیں، دو بھئی۔'' طوبیٰ نے کہتے ہوئے نوٹس اقراء کے بیگ سے خود ہی نکال کر شایان کے حوالے کر دیے۔

''شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ یہ نوٹس میری بہت مدد کریں گے۔'' وہ جو ایک سال سے نظروں سے نہیں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پگھلی تھی یوں مخاطب کرنے پر پگھل گئی۔ دل کی دنیا ہا آخر اتھل پتھل ہی گئی۔

☆.....☆

''پچھلے ایک گھنٹے سے صرف تمہاری وجہ سے یہاں کھڑے ہیں ہم اور اب تو مجھے لگتا ہے کوئی بس بھی نہیں آنے والی۔'' بات کے اختتام تک وہ ارد گرد کھڑے اِکا دُکا لوگوں کو دیکھتی روہانسی ہونے لگی۔

''تو یار یہ بھی تو دیکھو کہ پورے تین سو کی بچت ہو گئی ہے۔ یہی سوٹ اگر مارکیٹ سے لیتے تو کتنا مہنگا پڑتا۔'' ہاتھ میں پکڑے سوٹ کو کسی تبرک کی طرح ساتھ لگائے اس کی بڑی بہن بولی۔

''ہاں اور یہی تین سو لگا کر اب ہم گھر جائیں گے کیونکہ بس تو آنے سے رہی بلکہ دو سو اور ڈال لو اس میں کیونکہ ٹیکسی والا پانچ سو سے کم میں گھر کبھی نہیں چھوڑے گا۔'' دانت پیس کر کہتی وہ سخت بھنائی ہوئی اب کسی ٹیکسی کی تلاش میں نگاہیں دوڑا رہی تھی جب نظریں دور سے آتی گاڑی پر پڑیں۔ کن اکھیوں سے اس نے اپنی بہن کو دیکھا۔ اقراء گاڑی کو اچھے سے پہچان چکی تھی۔

''میں ڈراپ کر دوں آپ دونوں کو؟'' شاندار گاڑی سے اتر کر اس شاندار شخص نے پوچھا۔

''نہیں بہت شکریہ۔'' اس نے سہولت سے انکار کیا۔ اس کی بہن چپ چاپ اس لڑکے کی نگاہیں پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہم کلاس فیلوز ہیں، میرا اعتبار کیجیے۔ میں آپ کو منزل تک بحفاظت پہنچا دوں گا۔'' اس کی لوچ دار گھمبیر آواز اس کے دل میں کہیں گڑتی ہی جا رہی تھی۔

شام کے گہرے ہوتے سائے اور دل میں گہرا ہوتا اس کا عکس دیکھ کر اس نے ہامی بھر لی اور اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''آپ کی دوست کیسی ہیں؟'' وہ اپنی بہن سے شایان کا تعارف کروا چکی تو شایان نے پوچھا۔

''جی ٹھیک ہے بس اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یونی بھی نہیں جا رہی آج کل۔'' اس کی بات پر بیک ویو مرر سے دیکھتی نگاہیں سمٹ کر واپس چلی گئیں تو وہ دھیرے سے مسکرا کر باہر دیکھنے لگی۔

☆.....☆

''کون تھا یہ؟'' گھر پہنچتے ہی سوالوں کا انبار اٹھائے اس کی بہن اس کے سر پر سوار تھی لیکن اس کے پاس جواب نہیں تھا یا شاید اس کی بے ساختہ مسکراہٹ نے سارے جواب دے دیے تھے۔

''ایسی کوئی بات ہے تو فکر مت کر۔ امی ابو کو میں منا لوں گی۔ ویسے لڑکا اچھا ہے پر منتظر لگتا ہے کسی کی ہاں کا۔'' اس کے شریر جملوں سے گھبرا وہ کر کمرے میں بھاگ گئی۔

الماری سے شیشے کا خوب صورت پھول نکال کر مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ وہی مسکراہٹ اور جو چہرہ یہ تحفہ خریدتے وقت ہونٹوں پر اور آنکھوں میں تھا ابھی بھی پورے کروفر سے موجود تھا۔ اس نے وہ تحفہ بہت پیار سے کسی کو دینے کا ارادہ کر کے احتیاط سے پیک کر کے بیگ میں رکھ لیا۔

☆.....☆

''تو پاگل تو نہیں ہو گیا؟ منگنی شدہ تھی وہ، شادی تو ہونی ہی تھی کبھی نا کبھی۔''

''مجھے فرق نہیں پڑتا میں اسے پرپوز کروں گا اور مجھے یقین ہے اسے اس بات پر اعتراض نہیں ہو گا۔ وہ جب بھی مجھے دیکھتی ہے مسکرا کر دیکھتی ہے۔ وہ جب بھی مجھے دیکھتی ہے شرما کر اپنی دوست کے کان میں کچھ کہتی ہے۔'' اس کا دل کیا وہ ڈوب کر مر جائے کیسی ذلت تھی یہ؟ کتنی پاگل تھی وہ خود؟

''وہ تجھ سے پیار نہیں کرتی، اس کی دوست پیار کرتی ہے تجھ سے، وہ اپنی دوست کے کان میں

BY QAISER ZEEM
www.pakistanipoint.com

تیرے نام کی سرگوشیاں کرتی ہے، کبھی دیکھا نہیں غور سے گلال کس چہرے پر اترتا ہے؟'' وہ اپنا سارا خون بہا دینا چاہتی تھی کہ آئندہ کبھی گلال اس کے چہرے پر نہ اترے۔

''کیا بکواس کر رہا ہے؟'' شایان عجیب سے انداز میں بولا۔

''بکواس نہیں سچ ہے یہ، محبت کو پرکھ پاگل انسان، جس کے پیچھے تو بھاگ رہا ہے وہ سراب ہے لیکن جو تیرے پیچھے ہے وہ حقیقت ہے۔'' بیگ پر گرفت اتنی مضبوط ہوئی کہ اندر پڑا کانچ کا پھول ٹوٹ گیا بالکل اس کے دل کی طرح۔ واپسی کے قدموں میں بھی لڑکھڑاہٹ تھی لیکن وہ والی نہیں جو آتے وقت تھی، خوشی کی لڑکھڑاہٹ، اب کی بار تو خون نچڑ جانے کے بعد ہونے والی لڑکھڑاہٹ تھی دردناک قسم کی۔

☆.....☆

اسے آج سمجھ میں آیا تھا کہ عورت کو پرلوچ آواز میں بات کرنے سے کیوں منع کیا گیا تھا کہ کہیں مرد کے دل میں بیماری پیدا نہ ہو جائے لیکن بیماری تو اس کی دل میں بھی پیدا ہو گئی۔ کسی کی نظروں سے، آواز سے، مسکراہٹ سے۔ ان میں سے کوئی بھی چیز اس کے لیے نہیں تھی لیکن وہ اسے اپنے لیے ہی سمجھتی رہی تھی۔ بڑی غلطی کرتی رہی تھی۔

اس کے آنسو تکیے میں جذب ہو رہے تھے دوسرے تکیے کے پاس ٹوٹا ہوا کانچ کا پھول تھا۔

اس کے دل میں آیا کہ یونہی دل بھی نکال کر رکھ دے تکیے پر، وہ بھی تو ٹوٹا ہوا تھا۔

وہ ٹھکرائی نہیں گئی تھی لیکن ذلت سمیٹ چکی تھی ہاں بس اس ذلت کی واحد زمینی گواہ وہ خود تھی۔

☆.....☆

''وہ آج تجھے پرپوز کرے تو ہاں کر دینا۔'' طوبیٰ کی بات پر اس نے اسٹیج پر فیئر ویل کے اختتامی شو پر سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

''کون؟'' دل کی بیماری سے لگے زخم کا وہ علاج تو نہیں کر پائی تھی لیکن کسی کو دکھا کر ہمدردی سمیٹنے کا بھی حوصلہ نہیں تھا اس میں۔ ہاں بالکل ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے بھی حوصلہ چاہیے خود کو بے لباس کرنا پڑتا ہے۔

''تمہارا عاشق جو آج بھی یہیں دیکھ رہا ہے۔'' سرگوشی جس پر ہمیشہ کی طرح اس کی نظریں نہیں بھٹکی تھیں۔

''نہیں میرا اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔'' انگور کھٹے ہیں، لومڑی نے خود اذیتی کی کس انتہا پر کہا تھا اسے معلوم ہو گیا۔

کھانے کے دوران وہ دونوں باتوں میں مصروف تھیں جب شایان ان کے قریب آیا۔

''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔'' آج نظریں بھی اس پر تھیں اور بات بھی اس سے کی گئی تھی لیکن نہ چہرے کا رنگ بدلا نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور نہ سر جھکانے کی نوبت پیش آئی۔

''بولیے۔'' دور جاتی طوبیٰ کو دیکھ کر وہ بولی۔

''آئی لو یو۔'' یہ جملہ سننے کو ترسنے والا دل کانچ کے پھول کے ساتھ اس نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا۔ اب اس جملے کا اثر نہیں ہوا تھا۔

''سوری لیکن میں نہیں کرتی۔'' بڑی پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ اسے مجسمہ بنا چھوڑ کر بیگ کندھے پر ڈالے وہ بڑے ثابت قدموں سے چلتی وہاں سے دور ہوتی گئی۔

آج قدم لڑکھڑائے نہیں تھے۔ اسے منظور تھا کہ اسے بددماغ سمجھا جاتا لیکن اسے منظور نہیں تھا کہ وہ جانتے بوجھتے ''دوسرا انتخاب'' بن جاتی اور دل کا کیا ہے وہ تو بنا ہی ٹوٹنے کے لیے ہے۔

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.Pakistanipoint.com

سیما شاہد

# لمحہ بارِ گمِ جاناں

علیزے نہ چاہتے ہوئے بھی صرف نانو طاہرہ خانم کے کہنے پر پارٹی میں جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ سادہ سا سرخ اور کالے رنگ کے امتزاج کی گھیر دار شلوار اور گھٹنوں تک آتی قمیص میں اس کی چمپئی رنگت نکھر کر سامنے آئی تھی۔ بھوری آنکھوں میں کاجل لگا کر اس نے اپنے لمبے کمر تک آتے گھنے سیاہ سلکی بال ایک کلپ لگا کر آزاد چھوڑ رکھے تھے۔ ابھی وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے ہی رہی تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر شکورن بوا اندر داخل ہوئیں۔

''علیزے بی بی!'' انہوں نے پکارا۔
''جی بوا جی!'' وہ ان کی آواز سن کر پلٹی۔ ''آپ پلیز مجھے بیٹی کہا کریں۔ یہ بی بی مجھے بڑا عجیب لگتا ہے۔''
علیزے کو سچ میں عجیب ہی لگا کرتا تھا ان کے منہ سے بی بی کا لفظ، وہ ایسے پروٹوکول کی عادی نہیں تھی اور نہ ہی مزاج ایسا تھا۔ الٹا اسے ''بی بی'' لفظ سرکاری اسکول کی ان ٹیچرز کی یاد دلاتا تھا جن کا مخصوص طرزِ تخاطب یہی لفظ ہوا کرتا ہے۔
''ماشاءاللہ! اللہ نظر بد سے بچائے بیٹی۔ چاند کا ٹکڑا ہو، جہاں جاؤ گی اجالا کر دو گی۔'' شکورن بوا اس کا دلکش سراپا اور رنگ و روپ دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھیں۔
''آپ بھی نہ بوا۔'' علیزے کے رخسار سرخ ہو گئے تھے اپنی اتنی تعریف سن کے۔

## قسط نمبر 2

''علیزے بیٹی! باہر ڈرائیور آپ کو لینے آگیا ہے۔'' انہوں نے پیشانی پہ ہاتھ مارتے ہوئے اطلاع دی۔ وہ یہی بتانے آئی تھیں۔

''جی بوا! آپ چلیں میں بس دو منٹ میں آئی۔'' اس نے بوا کو جواب دیتے ہوئے پلٹ کر بیڈ پر رکھا اپنا پرس اٹھایا اور دوپٹے کو اچھی طرح سے شانوں پہ پھیلا کر اوڑھا اور باہر نکل گئی۔

''بی بی جی! میں آپ کو کتنے بجے پک کرنے آؤں؟'' ڈرائیور نے ہوٹل کے دروازے پر گاڑی روک کر علیزے سے سوال کیا۔

''آپ مجھے دو گھنٹے تک ادھر انٹرنس پر سے پک کر لیجیے گا۔'' اس نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا جو رات کے ساڑھے نو بجا رہی تھی۔

ڈرائیور اسے عالیشان ہوٹل کے باہر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے چاروں جانب دیکھتی ہوئی اندر بڑھی۔ ریسپشن سے پارٹی کا وینیو پوچھ کر لفٹ کے ذریعے دوسری منزل پر واقع بینکوئٹ ہال میں پہنچی۔ شیشے کا بنا یہ ہال روم اپنی مثال آپ تھا۔ چاروں جانب رنگ و بو کا سیلاب اور قہقہوں کا طوفان تھا۔

ہنستے مسکراتے اجنبی چہرے بے فکری سے اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے خود کو کمپوز کرتی ہوئی آگے بڑھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اس طرح کی مخلوط پارٹی دیکھ رہی تھی جب اسے تھوڑے ہی فاصلے پر باوقار سی شاہانہ بیگم کچھ مہمانوں کے ساتھ باتوں میں مصروف نظر آئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے انہیں سلام کرنے ان کے پاس آئی۔

''السلام علیکم آنٹی!''

''تم؟'' وہ اس کی آواز سن کر چونک گئیں۔ انہیں اس کے آنے کی توقع نہیں تھی۔

''ایکسکیوزمی!'' اپنے مہمانوں سے ایکسکیوز کرتے ہوئے وہ علیزے کو شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے سائیڈ پہ لے کے آئیں۔

''اگر تمہیں پارٹی میں آنے کا اتنا ہی شوق تھا تو کم از کم کپڑے تو ڈھنگ کے پہن لیتیں۔ یہ کیا گنواروں کی طرح شلوار قمیص پہن کر آگئی ہو وہ بھی اتنا آؤٹ ڈیٹڈ۔'' وہ گو کہ اسے لے کے سائیڈ پہ ہو گئی تھیں لیکن آواز اتنی بلند تھی کہ اردگرد موجود خواتین نے سب سنا تھا۔

''مسز سلیمان! کیا یہ آپ کی نئی میڈ ہے؟'' ایک خاتون نے ترحم بھری نظروں سے علیزے کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ گاؤں سے آئی ہے۔'' وہ رکھائی سے بولتی ہوئی انیتا کو ٹیکسٹ کرنے لگیں۔

''اجڈ! گنوار!'' انکا بس نہیں چل رہا تھا علیزے کو اٹھا کے باہر سڑک پہ چھوڑ آئیں۔

''یہ لڑکی کیا آپ کی رشتے دار ہے؟'' مسز کرمانی نے جانچتی نگاہوں سے علیزے کے اہانت سے سرخ پڑتے چہرے اور مسز سلیمان کے غصے سے لال پڑتے رخساروں کو دیکھا تھا۔

''نہیں!'' انہوں نے دوٹوک لہجے میں کرختگی سے جواب دیا اور انیتا کی طرف متوجہ ہوئیں جو ان کا ٹیکسٹ ملتے ہی تیزی سے ادھر آئی تھی۔

''انیتا ڈارلنگ! اس گنوار کو کہیں دور بٹھاؤ۔ کسی کو خبر تک نہیں ہونی چاہیے کہ اس آؤٹ ڈیٹڈ لڑکی کا ہم سے کوئی ریلیشن ہے۔'' وہ بیگانگی کی ساری حدیں پار کرنے کے موڈ میں تھیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''شیور! آنی جان۔'' ٹخنوں سے اونچی کیپری پینٹ کے اوپر سلیولیس ٹاپ میں ملبوس شولڈر کٹ بالوں کو بکھرائے کسی موم کی گڑیا جیسی انیتا کو دیکھ کر سب خواتین کی آنکھوں میں ستائش اتر آئی تھی۔
''لیڈیز گو گرل۔'' انیتا نے علیزے کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ایسے کام تو وہ دل و جان سے کرتی تھی۔ اپنے پیچھے لوگوں کو چلانا کسے برا لگتا ہے بھلا۔
خفت سے سرخ پڑتے چہرے کو جھکائے علیزے اس کے ساتھ چلتی ہوئی ایک کونے تک آئی۔ ضبط سے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اس کی اتنی اہانت تو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔ اسے تو اس کے بابا نے پھولوں کی طرح رکھا تھا اور یہاں اس کی اتنی تذلیل کی جا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آنسوؤں کو چھلکنے سے روکا ہوا تھا۔
وہ یہاں آئی ہی کیوں تھی؟ اسے آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہ مس فٹ تھی اس ماحول میں، آؤٹ ڈیٹڈ تھی ان لوگوں کے لیے۔ وہ یہاں شہر اپنے خواب پورے کرنے آئی تھی کسی کی پارٹی میں گوسپس کا حصہ بننے نہیں۔
''انیتا جی! میں چلتی ہوں۔ ویسے بھی اس پارٹی میں میرا کوئی کام نہیں ہے۔ وہ تو آپ نے اتنا اصرار کر کے بلایا تھا تو.....!'' اس کی آواز نہ چاہتے ہوئے بھی بھرا گئی۔
''اب آ ہی گئی ہو تو تھوڑی دیر رک جاؤ۔ ویسے بھی تم نے کہاں ایسی ہائی فائی پارٹیز دیکھی ہوں گی۔'' انیتا نے حقارت سے اسے دیکھا۔ اسے اپنے سامنے کھڑی علیزے زمین کا کوئی ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی اور خود کو اس کے سامنے برتر سمجھتے ہوئے وہ اس وقت ہواؤں میں تھی۔
''ہیلو! انیتا ڈارلنگ۔'' تین لڑکیوں اور دو لڑکوں پر مشتمل ایک گروپ انیتا کے پاس آیا۔ سب نے اپنے اپنے ہاتھوں میں ام الخبائث کے گلاس تھامے ہوئے تھے۔
''فرینڈز! ان سے ملو۔ یہ علیزے ہے، گاؤں کی گوری۔ ادھر شہر کی بتیاں دیکھنے آئی ہے۔'' وہ طنزیہ انداز میں اس کا تعارف کرواتے ہوئے بولی۔
''تھوڑی آؤٹ ڈیٹڈ ہے پر اچھی ہے۔ اولڈ وائن تو ویسے بھی دل کو لبھاتی ہے اور اس کا نشہ.....'' ایک دراز قد لڑکا تنقیدی نگاہوں سے علیزے کو گھورتے ہوئے بولا۔
علیزے اس کی باتوں پر حیاء سے کٹ کے رہ گئی تھی۔ یہاں اسے کس چیز سے تشبیہہ دی جا رہی تھی۔ وہ موم کی گڑیا جو چاند کا ٹکڑا تھی، اس بگڑی ہوئی قوم کو وہ اولڈ وائن سے بھری بوتل معلوم ہو رہی تھی۔ صحیح کہتے ہیں دانا سوچ کا فرق معنی رکھتا ہے۔
''انیتا! پلیز اس گنوار کا پیچھا چھوڑو اور ڈانس فلور پر چلو دیکھو ڈی جے نے کتنا زبردست نمبر پلے کیا ہے۔'' اس کی ایک دوست ناگواری سے علیزے کو گھورتے ہوئے بولی۔
''تم لوگ چلو میں بس تھوڑی دیر میں تمہیں جوائن کرتی ہوں۔'' انیتا نے ان سب کو وہاں سے بھگایا۔
''سنو لڑکی! میری بات کان کھول کر سنو اور اپنے اس دماغ میں بٹھا لو۔'' انیتا نے اس کی پیشانی پہ اپنے لانبے ناخن سے سجی انگلی چبھوتے ہوئے کہا۔
''تم جیسی لڑکی ہمارے ماحول میں مس فٹ ہے۔ انفیکٹ تم ہمارے لیے ایک بدنما داغ ہو۔ اس لیے بہتر ہے اپنا بوریا بستر باندھو اور کسی ہوسٹل میں شفٹ ہو جاؤ یا واپس اپنے گاؤں چلی جاؤ۔'' انیتا نے نفرت سے اسے دیکھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''انیتا! یہ آپ کس طرح سے علیزے سے بات کر رہی ہیں؟'' پاس سے گزرتے سلیمان صاحب جو ابھی ابھی پارٹی میں آئے تھے انیتا کا تلخ لہجہ اور علیزے کا ضبط سے سرخ پڑتا ہوا چہرا دیکھ کر ٹھٹک گئے۔
''انکل وہ.....'' انیتا انہیں دیکھ کر گڑبڑا گئی۔
بہت غلط ٹائم پہ انٹری دی تھی انہوں نے، انیتا کا سارا کلائمکس ہی خراب کر دیا تھا۔
''اب یہ لڑکی ان کی حمایت پا کے اور شیر ہو جائے گی۔'' انیتا کا دماغ یہ سوچ کے مزید خراب ہوا۔
''بہت بری بات ہے۔ آپ ابھی علیزے سے سوری کریں۔'' سلیمان صاحب نے اسے ڈپٹا تھا۔
''سوری!'' انیتا نے حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے جیسے معافی کا پتھر مارا۔
''علیزے بیٹا! بہن آپ سے سوری کر رہی ہے، اب آپ بھی بات ختم کریں۔'' انہوں نے پیار سے علیزے کے سر کر ہاتھ رکھا۔
''اٹس اوکے!'' علیزے نے بمشکل آنسو پیتے ہوئے انیتا کی معافی قبول کی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ جتنی تذلیل ہونی تھی ہو چکی تھی۔ نہ انیتا کی معافی اس اہانت کا ازالہ کر سکتی تھی اور نہ ہی انیتا کا نظر انداز کرنا اس کی یاداشت سے ان پلوں کو مٹا سکتا تھا جب جب اس کی توہین کی گئی تھی۔
''انیتا! اب کوئی غلط بات نہیں ہونی چاہیے۔ انڈر اسٹینڈ!'' انہوں نے عینک کے عقب سے انیتا کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔
''جی! انکل ڈونٹ وری۔'' انیتا نے تابعداری سے سر ہلایا، اپنے دوستوں کے سامنے انکل کا تنبیہہ کرتا لہجہ اور پھر علیزے جیسی گنوار لڑکی سے معافی مانگنا اسے بہت کھلا تھا۔ علیزے کو تو وہ ذرا بعد میں دیکھے گی۔
''اوکے گرلز! آپ انجوائے کریں میں ذرا مہمانوں سے مل لوں۔'' وہ آگے پارٹی میں شامل مہمانوں کی سمت چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی انیتا نے اپنے دوستوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور علیزے کو وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔
علیزے نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر پورے ہال میں نظریں دوڑائیں۔ سب آپس میں مگن تھے، اس کے ہونے یا نہ ہونے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا اور نہ ہی پڑ رہا تھا۔ وہ ان کے لیے صرف گوسپس کا باعث ہو سکتی تھی۔ وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے اٹھی اور ہال سے باہر نکل کر ہوٹل کی پارکنگ میں آ گئی۔ ڈرائیور کے آنے میں بہت وقت تھا۔ وہ ادھر ہی ایک ستون سے ٹیک لگا کر ڈرائیور کا انتظار کرنے لگی تھی۔
وقت گزارنے کو بہت کچھ تھا اس کے پاس، وہ کڑوے جملے، چبھتی نگاہیں اور تمسخرانہ انداز۔ زندگی کا یہ کونسا موڑ تھا جہاں لوگوں کے ایسے روپ تھے۔ ساری دنیا اس چھوٹے سے گاؤں جیسی نہیں تھی۔
''پتا نہیں لوگ شہر آنے کے لیے اتنا مچلتے کیوں ہے؟'' وہ انہی رویوں کے حصار میں سوچے گئی تھی اور اس لمحے یہ بھول گئی تھی کہ وہ خود شہر کیوں آئی تھی۔

☆.....☆

''بیگم! آپ آج اپنے صاحب زادے کو وقت سے آفس بھیج دیجیے گا۔'' کوٹ پینٹ پر ٹائی لگائے باوقار سے سلیمان صاحب کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔
''شکورن! صاحب کا ناشتہ لاؤ۔'' شاہانہ بیگم نے ملازمہ کو آرڈر دیا اور خود سلیمان صاحب کی طرف متوجہ

WOMEN DIGEST
www.paksociety.com

ہوئیں۔
''ایک دو دن ٹھہر جائیں۔ وہ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو ٹورنٹو سے واپس آیا ہے اور آج کل اس کی ریکارڈنگ چل رہی ہے کچھ تو اسے ریلکس ہونے کا وقت دیجیے۔ آفس کون سا کہیں بھاگا جا رہا ہے۔'' انہوں نے چائے کپ میں انڈیل کر سلیمان صاحب کی سمت بڑھائی۔
''یہ کروڑوں کی بزنس ایمپائر میری دن رات کی محنت ہے اور آپ بجائے روحان کو درست سمت دکھا کر بزنس کی طرف راغب کرنے کے مزید بگاڑ رہی ہیں۔ شاہانہ بیگم! یہ شوبز بس چار دن کی چاندنی ہے۔ بہتر ہے اسے اپنا فیملی بزنس سنبھالنے دیں ورنہ کل کو اگر میں نہیں رہا تو یہ سب مٹی میں مل جائے گا۔'' وہ درشت لہجے میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
''کم آن سلیمان! شوبز کا وقت بدل چکا ہے۔ آج کا اسٹار اسمارٹ ہے۔ کروڑوں روپے اگر بزنس سے ملتے ہیں تو شوبزنس میں اس سے کہیں آسانی سے مل جاتے ہیں۔'' شاہانہ بیگم نے ان کی پرانی سوچ سے اختلاف کیا تھا۔
اب وہ دور تو تھا نہیں کہ آرٹسٹ صرف اخبارات اور صحافیوں تک محدود ہو۔ پہلے آرٹسٹ کی خبر ان سے ملتی تھی اب آرٹسٹ اپنی پبلسٹی اپنے انداز میں سوشل میڈیا کے ذریعے کرتے ہیں۔
''بس تمہاری یہی باتیں اسے شہہ دیتی ہیں۔'' سلیمان صاحب کو غصہ آ گیا تھا۔
''سلیمان! آپ ناشتہ تو کر لیں۔'' شاہانہ بیگم نے انہیں روکنا چاہا۔ ویسے بھی وہ ان کے غصے سے خائف رہتی تھیں اس لیے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
''نہیں! خواہش نہیں رہی اب۔'' وہ صاف انکار کر کے آگے بڑھے پھر کچھ خیال آنے پہ پلٹے۔
''ایک بات..... اور انیتا کو اچھی طرح سمجھا دیں۔ میں علیزے بیٹی کے ساتھ کسی قسم کی بدتمیزی یا زیادتی برداشت نہیں کروں گا۔'' انہوں نے سختی سے وارن کیا تھا۔
علیزے انکا خون تھی۔ انہوں نے ذمہ داری لی تھی تو نبھانی بھی تھی۔
''سلیمان! میں رات کو بھی کہہ چکی ہوں اور ابھی بھی کہہ رہی ہوں کہ انیتا بچی ہے اور کیا پتا ان دونوں میں کیا بات ہوئی تھی جو انیتا کو ایسا کہنا پڑا لیکن آپ فکر مت کریں میں انیتا کو پھر بھی سمجھا دوں گی۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔
''گڈ مارننگ انکل! ہیلو آنی!'' یونیورسٹی کے لیے تیار انیتا بلند آواز میں ان دونوں کو وش کرتی ناشتہ کے لیے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی۔
''انیتا، یہ رات تم نے علیزے کے ساتھ بدتمیزی کیوں کی؟'' شاہانہ بیگم نے سختی سے پوچھا۔
''آنی میں نے.....'' انیتا نے سلیمان صاحب کے سنجیدہ اور شاہانہ بیگم کے کرخت چہرے کو دیکھتے ہوئے صفائی دینا چاہی۔
''مجھے کچھ نہیں سننا، آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور ابھی فوراً اپنے انکل سے معافی مانگو۔'' انہوں نے انیتا کو ڈانٹا۔
وہ اتنی کم عقل نہیں تھیں کہ بھانجی کے لیے شوہر سے ٹکر لیں۔
''سوری انکل!'' وہ سلیمان صاحب کے پاس آ کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اٹس اوکے! بیٹا آپ ہماری بیٹی ہو بس اب آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔'' انہوں نے نرمی سے کہا اور خدا حافظ کہتے ہوئے آفس کے لیے نکل گئے۔

سلیمان صاحب کے جاتے ہی انیتا شاہانہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''آنی آپ نے مجھے کیوں ڈانٹا؟ پہلے ہی انکل اس چڑیل کی وجہ سے میرے سب فرینڈز کے سامنے مجھے ڈانٹ کر میری انسلٹ کر چکے تھے اور اب آپ بھی۔'' وہ ٹھیک ٹھاک خفا ہوئی تھی۔ یہ لڑکی جب سے آئی تھی اس سے معافیاں ہی منگوائے چلے جا رہی تھی۔ غصے سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔

''انیتا! کل تم نے ٹھیک سے کام نہیں کیا ورنہ آج تمہارے انکل تمہیں ڈانٹنے کی بجائے اس گنوار کو واپس سوات بھیجنے کی تیاری کر رہے ہوتے۔'' شاہانہ بیگم نے اسے ٹوکا۔ انیتا لاکھ ان کی لاڈلی سہی لیکن کل کی اس کی کارکردگی نے انہیں بھی کچھ غصہ دلایا ہوا تھا سو آج کسر پوری ہو گئی۔

''میرا پلان اچھا تھا لیکن عین وقت پر انکل آ گئے ورنہ اسے دھکے دے کر نکلواتی میں۔'' انیتا نے جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے تاسف سے کہا۔ سارا رونا ہی اس بات کا تھا۔

''انیتا! میری ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ یہ بچوں کی طرح لڑنا بیکار ہے۔ اگر کسی پر وار کرنا ہے تو میٹھی چھری بن کر کرو۔ اتنے پیار سے وار کرو کے سامنے والے کو پتا ہی نہ چلے کہ یہ وار تم نے کیا ہے۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''یو نو ہوم پالیٹکس۔''

''کیا مطلب آنی؟'' انیتا نے الجھ کر انہیں دیکھا۔

''مطلب تمہیں اپنے کسی دوست سے علیزے کو ٹارگٹ کروانا چاہیے تھا خود سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب اگلی بار کوئی پلان بناؤ تو وہ فول پروف ہونا چاہیے، انڈر اسٹینڈ۔'' انہوں نے انیتا کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''بیوقوف لڑکی خود بھی گھر سے باہر ہو گی اور مجھے بھی کروائے گی۔'' وہ بڑبڑائیں۔

''سوری آنی! پرامس اب ایسا نہیں ہو گا۔'' انیتا نے جوس کا خالی گلاس میز پر رکھا اور ان کے پاس آ کر ان کے گال چومے۔

''گڈ گرل!'' شاہانہ بیگم ریلیکس ہوتے ہوئے بولیں۔

''میں یونیورسٹی چلوں، دیر ہو رہی ہے بائے آنی۔'' وہ تیزی سے اپنا پرس اٹھا کر ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی جہاں ڈرائیور اس کا انتظار کر رہا تھا۔

شاہانہ بیگم اخبار سامنے پھیلائے ناشتا کر رہی تھیں۔ انیتا یونیورسٹی اور سلیمان صاحب آفس جا چکے تھے۔ چائے پی کر انہوں نے کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھا۔ دن کے دس بج رہے تھے۔ روحان تو رات نہ جانے کس وقت گھر آیا تھا انہیں علم ہی نہیں تھا لیکن آج اس کا آفس جانا ضروری تھا۔ وہ سلیمان صاحب کو مزید ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ شکورن کو برتن اٹھانے کی ہدایت کر کے وہ اوپر روحان کے کمرے کی طرف بڑھیں۔

☆.....☆

پورا دن ریکارڈنگ اور شام کو ایڈیشوٹ جو رات دو بجے تک چلتا رہا تھا نمٹا کر وہ تھکا ہارا گھر پہنچا تھا۔

اگلے دن بھی اس کی ایک مشہور ٹی وی چینل پر ریکارڈنگ تھی۔ لیدر کی جیکٹ اتار کر اس نے بائیں جانب رکھے گئے صوفے پہ پھینکی اور خود واش روم کا رخ کیا۔ شاور لے کر ٹراؤزر اور شرٹ پہنے وہ واش روم سے نکلا۔ پیشانی

پر گیلے بال بکھرے ہوئے تھے۔ ہاف ٹی شرٹ سے جھانکتے کسرتی بازو، وہ بلاشبہ بھرپور مردانہ وجاہت کا حامل تھا۔ گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔
کچھ ہی دیر بعد بند آنکھوں تلے ایک خوبصورت چہرہ ابھرنے لگا۔ گلابی مائل رنگت پر سایہ فگن گھنیری پلکوں کا جال، کپکپاتے ہوئے یاقوتی لب وہ چہرہ حسن و جمال میں یکتا تھا اور اب اس کے دل و ماغ پر اس چہرے نے قبضہ جما لیا۔ نہ جانے یہ پرکشش چہرہ ایک خیال تھا، خواب تھا کہ حقیقت! جو بھی تھا اس چہرے کو سوچنا اسے اچھا لگتا تھا۔ وہ اس چہرے کے نقوش کو سوچتے ہوئے کب نیند کی وادی میں اترا اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

☆.....☆

نیلے گگن پر سفید بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ چاروں اور سبز گھاس کا قالین بچھا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے سرشاری پھوٹ رہی تھی۔ وہ اس چھوٹی سی پہاڑی پر بیٹھا ڈوبتی شام میں اس حسینہ کی کھوج میں تھا جو اس کے دن کا چین اور رات کا قرار لوٹ چکی تھی۔ اس کی متلاشی نگاہوں نے اسے سب جگہ ڈھونڈا تھا لیکن وہ کہیں نہیں تھی بس ان فضاؤں میں اس کا احساس تھا۔ ان ہواؤں میں اس کی خوشبو تھی۔
یہ ڈھلتی شام اس کا آنچل تھی۔ یہ کالی گھٹا اس کی زلفیں تھیں اور پہاڑی کے پیچھے سے نکلتے چاند میں اس کا عکس تھا۔

دیکھا جو چہرہ ترا موسم بھی پیارا لگا
کانوں میں جھمکا ترے ہم کو ستارہ لگا

اس نے وائلن پر مدھر سی دھن چھیڑتے ہوئے ان فضاؤں میں اپنی آواز کا جادو گھولا ہی تھا کہ کسی کی کھلکھلاتی جاندار سی ہنسی کی کھنک نے اس کی سماعت میں رس گھولا تھا۔ وہ آ گئی تھی۔ سفید آنچل ہوا کے دوش پر لہرا رہا تھا۔ اس کی نازک کمر پہ سیاہ بالوں کا آبشار اٹھکیلیوں میں مگن تھا۔
روحان نے آگے بڑھ کے اس سفید آنچل کی نرمی کو اپنے مضبوط ہاتھوں کے حصار میں لیا تھا۔ اس کا انتظار ختم ہونے کو تھا۔
''روحان!'' اس کا نام کوئی پکار رہا تھا۔
''کہو جانِ روحان!'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔
''استغفر اللہ! روحان اٹھو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' شاہانہ بیگم تو سن کے ہی گڑبڑا اٹھی تھیں۔ انہوں نے روحان کو جھنجھوڑ ڈالا۔
روحان نے آنکھیں کھولیں تو سامنے ہی شاہانہ بیگم کا چہرہ دکھائی دیا۔
''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' وہ حیرانی سے بولتا ہوا اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔
وہ میدان، وہ پہاڑی اور وہ لڑکی.....!
روحان نے اپنا مضبوط ہاتھ دیکھا جن سے کوئی کومل پل پھسل گیا تھا۔
''کیا مطلب کیا کر رہی ہوں؟ تمہیں جگانے آئی ہوں۔ اٹھو! ریڈی ہو جاؤ۔ آفس جانا ہے۔''
''فار گاڈ سیک مام! میرا بالکل موڈ نہیں ہے۔ ویسے بھی میں ابھی سونا چاہتا ہوں۔ ڈونٹ یو نو کہ کتنا ضروری ہے اسکرین پر فریش نظر آنا۔'' وہ کروٹ بدلتے ہوئے بیزاری سے بولا تھا۔
''آئی انڈر اسٹینڈ روحان لیکن تمہارے ڈیڈ آج بہت غصے میں ہیں۔ اس لیے بہتر ہے آج انہیں کوئی موقع

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مت دو۔ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی لیکن آج چلے جاؤ۔'' شاہانہ بیگم نے اسے قائل کرنے کی غرض سے کہا۔
''ڈیڈ کو کیا پرابلم ہے؟ میں ناکارہ تو نہیں ہوں نا۔ اچھا خاصا کما رہا ہوں پھر بھی اعتراض۔ آفس جاتا ہوں تو دس کام پکڑا دیتے ہیں۔ میں اپنے شوق کے لیے کہاں سے وقت نکالوں۔ میرے خواب کب پورے ہوں گے پھر؟'' وہ چڑ کے پوچھ رہا تھا۔
''آج چلے جاؤ پھر بعد میں ویسا ہی کرنا جیسے تمہارا دل چاہے۔'' وہ اسے پچکارتے ہوئے بولیں۔
''اچھا بس ایک گھنٹا اور.....!'' وہ واپس لیٹ کر تکیہ منہ پر رکھ گیا۔
''روحان!'' انہوں نے بیڈ پر آڑے ترچھے لیٹے ہوئے روحان کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے آواز دی پھر چلتی ہوئی بیڈ کے نزدیک آ کر سخت لہجے میں اسے پکارا۔
''گیٹ اپ ناؤ روحان.....!''
''مام پلیز! ڈسٹرب مت کریں۔'' وہ ناگواری سے بولتا ہوا کروٹ بدل گیا۔
''روحان گیٹ اپ.....!'' اب کے وہ غصے سے بولیں۔
وہ بڑی مشکل سے آنکھیں مسلتے ہوئے سیدھا ہوا۔ ''مام اتنی صبح صبح کیوں پریشان کر رہی ہیں؟''
''روحان کیا ہے یہ سب؟ تم ذرا اپنی حالت تو دیکھو۔ نہ جم نہ مارننگ ایکسر سائز سب چھوڑے بیٹھے ہو اور آنے جانے کا تو کوئی اتا پتا ہی نہیں ہے کم از کم اپنا فون تو آن رکھا کرو رات بھر فکر لگی رہتی ہے۔'' وہ اس پر برس پڑیں سارا غصہ روحان پر اتر گیا تھا۔
''مام پلیز میرے سر میں پہلے ہی شدید درد ہو رہا ہے۔'' اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔
''یہ راتوں کو دیر سے سونا، پارٹی کرنا، تو ظاہر ہے سر درد تو ہو گا ہی، اب اٹھو اور جلدی سے تیار ہو کر اپنے ڈیڈ سے آفس میں جا کر ملو پھر وہاں سے ریکارڈنگ، شوٹنگ جہاں جانا ہو چلے جانا اور ہاں اپنی ٹائم مینجمنٹ پر کام کرو۔ یہ راتوں کو دیر سے گھر آنا چھوڑ دو۔ آدھے گھنٹے میں نیچے آؤ، میں تمہارا بریک فاسٹ ریڈی کروا رہی ہوں۔'' وہ تختی سے کہتی ہوئیں باہر نکل گئیں۔
''کیا مصیبت ہے۔'' اس نے غصے سے تکیہ اٹھا کر زمین پر پھینکا۔

☆.....☆

روحان کو جگانے کے بعد وہ سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھیں جب سامنے سے سعد، روحان کا دوست جو اس کا منیجر پلس سیکریٹری بھی تھا، اندر آتا نظر آیا۔
یہ آرٹسٹ لوگ جو دنیا کو اپنی ذات کے قلعے میں بند معلوم ہوتے ہیں درحقیقت ان کی پروفیشنل زندگی کا اسی فیصد سے بھی زائد ان منیجرز کے رحم و کرم پہ ہوتا ہے۔ کونسی ڈیل، کونسی آفر آرٹسٹ تک فارورڈ کرنی ہے اور کون سی نہیں اس کا فیصلہ یہ منیجر ہی کرتے ہیں اور اس چکر میں بہت سے گولڈن چانس اکثر آرٹسٹ مس کر جاتے ہیں۔
''گڈ مارننگ آنٹی!'' سعد انہیں دیکھ چکا تھا۔ اس نے نزدیک آ کر ادب سے انہیں وش کیا۔
''آ گئے تم! گڈ اب جاؤ اور روحان کو تیار ہونے میں مدد کرو۔ خبردار جو اسے اسٹوڈیو لے کر گئے۔ پہلے آفس جانا ہے اس کے بعد جہاں دل چاہے تم لوگ جا سکتے ہو۔'' وہ اسے ہدایت اور وارننگ دونوں دیتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ان کے جانے کے بعد سعد نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور سیدھا تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے روحان کے بیڈ روم میں دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی بیڈ پر روحان بگڑے تیوروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا تکیہ اور کمفرٹر قالین پر پڑے ہوئے اپنی ناقدری کا نمونہ پیش کر رہے تھے۔ روحان پر شاہانہ بیگم کی تقریر کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنے طریقے سے، اپنی مرضی سے زندگی جینے کا عادی تھا۔

''کیا یار! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔ ادھر نیچے آنٹی ناراض ہو رہی ہیں۔ اب اٹھو، ہمیں پہلے انکل کے آفس جانا ہے ادھر بھی وقت لگے گا اور پھر اسٹوڈیو میں باقی آرٹسٹ ویٹ کر رہے ہیں۔ جلدی کرو۔'' سعد نے اس کا تکیہ اٹھا کر بیڈ پر رکھا۔

''یہ سب چھوڑ بھائی۔ پہلے مجھے سر درد کی دو گولیاں دے یار! سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ایک تو نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا اس خواب نے میٹھی سی کسک من میں جگا دی تھی اور تیسرا شاہانہ بیگم کے لیکچر نے موڈ خراب کر دیا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ صبح صبح خالی پیٹ گولیاں لینا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے کچھ ناشتا یا جوس وغیرہ لو پھر دوا لینا۔'' سعد نے اسے ٹوکا۔ روحان کا صحت مند ہونا بہت میٹر کرتا تھا۔

''تو دے رہا ہے یا نہیں؟'' روحان نے خونخوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔

وہ ایسا ہی تھا جو کہہ دیا سو کہہ دیا وہی پتھر پر لکیر تھا۔

''دیتا ہوں یار اب گھورنا تو بند کر۔'' سعد میز کی طرف بڑھا۔ دراز کھول کر پین کلر نکالی۔ بیڈ روم فرج سے پانی کی بوتل برآمد کی اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا گلاس اٹھا کے خود بیڈ پہ آ بیٹھا۔

''یہ لے اور اب جلدی کر اس سے پہلے آنٹی ادھر آ کر ہماری کلاس لیں۔'' اس نے پانی کی بوتل اور دو گولیاں روحان کی سمت بڑھائیں۔

''میں تو اپنے حصے کا لیکچر بھگتا چکا ہوں اب تیری باری ہے بیٹا۔ یہ فون چارج پہ لگا، میں شاور لے کے آتا ہوں۔'' وہ کسلمندی سے کہتے ہوئے اٹھا تھا۔

شاور لے کر بلیک جینز اور ارمانی کی سفید شرٹ میں ملبوس ڈریسنگ روم سے نکل کر آئینے کے سامنے آ کر بال بنانے لگا۔ آخر میں پوائزن کی بوتل اٹھا کر خود پر اچھی طرح سے پرفیوم چھڑک کر وہ صوفے پر بیٹھے سیل فون میں مگن سعد کی طرف متوجہ ہوا۔

''چلو!'' وہ ایک لفظ بول کر اپنی جیکٹ اٹھا کر باہر نکلا۔ سعد نے جلدی سے فون بند کیا اور اس کے پیچھے آیا۔

''روحان تم بریک فاسٹ کر لو۔ میں باہر گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔''

''باہر کیوں؟ چلو ناشتا تو کر لو پھر ساتھ ہی نکلیں گے۔'' روحان نے اسے ٹوکا

''یار میں آنٹی کے ہاتھوں پٹنا نہیں چاہتا۔ بس تو ناشتا کر اور باہر آ جا۔'' وہ تیزی سے بولتا ہوا دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے باہر چلا گیا۔ وہ شاہانہ بیگم سے ایک مخصوص فاصلہ ہمیشہ رکھتا تھا اور ابھی بھی اسے برقرار ہی رکھنا چاہتا تھا۔

وہ ڈائننگ روم میں آیا۔ سامنے ہی شاہانہ بیگم اس کے لیے ناشتے کی ٹرے سجائے بیٹھی ہوئی تھی۔

''روحان!'' انہوں نے جوس گلاس میں نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ روحان نے خاموشی سے گلاس تھامتے ہوئے پہلا سپ لیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''یہ چیز آملیٹ ٹرائے کرو۔'' انہوں نے پلیٹ اس کی سمت بڑھائی۔
''نو مام! ابھی موڈ نہیں ہے۔'' وہ بس جوس کے دو سپ لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔
''چلو کوئی بات نہیں، میں تمہارا لنچ آفس بھجوا دوں گی۔'' وہ آرام سے بولیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ لنچ آورز تک اسے آفس میں ہی رکنا تھا۔ روحان کے تیور یہ سن کے مزید بگڑے تھے۔
''خدا کو مانیں مام، میں صرف ایک گھنٹے کے لیے آفس جا رہا ہوں۔ آپ اب یہ لنچ کا ٹنٹنا میرے گلے میں مت باندھیں۔'' وہ ان کی سات پشتوں پر احسان جتاتے ہوئے اٹھا تھا۔
شاہانہ بیگم نے شکر کی سانس لی تھی۔ وہ جا رہا تھا یہی غنیمت تھا اب اسے روکنا آگے سلیمان صاحب کا کام تھا۔

☆.....☆

میڈیکل کالج میں ایک مصروف دن گزار کر وہ بسوں کے دھکے کھاتی ہوئی شام کو گھر پہنچی۔ کیا ستم ظریفی تھی کہ اسی شہر میں اس کے رشتے دار قیمتی گاڑیوں میں سفر کرتے تھے اور وہ بسوں میں خوار ہو رہی تھی۔
چادر اتار کر سلیقے سے تہہ کر کے الماری میں رکھنے کے بعد علیزے فریش ہونے کے لیے واش روم چلی گئی۔
فریش ہو کر باہر نکلی تو شکورن بوا کھانے کی ٹرے لیے اس کے کمرے میں موجود تھیں۔
''بیٹی!'' انہوں نے ٹرے میز پر رکھ کر جھجکتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔
''جی بوا! کہیے۔'' علیزے نے ٹرے اپنی طرف کھسکاتے ہوئے نوالہ بناتے ہوئے پوچھا۔ آج پورا دن اتنا مصروف گزرا تھا کہ وہ کالج میں کینٹین تک نہیں جا سکی تھی۔ بس صبح ایک کپ چائے کا پیا تھا اور اب کھانا دیکھ کر اس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔
''بیٹی! آپ آرام سے کھانا کھا لو تو مجھے بیل دے دینا۔ میں آ کر آپ کا کچن سیٹ کروا دوں گی اور اگر کچھ سودا سلف منگوانا ہو تو اس کی بھی لسٹ بنا لیں۔'' انہوں نے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔
''کچن؟'' علیزے حیران ہوئی کہ اس کا کھانا پینا تو تایا کے گھر سے آتا تھا پھر اچانک سے اب یہ کونسا حکم نامہ تھا۔
''جی وہ بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ آپ اپنے کھانے پینے کا انتظام کل سے خود کیجیے۔'' شکورن بوا نے شرمندگی سے اس معصوم کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ علیزے کو کیسے بتائیں جبکہ شاہانہ بیگم کو بولتے ہوئے کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔
علیزے نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پکڑے نوالے کو دیکھا۔ ساری بھوک کہیں دور جا سوئی تھی۔ اس نے آہستگی سے نوالہ واپس پلیٹ میں رکھا۔
''بوا آپ فکر مت کیجیے۔ میں خود کچن دیکھ لوں گی۔ آپ یہ برتن لے جائیں۔'' وہ ٹرے پرے کھسکاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ جب اپنی بقا کی جنگ خود ہی لڑنی تھی تو پرائے مورچوں سے کیسی امداد لی جاتی۔
''بیٹی آپ کھانا تو کھا لیتیں۔'' بوا نے تاسف سے کھانے کی بھری ٹرے کو دیکھا۔ انہیں ابھی علیزے کو نہیں بتانا چاہیے تھا۔ بے ساختہ ہی انہیں افسوس ہوا تھا۔
''بس بوا بھوک نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے منع کر کے جائے نماز اٹھائی۔
''اچھا بیٹا میں نے آپ کے کچن میں کچھ ضروری استعمال کے برتن، دودھ، چائے کی پتی اور چینی وغیرہ رکھ دی ہے۔ باقی سودا کل ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آؤں گی۔ آپ کسی بات کی فکر مت کرنا، میں سب دیکھ لوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گی۔'' بوا اپنے تئیں اسے تسلی دے کر ٹرے اٹھا کر واپس چلی گئیں۔ وہ اس کے پاس رکنا چاہتی تھیں لیکن اندر گھر میں شاہانہ بیگم ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

بوا کے جانے کے بعد علیزے نے مغرب کی نماز ادا کی۔ وہ جائے نماز پر بیٹھی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ اسے یہاں آ کر اچھی طرح سے احساس ہو گیا تھا کہ اگر یہاں رہنا ہے تو اپنا دل وسیع کرنا ہوگا، بہت کچھ جھیلنا ہوگا بہت سے رویے برداشت کرنے ہوں گے۔ یہاں رہنا اس کی برداشت کا ایک کڑا امتحان ثابت ہو رہا تھا۔ اس کی انا مجروح کی جا رہی تھی مگر وہ ناکام واپس لوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے خواب، اس کے ماں باپ کی اس سے وابستہ امیدیں..... وہ انہیں توڑنا نہیں چاہتی تھی لیکن اس روز پارٹی کے واقعے نے اسے پہلے سے زیادہ دل برداشتہ کر دیا تھا۔ کتنی خوشی سے، کتنے خواب بنتے ہوئے وہ اس بڑے شہر میں آئی تھی ایک سپنا جو بچپن سے اس کے ساتھ تھا سفید کوٹ کے اوپر گلے میں اوور آل ڈالے مریضوں کا علاج کرنا وہ سپنا اسے بہت عزیز تھا اور وہ انیتا تو کیا کسی کی بھی وجہ سے اپنا یہ خواب توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''اگر میں کہیں کرائے پر رہ رہی ہوتی تو تب بھی تو مجھے اپنا خیال خود رکھنا پڑتا، اپنی گروسری، اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرتی تو اب کیوں نہیں؟ مجھے یہ اپنے تایا تائی کا گھر نہیں بلکہ ایک کرایے کا مکان سمجھ کر رہنا ہوگا۔'' اس نے خود کو سمجھایا اور جائے نماز لپیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

اب اس کا ارادہ اس انیکسی میں بنے چھوٹے سے کچن میں جا کر اپنے لیے چائے بنانے کا تھا۔ ابھی وہ کمرے سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ لپک کر میز پر رکھے اپنے فون کے پاس آئی۔ سوات سے کال تھی۔ یہ ماں باپ بھی اللہ نے کیا پیارا رشتہ بنایا ہے جو ہر مشکل گھڑی میں ڈھارس بندھا دیتا ہے۔

''السلام علیکم!'' اس نے فون اٹھا کر اپنی پژمردگی چھپاتے ہوئے سلام کیا۔ آواز میں مصنوعی سہی لیکن بشاشت تھی۔ وہ اتنی دور بیٹھے ماں باپ کو اپنی آواز سے کسی قسم کی بدگمانی نہیں دینا چاہتی تھی۔

''وعلیکم السلام! علیزے بیٹی کیسی ہو؟'' زیبا بیگم کی آواز ابھری تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ امی! آپ بتائیں آپ کی طبیعت اب کیسی ہے اور بابا کیسے ہیں؟'' ماں کی آواز سن کر اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

''علیزے بیٹا! سچ سچ بتاؤ تم ٹھیک تو ہو؟ پتا نہیں کیوں مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔'' وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھیں۔ ماں کا دل ایسا ہی ہوتا ہے بنا کہے ہی سب جان لیتا ہے چاہے اولاد آنکھوں سے دور ہو یا قریب۔

''امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں بابا کدھر ہیں؟'' اس نے سلیم صاحب کا پوچھا۔

''تمہارے بابا بھی ادھر ہی ہیں۔ اچھا یہ پہلے تم اپنے بابا سے بات کر لو پھر ہم ماں بیٹی آرام سے بات کریں گے۔'' زیبا بیگم نے فون ساتھ کھڑے سلیم صاحب کو پکڑا دیا۔

''علیزے گڑیا کیسی ہو؟'' سلیم صاحب کی پرشفقت آواز اس کے کانوں میں سکون بن کر اتری۔

''میں ٹھیک ہوں بابا۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکائی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ کالج میں دل لگ گیا تمہارا؟ اور پڑھائی زیادہ مشکل تو نہیں ہے۔'' انہوں نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''جی بابا دل لگ گیا ہے اور ٹیچرز بہت اچھے ہیں، کوئی مشکل نہیں ہے۔'' اس نے تسلی دی۔

''ویری گڈ! دیکھنا تم کالج میں بھی ان شاء اللہ ٹاپ کرو گی۔ آخر پروفیسر سلیم کی بیٹی ہو۔'' وہ فخر سے بولے

تھے۔
''ان شاء اللہ!'' علیزے نے اس جملے سے اپنے اندر ایک انوکھی طاقت محسوس کی تھی۔
کافی دیر تک اپنی امی بابا سے باتیں کرنے کے بعد اس کا مائنڈ فریش ہو گیا تھا۔ ہمت بندھ سی گئی تھی۔ زندگی میں آتے اتار چڑھاؤ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔ اسے ابھی انسانی رویوں کو جانچنا نہیں آتا تھا۔ وہ تیراک نہیں تھی۔ اسے تیرنا نہیں آتا تھا لیکن اب اسے اپنی بقا کے لیے اپنے اور اپنے بابا کے خوابوں کے لیے خود کو ڈوبنے سے بچانا تھا۔ یہ شہر یہ لوگ اگر اس کے نہیں تھے تو اسے بھی انہیں اپنا بنانے کی کوئی خواہش اب نہیں رہی تھی۔ بس اب خود کو تعلیم تک محدود کرنا تھا بس پڑھائی اور پڑھائی مزید کچھ نہیں۔
وہ رات گئے تک اپنے اسائنمنٹ بنا کر فارغ ہوئی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ صبح کالج بھی جانا تھا اس نے جلدی جلدی اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالیں۔ سارا کمرہ سمیٹا اور پھر چائے بنانے کے لیے کچن میں آ گئی۔ چائے بنا کر اس نے چولہا صاف کیا۔ لائٹ آف کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لوٹی تو چونک سی گئی۔

☆.....☆

پوری شام میوزک ڈائریکٹر کے ساتھ اسٹوڈیو میں گزار کر وہ باہر نکلا تو راہداری میں اسے کچھ ٹی وی اور اخباری نمائندوں نے گھیر لیا۔
''روحان!''
''روحان سر!''
''آپ کا نیا البم کب آ رہا ہے؟''
''کیا آپ کی بالی وڈ کی فلم سائن کرنے کی خبریں درست ہیں؟''
''سنا ہے آپ کا نیا البم کا تھیم رومینس ہے؟''
چاروں جانب سے سوالوں کی بھرمار ہو رہی تھی۔ وہ مسکرا کر ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔
یہ ہجوم، یہ فلیش لائٹس کے جھماکے انسان کو یونہی تفاخر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اہم ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔
''آپ سب لوگ باری باری سوال کریں۔ اس طرح تو آپ کے سوالات کے جواب دینا میرے لیے بہت مشکل ہے۔'' اس نے ایک رپورٹر سے مائیک لے کر سب کو چپ کروایا۔
''روحان آپ کا نیا البم سنا ہے بہت رومینٹک ہو گا۔ کیا آپ ہمیں اس کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟'' ایک لڑکی نے مائک اس کی سمت بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''میرا نیا البم دھیمے سروں اور حساس جذبوں پر ہو گا اور باقی جب وہ لانچ ہو گا تو آپ خود چیک کر لیجیے گا کہ وہ کتنا رومانٹک ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ وہ جس طرح اپنے کام کو سمجھتا تھا اس طرح باقی سب نہیں سمجھ سکتے تھے اور نہ ہی روحان کو انہیں سمجھانے کا کوئی خاص شوق تھا۔
''واؤ رومینس! آپ یہ بتائیں کہ اس البم کے لیے آپ کی انسپریشن کیا ہے؟'' ایک اور صحافی نے سوال کیا تھا۔
''پیار، عشق!'' روحان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''کیا آپ کو کسی سے پیار ہو گیا ہے؟'' ایک نے شرارت سے پوچھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''نہیں! یہ ضروری تو نہیں۔'' روحان نے تردید کی۔
''تو پھر یہ پیار، عشق یہ موضوع آپ نے کیسے چنا؟ جب تک خود نہ برتا جائے اس کی روح کیسے جان پائیں گے آپ؟''
''عشق ایک عبادت ہے، یہ ایک ایسا جذبہ ہے جو اس دنیا کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ عشق کی سیڑھی چڑھ کر انسان جینا سیکھ جاتا ہے۔ یہ عشق انسان کو نکھار دیتا ہے۔ اسے سنوار کر ایک بہترین انسان بنا دیتا ہے جو بے غرض محبت کرتا ہے۔'' روحان نے ایک جذب سے جواب دیا۔
''روحان مان لیں آپ کو یقیناً کسی سے پیار ہو گیا ہے۔'' ایک صحافی نے سنجیدگی سے کہا اس کی بات سن کر ایک لمحے کو روحان کے دھیان کے پردے پہ وہ گلابی چہرہ اپنی چھب دکھلا کر غائب ہو گیا۔
تمام صحافیوں کو نمٹا کر وہ باہر نکلا تو مشہور اداکارہ پلس سنگر ثانیہ سے ٹکرا گیا۔
''ہیلو ہینڈسم!'' ثانیہ نے ایک ادا سے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔
روحان نے ایک ترش نگاہ سلیولیس گہرے گلے کی ٹاپ اور گھٹنوں تک آتی کیپری میں ملبوس ثانیہ کو دیکھا۔
''موو!'' وہ رکھائی سے اسے ہٹا کر جانے لگا تھا جب ثانیہ نے اسے آواز دی۔
''کم آن روحان! تم اب تک مجھ سے ناراض ہو؟ میرے دو کانٹریکٹ ختم کروا چکے ہو تو اب یہ ناراضی اور غصہ بھی ختم ہو جانا چاہیے۔'' ثانیہ نے اس کے نزدیک آ کر اس کے مضبوط بازو پر ہاتھ رکھا۔
''تم اچھی طرح جانتی ہو میں ڈرنک نہیں کرتا پھر اس دن تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟'' وہ بیدردی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ یہ بات اب تک وہ نہیں بھولا تھا، بھول ہی نہیں سکا تھا۔
''روحان! اس دن غلطی سے جلدی میں میں نے ڈیڈ کی وہسکی، پیپسی سمجھ کر تمہیں دے دی تھی۔ اب جانے بھی دو معاف بھی کر دو۔'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔
روحان لب بھینچے اسے دیکھتا رہا۔
''فار گیٹ اٹ! فرینڈز نا؟'' اس نے اپنا مرمریں ہاتھ روحان کی طرف بڑھایا۔
روحان بنا کوئی ردعمل دیئے تند نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔ ثانیہ کا بھی پارہ چڑھا تھا لیکن وہ میٹھا میٹھا کھیلنے کا پروگرام بنا چکی تھی۔
''کم آن روحان! مرد بنو۔ کسی لڑکی سے ہاتھ ملانے کے لیے بھی تمہیں اپنی مام سے پرمیشن لینی ہو گی ماماز بوائے۔'' اس نے طنز کا تیر چلایا جو سیدھا روحان کے دماغ پر جا کر لگا۔
''یہ ماماز بوائے تم کسے کہہ رہی ہو؟'' وہ غصے میں آ چکا تھا۔ اس کی انا پہ خاصی کاری ضرب لگائی تھی ثانیہ نے۔
''ظاہر ہے تمہیں کہہ رہی ہوں جو ایک ڈرنک بھی ہینڈل نہیں کر سکتا وہ بھلا کسی لڑکی سے ہاتھ کیسے ملائے گا اور ویسے بھی ڈرنک کر کے اپنے ہوش و حواس صرف ایک مرد ہی قائم رکھ سکتا ہے۔'' وہ جان کر روحان کو اکسا رہی تھی۔ وہ غصے کا تیز تھا اور غصے میں انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو دیتا ہے۔ اسی لیے تو غصہ حرام قرار دیا گیا ہے۔
''لیڈیز گو! میں تمہیں بتاتا ہوں مرد کیا ہوتا ہے؟ اور مردانگی کہتے کسے ہیں؟'' وہ اس کی کلائی پکڑ کر واپس اندر اسٹوڈیو میں چلا گیا۔ جہاں ایک روم میں پروڈیوسر نے چھوٹی سی بار بنائی ہوئی تھی۔ ثانیہ کا ہاتھ چھوڑ کر روحان نے کیبنٹ سے ایک بڑی بیئر کی بوتل اٹھائی اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوری بوتل پی گیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''ایک بوتل وہ بھی بیئر کی، اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہمت ہے تو یہ والی پی کر دکھاؤ۔'' ثانیہ نے ایک وہسکی کی بوتل کی طرف اشارہ کیا۔
ایک جوش میں ہوش کھو بیٹھا تھا اور دوسری انتقام میں ہوش کھو بیٹھی تھی۔
روحان نے وہ بوتل نکالی اور اس کا بھی بیئر کی بوتل والا حشر کیا۔
''دیکھ لیا کہ میں ہوش میں ہوں یا نہیں؟'' روحان ثانیہ کا چہرہ دبوچ کر غرایا۔
''آئندہ میری راہ میں آنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ جہاں صرف دو کانٹریکٹ ختم کروائے ہیں وہاں تمہارا پورا کیریئر بھی برباد کروا سکتا ہوں۔'' وہ اسے جھٹکتے ہوئے آگے بڑھا۔ ام الخبائث اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ سر گھومنا شروع ہو گیا تھا جب ثانیہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی۔
''ڈارلنگ!'' اس نے پیار سے اسے پکارا۔
روحان کی آنکھوں میں خمار اتر آیا تھا۔ ثانیہ کے چہرے میں اسے اپنے خوابوں والی حسینہ کا چہرہ گڈمڈ ہوتا نظر آ رہا تھا۔
''تم!'' اس نے بیقراری سے ثانیہ کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھرا اس سے پہلے وہ اس کے چہرے پر جھکتا، ثانیہ دو قدم دور ہوئی تھی لیکن چہرے پر مسکراہٹ تھی۔
''یہاں نہیں گھر چلتے ہیں۔'' ثانیہ نے تیزی سے اسے روکا۔
وہ ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر، اس کے سہارے سے ڈگمگاتے ہوئے اپنی گاڑی تک آیا جہاں سعد اس کا انتظار کر رہا تھا۔
''روحان!'' وہ اسے نشے میں دھت ثانیہ کے ساتھ دیکھ کر چونک گیا۔
''سعد! گھر چلو۔'' روحان نے دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے حکم دیا۔
''پہلے میم کو ان کے گھر چھوڑ دیں۔'' سعد نے ثانیہ کی طرف اشارہ کیا۔
''نہیں! یہ میرے ساتھ جائے گی۔'' روحان نے سختی سے کہا لیکن آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔
تاسف سے بیک ویو مرر سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سعد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ سمجھ گیا تھا، روحان نشے میں ہے۔ آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ گیسٹ ہاؤس کے سامنے گاڑی روک چکا تھا۔ روحان کا نشے میں کسی لڑکی کے ساتھ گھر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اسی لیے وہ اسے انیکسی میں بنے گیسٹ ہاؤس لے آیا تھا۔
''روحان آج رات تو گیسٹ ہاؤس میں رک جا اس حالت میں گھر جانا ٹھیک نہیں ہے۔ آنٹی نے شوٹ کر دینا ہے۔'' اس نے سمجھایا اور ان دونوں کے گیسٹ ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد وہ روحان کی گاڑی گھر کی پارکنگ میں کھڑی کر کے چوکیدار کو ہدایت دے کر کے اپنی گاڑی وہاں سے لے کر چلا گیا۔
روحان لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے ثانیہ کو ساتھ لیے بیڈروم میں داخل ہوا۔ ایک کے اٹھتے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی تو دوسرے وجود کے اٹھتے قدموں میں سرشاری تھی لیکن انجام دونوں کا تباہی تھا۔
ایسی تباہی جو انسانیت کو شرمندہ کر دے، جس کے عتاب میں آ کے انسان انسان نہیں رہتا ہے۔

☆.....☆

وہ فق چہرے کے ساتھ ساکت کھڑی اندر اسی رات والے لڑکے کو ایک لڑکی کے اس قدر قریب دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔ یہ کیسا شہر تھا؟ یہ کیسے لوگ تھے جو اپنی اقدار بھلا کر گناہوں کا راستہ اختیار کیے بیٹھے تھے۔ اس کے قدم جم سے گئے تھے۔ اس نے بہت سنا تھا گاؤں کے بزرگوں سے کہ شہر والوں کی آنکھوں میں حیا نہیں ہوتی۔ بڑے ہی دیدہ دلیر قسم کے ہوتے ہیں۔ کل تک جو سنا تھا آج وہ علیزے کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔

دوسری طرف علیزے کی آمد سے بے خبر روحان نے ثانیہ کو دھکا دے کر بیڈ پر گرایا ہی تھا کہ یہ دیکھ کر علیزے کے ہاتھ سے چائے کا کپ گر گیا۔ گرم چائے نے اس کے پیروں کو جھلسایا تھا اور اس منظر نے اس کی آنکھوں میں مرچیں بھر دی تھیں۔ وہ تیزی سے پلٹ کر بھاگتے ہوئے کچن میں آ کر دروازے کے پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کی واحد جائے پناہ یہی تھا۔ اس کا جسم ہلکے ہلکے لرز رہا تھا۔

امی بچپن میں کہانی سناتی تھیں کہ رات کے وقت جب اندھیرا گہرا ہوتا ہے تو درندے شکار کو نکلتے ہیں۔ انہیں صرف بھوک سے غرض ہوتی ہے۔ وہ اپنے راستے میں جسے دیکھ لیں اسے شکار کر کے چھوڑتے ہیں۔ علیزے نہیں چاہتی تھی وہ لڑکا اسے دیکھے۔ وہ یہاں شکار ہونے نہیں آئی تھی۔

روحان کپ گرنے کی آواز سن کر چونک کے پلٹا تھا۔ ثانیہ اس مداخلت پر جھنجھلائی تھی۔ اس نے دروازے کی سمت دیکھا پر ادھر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ ثانیہ کو جھٹکے سے دور کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ثانیہ اہانت سے سرخ چہرہ لیے بیڈ پہ ہی بیٹھی رہ گئی تھی۔ یہ اس کے اور روحان کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ کیوں آ جاتی تھی جبکہ اس کا پلان تو مکمل طور پر فول پروف تھا۔

ثانیہ یہ بھول بیٹھی تھی کہ سب سے اچھا اور بہترین پلانر تمام جہانوں کا رب ہے۔

روحان اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کچن کی سمت آیا تھا۔ فریج کھول کر دیکھا تو سوائے پانی اور دودھ کی بوتل کے علاوہ تیسری کوئی چیز اس فریج میں نہ تھی۔

علیزے جو کچن کے دروازے کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی روحان کو دیکھ کے مزید کونے میں ہوئی تھی۔

''یا اللہ! کہیں اس نے مجھے دیکھ تو نہیں لیا۔'' اس نے دونوں بازو سختی سے گھٹنوں کے گرد لپیٹتے ہوئے خوف سے سوچا تھا۔ اگر اس نے علیزے کو دیکھ لیا تھا تو.....! اس سے آگے علیزے سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

روحان نے یخ ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی ہی تھی کہ ثانیہ نے پیچھے سے آ کر اس کو کمر سے جکڑ لیا۔ وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے کچن تک آن پہنچی تھی۔ آج اسے ہر صورت اپنا مقصد پورا کرنا تھا اور اس کے لیے وہ ہر حد سے گزرنے کو تیار تھی۔

''آئی لو یو روحان!'' ثانیہ نے جذبوں سے بھرپور لہجے میں پیار کا اظہار کرتے ہوئے اس کی پشت پر اپنا سر ٹکا دیا۔

علیزے کی آنکھیں اہل کے باہر آنے کو تھیں۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے۔ جس منظر سے بچ کے وہ یہاں کچن میں پناہ گزین ہوئی تھی وہ اب سماعت میں مکالموں کی صورت انڈیلا جا رہا تھا۔

''واٹ نان سنس!'' روحان نے ثانیہ کو ایک جھٹکے سے خود سے دور کیا۔

''روحان! آئی لو یو جانی۔'' ثانیہ نے اس بگڑے ہوئے شیر کو رام کرنا چاہا۔

''یا اللہ! یہ کس قسم کی عورت ہے؟'' علیزے کو اپنی سماعت پر یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے بے اختیار ہی اپنے ہاتھ کانوں پر رکھے تھے۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ یہاں سے بھاگ جاتی لیکن آگے کنواں اور پیچھے کھائی تھی سو وہیں چپکی بیٹھی رہی۔

''یہ کیا آئی لو یو کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے؟ سیدھی طرح بات کرو آخر تم چاہتی کیا ہو؟ میرے ساتھ لنک اپ ہو کر شہرت پانی ہے یا سوشل میڈیا پہ کوئی اسکینڈل وائرل کرنا ہے۔ میرے ساتھ گانا گانے کا موقع چاہیے یا میرے کنسرٹ میں اپنی اداؤں کا جلوہ دکھانا ہے۔ تم جیسی عورت بنا مطلب کے کچھ نہیں کرتی لہذا بولو کیا لالچ ہے تمہیں جو تم اس طرح مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟'' وہ پھنکارا تھا۔ اس کے لہجے کی سختی سرد مہری

دروازے کی آڑ میں چھپی علیزے کی رگوں میں خوف کی لہر دوڑ اگئی تھی۔
''آج یہ دونوں میرا دم نکال کے رہیں گے۔'' اس نے اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو سنبھالتے ہوئے سوچا تھا۔
''روحان واٹس رونگ ود یو؟ میں تم سے پیار کا اظہار کر رہی ہوں اور تم.....!'' ثانیہ نے میٹھا میٹھا کھیلنے کی کوشش کی تھی۔
''پیار اور تم؟'' وہ ہنسا۔ اس کے لہجے میں تمسخر تھا۔ انداز میں تحقیر تھا۔ پیار جیسے پاکیزہ جذبے کی بات کر بھی کون رہا تھا بھلا۔
''کیوں کیا میں پیار نہیں کر سکتی؟'' ثانیہ کو اس کا انداز قطعی نہیں بھایا تھا۔ عورت کا اظہار تو کسی بھی مرد کو رام کر دے لیکن یہ پتھر تھا جو صرف برسنا جانتا تھا مہربانی نہیں۔
''پیار تو بہت دور کی بات ہے تم جیسی مادہ پرست عورت کے منہ سے تو یہ لفظ بھی عجیب لگتا ہے۔ اینی وے! میرے خیال سے آج کے لیے اتنا کافی ہے۔ اب تم یہاں سے نکلو۔'' روحان نے ثانیہ کو باہر کا راستہ دکھایا۔ اسے لوگوں کو ان کی اوقات میں رکھنا آتا تھا اور ثانیہ جیسی عورت کو تو سبق سکھانے کی اشد ضرورت تھی۔
علیزے دم سادھے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔
''میں اس وقت اتنی رات کیسے، کدھر جاؤں؟'' ثانیہ اپنا پلان چوپٹ ہوتا دیکھ کر بوکھلا اٹھی تھی۔
''تم کوئی نیک شریف پردے میں رہنے والی لڑکی تو ہو نہیں نہ ہی گاؤں کی گنوار ہو جس نے آج ہی شہر کی شکل دیکھی ہے۔'' روحان کی اس بات پر ثانیہ کے تاثرات تو الگ تھے ہی علیزے کو بھی یوں لگا جیسے در پردہ روحان اسے سنا رہا ہو۔ اسے گاؤں کی گنوار کہہ رہا ہو۔ اس نے اذیت سے آنکھیں میچی تھیں۔
''رو.....روحان تم نے ڈرنک کی تھی نا۔ پھر اچانک سے.....'' ثانیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اپنی حیرت کا اظہار کس طرح کرے۔ اس کے سامنے ہی تو روحان نے ڈرنک کی تھی، یہاں پہنچنے تک بھی وہ حواسوں میں نہیں تھا اور اب ایکدم سے وہ مکمل ہوش و حواس میں لگ رہا تھا۔
''چچ چچ! یہ کون تمہیں بیسٹ ایکٹریس کہتا ہے؟ تمہیں تو ایکٹنگ کی الف ب بھی نہیں معلوم۔'' روحان نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔
ثانیہ کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ اس کا مطلب روحان نے اس کو کون کیا تھا۔ وہ اس سے گیم کھیل رہا تھا۔
''تم ایکٹنگ کر سکتے ہو لیکن اس بار میں رکھی وہ بوتلیں جنہیں تم نے خالی کیا اس کا کیا..... ہاں؟ تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔'' ثانیہ نے سارا حساب کتاب رکھا ہوا تھا۔ وہ یوں آسانی سے ٹلنے والوں میں سے نہیں تھی۔
علیزے تو بار اور بوتلوں کا سن کے ہی ہکا بکا رہ گئی تھی۔
''تو یہ سب بھی ہوتا ہے یہاں۔''
''بنے بنائے کو مزید کیا بنانا۔ ثانیہ میڈم! تم لاکھ کائیاں ہو لیکن مرد کو سمجھنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تمہارے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ میں ڈرنک نہیں کرتا۔'' روحان کے انداز میں تضحیک تھی۔
''تم بہت غلط کر رہے ہو روحان۔ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔ میری محبت کو ٹھکرا کے۔'' ثانیہ نے ملکہ جذبات بننے کی پوری کوشش کی تھی لیکن سامنے کھڑا شخص ہر جذبے سے عاری تھا۔
پھر وہی بکواس! روحان کا پارہ چڑھا تھا۔ ''اس سے پہلے کہ میں بدلحاظی کے سارے ریکارڈ توڑ دوں جاؤ یہاں سے کیب کال کرو یا کسی ایرے غیرے سے لفٹ لو۔ یہ میرا پرابلم نہیں ہے گیٹ آؤٹ۔'' وہ ثانیہ کا ہاتھ پکڑ کر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دروازے تک لایا اور اسے دھکا دے کر انیکسی سے باہر نکال دیا۔
''میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں روحان۔'' وہ دھمکیاں دیتے، چیختے چلاتے ہوئے وہاں سے گئی تھی۔
علیزے کے منہ سے چیخ نکلتے، نکلتے رہ گئی تھی۔ اتنا شدید غصہ! اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کے بابا پولائٹ نیچر کے انسان تھے یہ گرما گرمی ان کا خاصہ ہی نہ تھی۔
روحان نے ثانیہ کو بھیجنے کے بعد دوبارہ سے کچن کا رخ کیا۔ پانی کی بوتل اٹھا کے کاؤنٹر سے پشت ٹکائے وہ پانی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اپنے جلتے ہوئے دماغ کو ٹھنڈا کرنے لگا۔
''یا اللہ! یہ یہاں سے جاتا کیوں نہیں؟'' علیزے اسے واپس آتا دیکھ کے بوکھلائی تھی۔ ابھی تو اس نے ٹھیک سے شکر کا کلمہ بھی نہیں پڑھا تھا کہ یہ شخص پھر سے آن دھمکا تھا۔
''فضول عورت!'' روحان نے بڑبڑاتے ہوئے بوتل کاؤنٹر پر پٹخی۔
علیزے کے منہ سے ایک سسکی نکلی تھی۔ روحان چونک کے متوجہ ہوا تھا۔
''یہ آواز کیسی ہے؟'' اس کی تمام حسیات بیدار ہوئی تھیں۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ اتنی دیر سے کچن میں اندھیرے میں ہی کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا تھا۔ علیزے نے خوف کے مارے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کا نازک وجود ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ صبیح پیشانی پر پسینہ جگمگا رہا تھا۔ اب یہ علیزے کی قسمت اچھی تھی یا تقدیر ان دونوں کے درمیان آنکھ مچولی کا سلسلہ مزید دراز کیے ہوئے تھی۔ انرجی سیور آن نہیں ہوا تھا۔
''واٹ ربش!'' روحان کا دماغ گھوما۔ اس نے آگے بڑھ کے کچن کی جالی دار کھڑکی کھولی تھی۔
باہر آسمان پر نکلے چاند کی چاندنی کچن کے فرش تک چٹکنے لگی تھی۔ روحان کی مقناطیسی نگاہیں دروازے کی اوٹ سے باہر آتے کسی کے آنچل پہ ٹکی تھیں جو کھڑکی سے آتی ہوا کے زور پر لہرا رہا تھا۔
''اوہ! تو جو بھی ہے وہ یہیں ہے۔'' روحان سر کو جنبش دیتے ہوئے آگے بڑھا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے آنچل کا کونا تھامتے ہوئے دائیں ہاتھ سے دروازہ آگے کیا تھا۔
علیزے نے اپنے آنچل پر دباؤ محسوس کر کے آنکھیں کھولی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے دنیا کے گول گول گھومنے لگی تھی۔ اس کا آنچل ایک مضبوط توانا ہاتھ کے شکنجے میں تھا۔ ابھی وہ اس نازک لمحے کے لیے کسی تدبیر کا سوچنے ہی لگی تھی کہ نئی افتاد اس پر آن پڑی۔ دروازے کو دھکا دے کے کسی نے اس کی حفاظتی آڑ ہی ختم کر ڈالی تھی۔ علیزے نے عجلت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے سر پر ٹکے آنچل کو جھٹ نیچے کیا اور جھٹکے سے اپنے آنچل کا کونا اس لڑکے کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔
روحان ایک لمحے کو دوپٹے میں چھپی ایک اجنبی لڑکی کو انیکسی میں دیکھ کر شاکڈ رہ گیا تھا اور اسی وقتی حیرت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے علیزے نے وہاں سے دوڑ لگا دی تھی قبل اس کے کہ روحان سمجھ پاتا علیزے نے کمرے میں جا کے دروازہ لاک کر لیا تھا۔
''یا اللہ! تیرا شکر۔'' اس نے ایک گہری سانس لی پھر ونڈو لاک چیک کیا اور پہلے سے برابر پردوں کو مزید برابر کیا۔
''کون ہو تم؟ باہر آؤ۔'' روحان نے دستک دیتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔ آخر یہ لڑکی تھی کون؟ آئی کہاں سے تھی اور انیکسی میں کیا کر رہی تھی۔

(جاری ہے)

PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

سحرش خان

# پیار کی جیت

نینا کو آج اس کی ماما شاہین اپنے ماضی کے بارے میں بتانے لگیں جو آج تک ان کے سینے میں راز دفن تھے۔

"ماما آپ نے کیوں دوبارہ ان سے رابطہ نہیں کیا؟ آپ پڑھی لکھی مضبوط خاتون تھیں وہ آپ کا کیا بگاڑ لیتے؟" نینا نے ناراضی سے ماں کو دیکھا گویا گلہ کر رہی ہو کہ آپ نے اتنے سال مجھے میرے خاندان سے دور رکھا۔

"کوشش کی تھی لیکن شاید وہ مجھے دفن کر چکے تھے۔" شاہین نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

☆.....☆

"ملک صاحب بڑے ملک صاحب کے بعد لوگوں نے آپ سے بہت امیدیں لگائی ہوئی ہیں۔ غریب لوگ بہت پرامید ہیں آپ سے کہ آپ الیکشن جیتنے کے بعد ان کی ترقی کے لیے ضرور کام کریں گے۔" "خیرا جس کا کام ہی ملک شازل کے لیے حلقے کی خبریں لانا تھا۔ شازل کو رپورٹ دے رہا تھا جب کہ اپنی پوزیشن سننے کے بعد شازل کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

"خیرا! بس تم دیکھتے رہو یہ سیٹ جیتنے کے بعد میں کیسے اپنے علاقے کی حالت بدلتا ہوں۔" شازل نے خوش ہوتے ہوئے جیب سے ایک ہزار روپے نکالے اور خیرے کو پکڑا دیے۔

"جا خیرا! بچوں کے لیے پھل لیتا جا تیری راہ دیکھ رہے ہوں گے۔"

خیرا پیسے لے کر دعائیں دیتا رخصت ہو گیا۔

☆.....☆

"نینا! شام کو میری فیملی تمہارے گھر آئے گی رشتے کی بات کرنے۔ تم آنٹی کو بتا دینا اور خود اچھا سا تیار ہونا میں بھی آؤں گا ساتھ۔" کامران نے جوس نینا کو پکڑاتے ہوئے اطلاع دی۔

"اتنی جلدی؟ تم مجھے کچھ ٹائم تو دیتے۔" نینا گھبرا گئی۔

کامران نے نینا کا ہاتھ پکڑا اور محبت سے بولا۔ "کچھ نہیں ہوگا میری فیملی تمہارے بارے سب جانتی ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔"

"تم بہت اچھے ہو کامران۔" نینا بس اتنا کہہ سکی۔

☆.....☆

السلام علیکم چچی۔" زمرد نے چچی کو سلام کیا مگر نگاہیں کسی اور کو تلاش کر رہی تھیں۔ روبینہ نے بھانپ لیا۔

"نہیں ہے شازل گھر پر۔ باہر گیا ہوا ہے۔ آج کل الیکشن کا بھوت سوار ہے اس پر۔ علاقے کے لوگوں کی حالت بدلنا چاہتا ہے۔" روبینہ کے لہجے میں بیٹے کے لیے پیار تھا۔

"جی چچی جانتی ہوں سب کچھ۔ اللہ اس کو کامیاب کرے۔" زمرد کے دل سے دعا نکلی۔

"اچھا چچی شام کو آؤں گی تب تک شازل بھی آجائے گا۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔" زمرد نے چپکے سے ٹیبل پر رکھی تصویر اٹھائی اور چل دی۔

☆.....☆

"شاہین بہن! ہمیں نینا بہت پسند آئی ہے۔ اب آپ کے پاس نینا میری امانت ہے۔ بس ان دونوں کے فائنل پیپرز کے بعد میں اپنی امانت لے جاؤں گی۔" کامران کی ماں اور بہن کو نینا بہت پسند آئی۔ وہ تو جاتے ہوئے نینا کو انگوٹھی بھی پہنا گئیں۔

"ہم بہت جلد اپنی بیٹی کو لے جائیں گے۔" جاتے ہوئے نینا کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔ کامران بھی کن اکھیوں سے نینا کو دیکھتا رہا۔

کامران نے گھر جاتے ہی نینا کو کال ملائی۔ نینا کے ہیلو بولتے ہی پوچھا۔ "کیا کر رہی ہو؟ مجھے مس تو نہیں کر رہی۔ کہو تو لے جاؤں آ کر؟ میرا تو گھر آنے کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ محبوب کا دیدار اتنی خوشی اور سکون دیتا ہے مجھے آج احساس ہوا ہے۔"

"میری بھی سن لو عاشق صاحب! میں برتن دھو رہی ہوں، کام کر کے بات کرتی ہوں۔" نینا نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا اور پلیٹیں شیلف میں رکھنے لگی۔

☆.....☆

شازل کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ زمرد

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

دستک دے کر اندر آئی۔
"کہیں جا رہے ہو شازل؟" زمرد نے آئینے میں دیکھا۔
"کتنا خوب صورت ہے یہ انسان اللہ نے بڑی فرصت میں بیٹھ کر بنایا ہے اس کو۔ آنکھوں کا تو جواب نہیں جب دیکھتا ہے تو لگتا ہے سامنے والا نظروں کے وار برداشت نہیں کر پائے گا اور موقع پر جان دے دے گا۔"
شازل کی آواز اس کو خیالوں کی دنیا سے باہر لے آئی۔
"ہاں بولو کیا لینے آئی ہو۔" شازل نے مصروف لہجے میں پوچھا۔
"لینے کچھ نہیں آئی دینے آئی ہوں۔ یہ دعوت نامہ ہے۔ ہمارے کالج میں فنکشن ہے۔ آپ چیف گیسٹ ہیں۔ میڈم نے خاص طور مجھے آفس بلا کے یہ دیا۔ آپ اب آجائیے گا۔ میری شو بن جائے گی۔" زمرد نے دعوت نامہ میز پر رکھا۔
"ٹھیک ہے آجاؤں گا۔ کب آنا ہے؟"
"اسی ہفتے کے روز 10 بجے صبح۔ اچھا اب چلتی ہوں آجانا۔" اس نے دوبارہ یاد دہانی کرائی۔

☆.....☆

"امی ناشتا رہنے دیں میں کالج میں کرلوں گی۔ مجھے بڑے والے جھمکے دے دیں۔ آج کالج میں فنکشن ہے۔" نینا لپ اسٹک کا آخری ٹچ دیتے ہوئی بولی۔
شاہین جھمکے لے کر آئیں تو بیٹی کا چہرہ دیکھنے کے بعد بولیں۔ "کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔"
"اچھا امی میں چلتی ہوں وین آگئی ہے۔" نینا کانوں میں جھمکے پہن کر نکل گئی۔
کالج کے گیٹ پر کامران مل گیا۔ نینا کو دیکھتے ہی کھل اٹھا۔ آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ رائل بلیو ڈریس میں آنکھوں میں کاجل لگائے۔ کالی چوڑیاں گوری کلائیوں میں سجائے وہ کسی رانی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ کامران اس کے حسن میں ڈوب چکا تھا۔ نینا نے اس کا کندھا ہلایا اور کہا۔ "کہاں گم ہو ہیرو؟ واپس آجاؤ کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"چلو نینا شادی کرلیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے آج تم اتنی حسین لگ رہی ہو کہیں کوئی اور اڑا نہ لے جائے۔" کامران نے کہا تو نینا ہنسنے لگی۔
"تم پاگل ہو گئے ہو۔ چلو اندر چلتے ہیں سب پہنچ گئے ہوں گے۔"
دونوں گیٹ پار کر کے اندر چلے گئے جہاں ان کے دوست ان دونوں کے منتظر تھے۔

☆.....☆

شازل نے زمرد کو کال ملائی۔
"ہیلو زمرد تمہارے کالج سے پانچ منٹ کی دوری پر ہوں۔ ساری دوستوں کو اکٹھا کرلو شو مارنے کے لیے۔"
شازل نے زمرد کو چھیڑتے ہوئے کہا۔
"آپ آجائیں ہم انتظار میں ہیں جناب کے۔"
زمرد نے ایک ادا سے کہہ کر فون بند کر دیا۔
شازل کالج میں آیا تو لڑکیاں دل تھام کے رہ گئیں۔ چھ فٹ قد، سلکی سیاہ بال جو بار بار ماتھے پر آرہے تھے جن کو شازل اسٹائل سے پیچھے کرتا۔ سیاہ شلوار قمیص کے ساتھ پشاوری چپل پہنے کندھے پر شال ڈالے، وہ بہت ہی شاندار اور دل میں اتر جانے والی پرسنالٹی رکھتا تھا جو کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتا تھا۔
"جی میڈم! آپ نے مجھے بلایا۔" نینا جو کہ فنکشن دیکھ رہی تھی ایک لڑکی کے بلانے پر میڈم کے پاس گئی میڈم بولیں۔ "نینا تم گرل گائیڈ کی ہیڈ رہی ہو فرسٹ ایئر کی بچیوں کے ساتھ ہمارے چیف گیسٹ کو ریفریشمنٹ سرو کراؤ۔"
"جی میڈم میں کر دیتی ہوں سب۔" نینا نے جلدی سے چائے اور کھانے پینے کا سامان ٹرے میں سیٹ کیا اور فرسٹ ایئر کی ایک لڑکی کو پکڑا دیا اور خود ساتھ چل دی۔
زمرد اسٹیج کے بالکل سامنے بیٹھ گئی جہاں شازل اور وہ ایک دوسرے کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔
اسی لمحے جب شازل زمرد کی طرف متوجہ تھا جو کہ کسی دوست کو شازل کے بارے بتاتے ہوئے اس کی طرف

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اشارہ کررہی تھی۔ شازل کو چائے پیش کی گئی۔ کپ پکڑتے ہوئے چائے شازل کے ہاتھ پر گرگئی۔ زمرد نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس لڑکی پر برسنے لگی۔

"تم کو عقل نہیں سارا ہاتھ جلا دیا۔ کیا اندھی ہو بیوقوف لڑکی.....!"

"آپ بلاوجہ غصہ کررہی ہیں اور چائے گرنے کی وجہ ان کی بے دھیانی تھی نہ کہ کسی اور کی غلطی پھر بھی سر آپ کو تکلیف ہوئی۔ میں آپ سے معذرت کرتی ہوں۔ آئی ایم سوری سر۔"

شازل کے ساتھ میڈم بھی کھڑی ہوگئیں۔ شازل نے کہا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرا دھیان نہیں تھا۔ پلیز میڈم بات ختم کریں کوئی اتنی بڑی بات نہیں سب لوگ متوجہ ہورہے ہیں۔" شازل کہتا ہوا سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نگاہیں بار بار نینا کی طرف بھٹکتی جارہی تھیں۔ اس لڑکی کو میں نے کہیں دیکھا ہے یا پھر کوئی ملتی جلتی شکل۔ فنکشن کے دوران ہی شازل معذرت کرکے آگیا جبکہ زمرد کا موڈ آف ہوچکا تھا۔

شام کو شازل ماں کے پاس بیٹھا تو سارا دن جو بات دماغ میں کھٹکتی رہی تھی زبان پر آگئی۔

"اماں جان! ایک لڑکی میں نے آج زمرد کے کالج میں دیکھی جو کچھ شناسا سی لگی اس کی شکل کچھ دیکھی دیکھی لگی۔" پھر ایک دم بولا۔ "اگر آپ کی جوانی..... مطلب چند سال پیچھے جائیں تو اماں اس کی شکل آپ سے بہت ملتی تھی۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی جوانی کی تصویر تھی۔"

روبینہ سوچ میں پڑگئیں پھر خود ہی بولیں۔ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ کوئی مرا ہوا انسان واپس نہیں آسکتا۔ میرا خیال ہے یہ۔" وہ سر جھٹک کر چائے پینے لگیں۔

☆.....☆

کامران نینا کو آئس کریم کھلانے آئس کریم پارلر لے گیا۔ کامران آئس کریم لینے گیا تو نینا ٹیبل کے پاس اکیلی بیٹھی انتظار کرنے لگی۔

"السلام علیکم!" کسی نے اچانک سے کہا۔

نینا نے سر اٹھا کر دیکھا اور کھڑی ہوگئی۔ حیرانی سے بولی۔ "آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟"

"مجھے غلط مت سمجھیں میں تو ویسے آپ کو دیکھ کر اس طرف آگیا۔ میں بالکل بھی ایسا انسان نہیں جیسا آپ میرے بارے گمان کررہی ہوں گی وہ تو بس میری کزن جوش میں آگئی۔" شازل سمجھانے کے انداز میں بولا۔

"کوئی بات نہیں مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں کیوں کہ گلہ اپنوں سے ہوتا ہے اور آپ میرے اپنے نہیں بلکہ غیر ہیں۔" ٹھنڈے سے لہجے میں بات سمجھی اور سمجھائی گئی۔

شازل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو نینا بات کاٹ کر بولی۔ "آپ جائیں یہاں سے میرے منگیتر میرے ساتھ ہیں، اچھا نہیں لگتا۔"

شازل واپس آگیا۔ کیوں کہ وہ نینا کے لیے مسئلہ نہیں بننا چاہتا تھا۔

☆.....☆

کامران بھی آئس کریم لے کر آگیا پر اتنے میں شازل وہاں سے جاچکا تھا۔

"یہ شازل تو نہیں جو اس دن کالج آیا تھا؟" کامران شازل کو جاتے ہوئے دیکھ کے بولا۔

"ہاں وہی تھا۔ سوری کرنے آیا تھا۔ تم چھوڑو اس کو آئس کریم کھاؤ اور ہاں اس سنڈے سب کو گھر لانا، کھانا میں خود بناؤں گی۔"

"جو حکم سرکار۔" کامران نے عاجزی سے کہا۔

☆.....☆

روبینہ شازل کی وہ لڑکی والی بات کو بھلا نہ سکیں۔ خود سے دن رات جنگ رہتی۔ کبھی لگتا وہم ہے کبھی لگتا سچ۔ کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نوری مجھے چابیاں لاکر دے۔"

"کون سی چابیاں بی بی جی؟" نوری نے پوچھا۔

"وہ کمرا جس کو سالوں سے تالا لگا ہے اور تمہارے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بڑے سائیں اکیلے کھول کے اندر جاتے تھے۔"

"بی بی پر وہاں تو....." بات ادھوری رہ گئی۔

"باتیں مت سنا جا چابی لے کے آ۔ جہاں ساری چابیاں ہیں وہیں رکھی ہوئی ہے۔" روبینہ غصے سے بولیں تو نوری چابی لے آئی۔

"تالا کھلتے ہی دھول مٹی نے استقبال کیا۔ سامنے بیگ نظر آیا، اس کو کھولنے کے بعد جو اس سے ملا وہ روبینہ کے ہوش گم کرنے کے لیے کافی تھا۔

وہ خط، تصویریں، برتھ سرٹیفکیٹ اور ایک ایڈریس، ملنے کی التجا، واپسی کے لیے معافی۔

روبینہ کو چکر آنے لگا۔ شازل جو نوری کے بتانے پر پیچھے آیا تھا ماں کو تھام لیا اور ہاتھوں میں پکڑی چیزیں لے کر بولا۔ "اماں جان یہ کیا ہے؟"

"شازل! تم مجھے اس ایڈریس پر لے چلو پھر سب پتا چل جائے گا۔

☆.....☆

شاہین اور نینا کھانا بنانے لگی تھیں۔ آج کامران کے گھر والوں کو آنا تھا۔

ڈور بیل ہوئی۔ نینا جانے لگی تو شاہین نے کہا۔ "تم رہنے دو میں دیکھتی ہوں۔ کامران کے گھر والے ہوں گے۔ اچھا نہیں لگتا۔"

انہوں نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر کھڑی ہستی کو دیکھ کے شاہین سکتے میں آ گئیں۔ جو بھی تھا اپنی ماں جائی کو کوئی بھلا کیسے بھول سکتا ہے۔ پل پل کتنا تڑپی تھیں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کے روتیں اور کوئی چپ کرنے والا بھی نہ ہوتا۔ چھوٹی سی نینا آنسو صاف کرتی۔ وقت خود بہت بڑا مرہم ہے خود ہی سارے گھاؤ بھر دیتا ہے۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی؟" روبینہ مسکرا کر بولیں۔

شاہین کا سکتہ ٹوٹا۔ دونوں گلے لگ کے دل کھول کے روئیں۔ اتنے میں نینا بھی کچن سے باہر آ گئی۔ باہر کا منظر اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ شازل اور یہاں.....! امی کیوں اس خاتون کے گلے لگی رو رہی ہیں؟ ہمارا تو کوئی رشتہ دار بھی نہیں؟ سب سوال اس کے دماغ میں شور مچا رہے تھے لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ زبان پر قفل لگ چکا تھا۔ روبینہ کا دھیان نینا کی طرف گیا۔ نینا نے دیکھا وہ تو نینا سے بہت مشابہت رکھتی ہیں۔

"یہ تمہاری بیٹی ہے نا شاہین؟"

"ادھر آؤ میرے پاس میری، بیٹی۔ میں تمہاری خالہ ہوں۔ میرے گلے لگو۔ بہت روئی ہوں میں تیری ماں کے لیے۔ کل رات پتا چلا کہ تم لوگ زندہ ہو۔ رات آنکھوں میں کاٹی ہے۔ ایک پل کو آنکھ نہیں لگی اور صبح ہی نکل آئے۔"

"روبینہ باجی! آپ کے دیور قمر خان (زمرد کے ابا) مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنی کسی کزن کو پسند کرتے تھے۔ ان کی کزن نے نینا کے پاپا کو میرے پیچھے لگا دیا۔ میں ان کے جھوٹے پیار میں پھنس گئی اور گھر کی دہلیز پار کر لی۔ دولہا بھائی ہر حال میں مجھے اپنی بھابی اور آپ کی دیورانی بنانے پر بضد تھے جس کی وجہ کافی حد تک وہ جائیداد بھی تھی جو ورثے میں آپ کو اور مجھے ملنی تھی۔ نینا کے پاپا نے بھی اسی لالچ میں میرے ساتھ شادی کر لی لیکن بعد میں کبھی خوش نہ ہوئے۔ میں نے دولہا بھائی کو بڑے خط لکھے۔ واپسی کی اجازت بھی مانگی۔ سارے حالات بھی بتائے لیکن شاید وہ اپنی نام نہاد عزت کی خاطر مجھے واپس نہ بلا سکے یا پھر کوئی اور وجہ ہو گی۔ میں نے نینا کی پیدائش اور پھر نینا کے پاپا کی ڈیتھ کا بھی بتایا۔ آخر کار تھک ہار کر میں نے صبر کر لیا اور اسکول میں جاب کر لی۔"

"امی اندر چلیں۔ کب سے دروازے میں کھڑی ہیں۔" کامران گاڑی سے سامان نکال کر آیا تو ماں کو دروازے میں پریشان کھڑا دیکھا۔

کامران کے کچھ اور بولنے سے پہلے انہوں نے کامران کو اشارے سے چپ رہنے کا کہا۔

"میں نے جو دہلیز پار کر کے غلطی کی اس کی قدرت نے مجھے بہت بڑی سزا دے دی۔ میں آپ لوگوں کی مجرم

NAZAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ مجھے گھر سے بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔"

یہ الفاظ سنتے ہی کامران کی ماں نے کامران کا ہاتھ پکڑا اور واپس جا کر کار میں بیٹھ گئیں۔ کامران بھی خاموش تھا لیکن دل میں خلش تھی۔ نینا نے مجھ سے اپنا ماضی کیوں چھپایا؟

☆.....☆

"ہم آپ دونوں کو ساتھ لے کر جائیں گے۔" شازل نے خالہ سے کہا تو وہ اس کی پیار بھری آفر ٹھکرا نہ سکیں اور نینا سے بولیں۔ "نینا بیٹا! کامران سے پوچھو ابھی تک پہنچے کیوں نہیں۔"

"امی وہ آ کر جا بھی چکے ہیں۔ میں نے آنٹی کو دروازے کے پاس کھڑے دیکھا تھا۔ شاید ہمارے مہمانوں کو دیکھ کر انہیں اندر آنا مناسب نہیں لگا۔" نینا افسردگی سے بولی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کامران کی امی نے سب کچھ سن لیا ہے۔ واپسی پر نینا اور شاہین بھی شازل اور روبینہ کے ساتھ آ گئیں۔

☆.....☆

"آج تم اپنی چچی سے ملنے نہیں گئیں۔" زمرد کے ابا اس کو گھر میں دیکھ کے حیران تھے۔

"نہیں ابا جان! آج وہ شہر گئے ہیں۔ نوری بتا رہی تھی وہ کمرا صاف کرایا ہے جو سالوں بند رہا ہے۔ چچی جان اس کی صفائی کا کہہ گئی ہیں۔" زمرد نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیا شاہین آ رہی ہے۔" قمر خان بڑبڑائے۔

اتنے میں روبینہ اور شاہین شازل اور نینا کے ساتھ داخل ہوئے۔ قمر خان اور زمرد حیران ہو گئے۔

"حیران کیوں ہو؟ کبھی نہیں سوچا تھا کہ تمہاری اور تمہاری بیوی کی سازش کبھی بے نقاب نہ ہوگی۔ مجھے اور شازل کو سب پتا چل چکا ہے۔ اب میں تمہاری بیٹی کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔ تم نے میری بہن کی زندگی برباد کردی۔ اب تم اپنی بیٹی کی بربادی دیکھو گے۔"

شازل آگے آیا۔ "لیکن اماں جان! زمرد کا قصور کیا ہے؟ وہ تو بے گناہ ہے۔"

"نہیں شازل میرے باپ نے جو کیا اس کی سزا مجھے ملنی چاہیے تاکہ ان کو اندازہ ہو کہ اگر کسی لڑکی کا مستقبل برباد ہو جائے تو اس کے دل پر اور خاندان پر کیا گزرتی ہے؟" زمرد نے جو سارے معاملے سے واقف ہو گئی تھی شازل سے کہا۔

"مجھے معاف کردو شاہین۔" قمر خان نے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگی۔

"اس جمعہ کو نینا اور شازل کے نکاح میں آ جانا۔" اب کی بار جواب روبینہ نے دیا اور باہر کی طرف چل دی باقی سب بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔

☆.....☆

"مجھے معاف کردو نینا! امی نے رشتہ سے انکار کردیا ہے۔ مجھے بھول جانا اور شازل کا ہاتھ تھام لینا۔" موبائل پر میسج پڑھتے ہی نینا پھوٹ پھوٹ کے رونے لگ گئی۔ شازل نینا کے کمرے میں آیا تو وہ رو رہی تھی۔

"رو لو جتنا رونا ہے آج کے بعد میں تم کو روتا نہ دیکھوں۔ تم اب میری ذمہ داری ہو۔ میری ہونے والی شریک حیات۔" شازل نے نینا کا ہاتھ تھام کر کہا تو نینا ناک رگڑتے ہوئے بولی۔ "لیکن وہ آپ اور زمرد....." ادھوری بات کر کے وہ خاموش ہو گئی۔

"وہ بس میری منگیتر تھی اس لیے اس سے انسیت بھی تھی۔ سچ بتاؤں تو تم کالج کے فنکشن میں ہی دل کو بھا گئی تھیں۔ بس تمہاری منگنی کی وجہ سے چپ ہو گیا اور ویسے بھی اب تم پر میرے ڈبل حق ہیں۔"

"کون سے حق۔" نینا ہچکی لیتے ہوئے بولی۔

"میری خالہ زاد اور میری امی کی بہو اور میری خالہ ساس کی بیٹی۔"

شازل نے اسے کاندھے سے پکڑ کر اٹھایا اور باہر کی طرف چل دیا۔ سب کو خوش خبری بھی تو سنانی تھی۔

.....☆.....

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ایقان علی

# میں مسیحا

وہ اوائل اکتوبر کے دن تھے۔ موسم کو چڑھا بخار اب اترنے لگا تھا۔ ہوا میں میٹھی سی خنکی گھل گئی تھی۔ ایک سکون سا تھا جو یہاں وہاں اڑنے لگا تھا۔ وہ گندم کی بوائی کے دن تھے۔ نعمان فجر پڑھنے کے بعد ڈیرے آ گیا تھا۔ کھیت بوائی کے لیے تیار کیے جا رہے تھے۔ ٹریکٹر کی مدد سے ہل چلا کر زمین ہموار کی جا رہی تھی جو گھانس پھونس نکل رہی تھی اسے علیحدہ کرنا تھا۔ دو تین مزارعوں کے ساتھ وہ بھی کھیت میں اتر آیا۔ کوؤں کے غول کے غول تازہ

زمین میں نمودار ہونے والے کیڑے مکوڑے کھانے اتر آئے تھے۔
وہ بھی کام میں لگ گیا۔ جڑی بوٹیاں موٹی موٹی جڑیں، لکڑی کے ٹکڑے وغیرہ اکٹھے کر کر ایک تھیلے میں بھرنے لگا۔ بھر بھری مٹی بھرے کھیت میں قدم دھنس دھنس جا رہے تھے۔ انڈے کی زردی ایسا سورج مشرق سے نکلا اور آسمان کی نیلاہٹ پھیکی پڑنے لگی۔ زرد زرد نوخیز کرنوں میں ابھی بھی ہلکی سی چبھن تھی۔
فطرت اپنے کاموں میں لگ گئی تھی۔ عالیہ کی زندگی جیسے کسی پرانے جوہڑ کے بدبودار پانی کی مانند ہو گئی تھی جس پر کائی جمی تھی اور اس سے سڑاند اٹھتی تھی، جس کا کوئی مقصد کوئی مصرف نہیں تھا۔ اس کی ذات بھی اتنی ہی بے وقعت تھی، کسی پھپھوندی زدہ ٹکڑے کی مانند جسے سب تلف کرنے کے درپے ہوں۔
سسرال میں جس کا جی کرتا اسے بے عزت کر دیتا تھا۔ بنا چھوٹے بڑے کی تفریق کیے، جس کے جی میں آتی

## قسط نمبر 13

اسے دو چار ہاتھ رسید کر کے اپنی فرسٹریشن نکال لیتا۔
جب اپنوں نے بے مول کر دیا ہو تو غیروں سے کیسی شکایت کرنی۔ اسے کسی اور سے کیا گلہ ہوتا جب اس کے سگے باپ کو شرم نہ آئی اور انہوں نے بیٹی پر بہن کو مقدم جانا۔ اسے کوئی شکوہ نہیں تھا۔
ابھی بے فضول اور بے تکے دنوں میں ایک دن تھا جب اسے پتا چلا کہ وہ امید سے ہے۔ اس کے دل نے امید باندھی کہ شاید اب حالات اس کے حق میں پلٹا کھائیں۔ اس کے اندر اب جینے کی امنگ جاگنے لگی۔ اچھا کھانے کو دل کرتا، اچھا اوڑھنے پہننے کو من کرتا، جی کرتا خوش رہے۔
اور وہ خوش ہی تھی جب ایک دن تیمور نے اسے دھنک کر رکھ دیا۔ وہ جب تھکا ہارا آیا تو یہ سو رہی تھی، اس نے جگایا تو یہ کسمسا کر پھر سے سو گئی۔ بس پارہ چڑھ گیا۔ ظالم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اب وہ اکیلی جان نہیں۔ اگلے دو دن اس کے پیٹ میں گرہیں پڑتی رہیں اور تیسرے دن خون آنے لگا۔ بچہ ضائع۔ ارے پھٹکار ہے ایسی عورتوں پر کہ ذرا سی مار پیٹ نہ سہہ سکیں۔
وہ پھر سے بے وقعت ہو گئی یا یوں کہیں کہ وہ ہمیشہ سے بے وقعت تھی۔

☆.....☆

وہ فزیالوجی کے لیکچر کے لیے لیکچر تھیٹر کی طرف جا رہے تھے جب امان نے حسن کو پکارا۔ وہ اس کے برابر میں چلنے لگا۔
"تم ٹھیک ہو؟"
ماتھے پر گومڑ، سوجا ہوا ہونٹ، ان گنت نشان.....! صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ کتنا ٹھیک ہے۔
"ہاں میں فٹ ہوں اور تو؟"
ہائے رے میرا اچھا مسیحا.....!
"کل رات کہاں رکے تم؟"
"ایک ہوٹل میں روم لیا ہے۔ ادھر ہی تھا۔ تو سنا رات ٹھیک رہی؟"
امان کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس کی لال تھکن زدہ آنکھیں سارا قصہ کہہ رہی تھیں۔
"میں نے سنا تھا یار کہ ادھر ہوسٹل میں بہت گندی والی فولنگ ہوتی ہے لیکن اتنی زیادتی بری ہوگی یہ سوچا نہیں تھا۔ یہ تو یار سیدھا سیدھا کرائم ہے۔ harassment اور bullying پر کون سا چارج لگتا ہے بھلا؟"
امان چپ رہا۔
"میں آج ہی وارڈن سے ملوں گا۔ ایسا بھی کوئی جنگل کا قانون نہیں ہے کہ جو جو کرے اسے کرنے دو۔ ان کی ایک ڈی سی (Direct complaint) لگے گی تو سب سیدھے ہو جائیں گے۔"

☆.....☆

وہ چوتھا لیکچر تھا۔
ستارہ بری طرح تھک چکی تھی۔ حالت اس بچے جیسی تھی جو بار بار کلاس کے دروازے کو دیکھتا ہے کہ کب ٹن ٹن بجے اور یہ اڑن چھو ہو۔
"یار ہم انسان ہیں کوئی ان بے وقوفوں کو بتاؤ۔" لیکچر کے بعد وہ لیب میں آئے تھے۔
"پاگلوں کی طرح بس ہم پر گیان ٹھونستے چلے جا رہے ہیں۔ ہم باندر تھوڑی ہیں کہ ہمارے دو دماغ ہوں اور ہم بس ان میں سب محفوظ کرتے جائیں۔"
اس کے برابر میں بیٹھی عائشہ حیران ہوئی۔ "باندر کے دو دماغ ہوتے ہیں؟"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ستارہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''سنا ہے میں نے ایسا۔ ویسے اگر باندر اتنے ہی لائق فائق ہوتے تو میری جگہ آج وہ یہاں ہوتے ورایہ منحوس گلابی جامنی ڈایا گرام بنا رہے ہوتے۔''

عائشہ زور سے ہنسی۔ ''بائی داوے اٹس بندر ناٹ باندر۔''

''واٹ ایور!''

☆.....☆

عثمان کچھ کتابیں لینے باہر جا رہا تھا جب اسے سامنے سے اپنا روم میٹ سینئر لڑکا اپنے دوست کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔

''اوہ (گالی) کدھر جا رہا ہے؟''

''بھائی کچھ بکس لینی ہیں۔ باہر جا رہا ہوں۔''

''اوہ (گالی) پہلے دن کی (گالی) کتابیں؟ پاگل واگل ہے کیا؟ آئن اسٹائن کی نسل سے ہے کیا (گالی)؟''

عثمان نے سر جھکا لیا۔ ان کے لیے گالی دینا یونہی ایسی ویسی بات تھی۔ ویسے بھی نیا فیشن چل نکلا ہے جو جتنی زیادہ گالیاں دے گا بات بے بات دے گا وہ اتنا زیادہ ماڈرن اور کول کہلائے گا۔ yo بن جائے گا۔

''کہیں نہیں جا رہا تو (گالی)۔ چل ہوسٹل کام ہے تجھ سے۔''

وہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ان کے ساتھ چل دیا۔

''نام بتا (گالی) میرا؟ اور اس بھائی کا بھی۔''

عثمان نے تھوک نگلا۔ ''آپ کا نام ہے عمیر اور یہ بھائی اذرق ولی اللہ۔''

وہ دونوں ہنس پڑے۔

''بچ گئی تیری جان (گالی)۔ ورنہ مین نے یہیں تیرے کان پکڑوا لینے تھے۔''

☆.....☆

حویلی میں شادی کا سماں تھا۔

عورتوں کے جھرمٹ میں ننھی سی دلہن بنی فاطمہ بیٹھی تھی۔ شرمائی، لجاتی دلہن جس کا سونے ایا رنگ گوٹے کناری والے گلابی دوپٹے میں دمک رہا تھا۔ کچھ لڑکیاں ڈھولکی بجا رہی تھیں اور کچھ لہک لہک کر گیت گا رہی تھیں۔ وہ گھن چکر بنا ہوا تھا۔ یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں..... یہ کر دو، وہ کر دو، فلاں کو فلاں چیز دے آؤ، فلاں سے فلاں چیز لے آؤ.....!!

فاطمہ کے دونوں سگے بھائی تیار شیار پھر رہے تھے اور وہ حال سے بے حال تھا۔ چودھری صاحب کے ملازمین بھی اس سے زیادہ اچھے حلیوں میں تھے۔ اس کے بارے میں سب نے پوچھا اور بار بار پوچھا۔ ہر بار چودھری جہانداد کے ماتھے پر بل پڑے اور نفرت سے بتایا۔

''کمی کمین ہے۔ اس کے بھائی کو اپنے پتر کا خون چھوڑا تھا میں نے۔''

یہی حیثیت تھی اس کی پر وہ اس سے زیادہ تذلیل سہہ چکا تھا، یہ گالی سننا تو عام بات تھی۔

فاطمہ وداع ہو گئی۔

☆.....☆

''آپی؟ آپ انسان ہیں بھی؟ کچھ محسوس ہوتا بھی ہے آپ کو؟ لوگ ڈھور ڈنگروں کے ساتھ بھی اس سے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

زیادہ اچھے طریقے سے پیش آتے ہیں۔'' علینہ کا بس نہیں چلتا تھا اس کے سسرال والوں کو الٹا لٹکا دے۔ کوئی اتنا نیچ کیسے ہوسکتا ہے۔

''روز روز کی مار پیٹ۔ آپی آپ بولتی کیوں نہیں ہیں۔ ظلم سہنا، ظالم کا ساتھ دینا ہے۔ آپ پڑھی لکھی ہو کر جاہل بن رہی ہیں۔''

''کیا کروں میں؟ کیا کروں۔'' وہ زور سے چلائی۔ ''کون ہے میرے ساتھ؟ شوہر سے جان چھڑانے کے بعد کون رکھے گا مجھے؟ ابو؟ آصف بھائی؟ کون میرے ساتھ کھڑا ہوگا؟ میں سسکوں گی تو کون میرے اپنوں میں سے مرہم رکھے گا؟''

''میں ہوں ناں آپی۔''

عالیہ نے تھک کر سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔ ''تم ایک اکیلی کافی نہیں ہو چندا۔''

اگلے دن وہ باپ کے سامنے تھی۔

''مجھے اب وہاں نہیں جانا ابو۔ اللہ کے واسطے مجھے وہاں مت بھیجیں۔''

اس کی ہر دلیل ہر شکایت کا ابو کے پاس بس ایک جواب تھا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وہ تمہارا گھر ہے، ایڈجسٹ کرنا سیکھو۔''

ماں باپ بیٹیوں کو ان کی مرضی کی ایک ایک چیز دے کر جہیز کے انبار دے دیں گے پر ان کی مرضی کا گھر کبھی نہیں دیں گے۔

☆.....☆

ڈی سی (وارڈن کو شکایت) کا نتیجہ الٹا ہی نکلا تھا۔ کجا یہ کہ اب سختی کم ہوتی، الٹا سینئرز نے ان سب کو الٹا لٹا کر کئی کئی جوتے مارے تھے۔ شکایت لگانے والا حسن اور دو لڑکے تھے۔ حسن خود تو دوبارہ ہوسٹل نہیں آیا تھا لیکن ان باقی دو لڑکوں کے پرخچے اڑا دیے گئے تھے۔ وارڈن کو سینئر لڑکے نے جبا تنگ دہل کہا تھا۔ ''سر ہمارے ساتھ بھی یہی سب ہوا تھا اور ہمیں کہا گیا تھا کہ اپنے بدلے فرسٹ ایئر سے لینا، پورا سال ہم نے سہا ہے اب ان کی باری ہے جو ہمارے ساتھ ہوا ہے ہم تو وہ سب کریں گے۔''

وارڈن نے اسے ہوسٹل سے نکالنے کی دھمکی دی تو سارے سینئر اکٹھے ہو کر آ گئے۔ دھرنا ہوا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ پرنسپل نے سروے کروایا تو چند ایک غلام ٹائپ جونیئرز کو آگے کر کے سب اچھا اچھا کی رپورٹ بنوا دی گئی۔ سسٹم کو اوپر سے نیچے تک پھپھوندی لگ چکی ہے اور کوئی یہ ماننے کو تیار بھی نہیں کہ ہم کائی زدہ معاشرے کی پیداوار ہیں تبھی تو ہم سے سڑاند آتی ہے۔

بدلہ، بدلہ، بدلہ..... ہر شے کا حل ہمیں یہی نظر آتا ہے جو ہمارے ساتھ ہوا وہ ہم دوسروں کے ساتھ کیوں نہ کریں؟ کسی نے ہم سے چھینا تو کسی سے ہم چھین لیں گے۔ ہم سکھی خوش باش رہیں، باقی جائیں بھاڑ میں۔

☆.....☆

گندم کا بیج بویا جا چکا تھا۔

نہری پانی کے لیے کچھ دن مقرر ہوتے تھے۔ کسی ایک دن کسی ایک خاص علاقے کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ چودھری جہانداد کی زمینوں والے علاقے میں پانی کی باری ہر اتوار کو آتی تھی۔ اس دفعہ ڈیوٹی نعمان کے ذمہ لگی تھی اور وہ نعمان انصاری کے لیے بدترین رات تھی۔ صبح دو بجے جب وہ کھیتوں پر جانے کے لیے نکلا تو سارا چک اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ کتوں کے غول کے غول بھونکتے پھر رہے تھے۔ وہ لمحات اس

کے لیے روح فرسا تھے۔ ہانپتا کانپتا اندھیرے میں وہ تنگ تنگ پگڈنڈیوں سے ہوتا کھیتوں تک پہنچا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا اور دور سے آتی الو کی آواز۔ کتے اور گیدڑوں کے رونے..... اسے بہت شدت سے گھر اور ماں اور باپ اور بھائی یاد آئے تھے۔ اسے خود پر بے طرح دکھ ہوا تھا۔ اسے اپنی زندگی پر افسوس ہوا تھا۔ یہ سب اس نے کبھی بھی نہیں چاہا تھا۔ نالوں میں لگے ناکے اور بند کھولتے ہوئے اس کے ضبط کے بند بھی ٹوٹ گئے تھے۔ کھیت سیراب ہوتے گئے اور گال بھیگتے گئے۔

اس نے شدت سے اپنے لیے رہائی مانگی تھی۔ کون جانتا تھا یہ آزمائش اس سے کہیں کم تھی جو ابھی آنے والی تھی۔

☆.....☆

ستارہ اور عائشہ کیفے کی طرف جا رہی تھیں جب انہیں سامنے سے اذرق آتا دکھائی دیا۔

''یہ تھرڈ ایئر کا سی آر ہے ناں؟'' عائشہ نے ستارہ کا کندھا ہلایا۔

''ہاں ادرک ہی ہے۔''

جواباً عائشہ نے اس کے دھمو کا جڑا۔ ''منحوس! اذرق۔''

ستارہ نے کمر سہلائی۔ ''ہاں ہاں وہی، اس کے بڑے پنگے ہیں یار۔ کسی کسی سے ہی بنتی ہے اس کی۔ اس کی کلاس تو ساری فدا ہے اس پر۔''

''فدا ہونا بنتا بھی ہے یار۔ بندہ تو دیکھ۔ اس کا شاہکار ہے یہ۔''

ستارہ اس کی طرف مڑی۔ ''تم کسی شاہکار سے کم ہو پیاری لڑکی؟''

وہ جھینپ گئی۔

وہ دونوں کیفے میں آئیں۔ ''ایمن کو دیکھا تم نے کہیں؟ مجھے نظر ہی نہیں آئی؟''

''آئی نہیں ہے آج۔ کہہ رہی تھی سر میں درد ہے۔ میں دوا دے کر آرام کا کہہ کے آئی تھی۔''

''چلو پھر ہوسٹل چلتے ہیں۔ مجھے اسے انوی ٹیشن دینا ہے۔ میری بہن کی منگنی ہے اگلے ہفتے۔ تو نے بھی آنا ہے کمینی۔''

☆.....☆

''یہ سب ہمارا قصور ہے عثمان! مظلوم جب ظلم نہیں سہے گا تو کوئی ظالم کیسے بنے گا۔ ہم جونیئرز ان کو اپنا سینئر مانیں ہی نا تو یہ (گالی) رعب جمائیں گے کس پر؟ میری مانو میرے ساتھ چلو، میں نے ایک پرائیویٹ ہوسٹل میں روم لے لیا ہے سارے بھائی ادھر اکٹھے رہیں گے۔''

عثمان خاموش رہ گیا۔ وہ امان کو دیکھنے لگا۔

''تو بول یار! ایسے کیا گھٹ گھٹ کر جینا۔ ایسے کرو ایسے نہ کرو، خوامخواہ ان مسٹنڈوں کے رعب سہو، میرے ساتھ چل، سکون سے باہر رہیں گے۔''

عثمان کھنکارا۔ ''بھائی مصیبت کو سامنے دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے سے وہ ٹل تو نہیں جائے گی۔ ہم کہاں تک بھاگیں گے؟ ہوسٹل چھوڑیں گے تو روز کالج میں تو وہ bully کریں گے۔ آگے جا کے وارڈز میں ان کے متھے ہی لگنا ہے ہمیں۔ کہاں تک بھاگیں گے؟''

حسن نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ ''تو کیا کرے گا؟ صبح شام گالیاں سنے گا؟ تذلیل سہتا رہے گا؟ ان کے آگے کتے کی طرح جی جی کرتا رہے گا؟''

عثمان نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''اپنی حد میں رہ، بکواس مت کر۔''

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

☆.....☆

''یہ غصہ ان (گالی) کو دکھایا کر۔ مجھ پر رعب نہ ڈال (گالی)۔''

عثمان نے اس کے رکھ کے تھپڑ جڑ دیا۔ وہ ششدر رہ گیا اور جواباً اس پر پل پڑا۔ امان کے لیے ان کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اچھی ہاتھا پائی ہوئی۔ دونوں کی فرسٹریشن تھی جو مکوں اور تھپڑوں میں نکلی تھی۔ ہانپتے کانپتے عثمان نے اسے دیکھا۔

''میں بھی ایسا ہی تھا یار! کبھی کسی کا بدلہ رکھنے والا، گالی کا جواب گالی سے دیتا تھا، لڑائی بھڑائی، کبھی مظلوم نہیں بنتا تھا۔ کبھی میں بھی ایسا ہی تھا بھائی! پھر میں نے اپنا سب کچھ اپنے اس ایٹی ٹیوڈ کے ہاتھوں کھو دیا۔ اب میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں ہے یار۔''

حسن خاموش رہا۔

''تو غلط نہیں کہہ رہا، اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا، اپنا حق مانگنا، نہ ملے تو چھین لینا، سب صحیح ہے لیکن مجھ میں اب ہمت نہیں ہے اس سب کی۔ تو بہادروں کی طرح لڑ اور جیت جا، مجھے بزدلوں کی طرح کسی بل میں گھس جانے دے۔'' کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ ہاسٹل کی طرف چل دیا۔

حسن نے امان کو دیکھا۔ ''اور تو؟''

''میں تو ہوں ہی بزدل۔''

☆.....☆

تیمور اسے لینے آیا تو اس نے منع کر دیا۔ ابو نے آنکھیں دکھائیں۔

''اچھی بیویاں ایسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر میکے نہیں آ کر بیٹھ جاتیں۔ چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو جاؤ، تیمور لینے آیا ہے۔''

وہ اندر آئی اور جو جو گولی ہاتھ لگی کھاتی چلی گئی۔ شمائلہ بھابی اندر آئیں تو وہ بے سدھ پڑی تھی۔ انہوں نے سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ بڑی ڈھیٹ ہڈی تھی وہ بھی۔ نہ سسرال والوں کے ہاتھوں تذلیل سہہ کر مری نہ گولیاں کھا کر۔ معدہ واش ہوا اور گھر واپس۔

ہفتے بعد پھر تیمور آ گیا۔ اب کی بار ابو نے ایموشنل بلیک میل کیا۔ کہا وہ نہ گئی تو اب کی بار گولیاں وہ کھا لیں گے۔

اچھی بیٹی تھی آخر وہ.....!!

ہائے یہ اچھی بیٹیاں اور ان کے پھپھوندی لگے مقدر.....!!

☆.....☆

نومبر آن پہنچا تھا۔

مالٹوں کے بوٹے ہرے ہرے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ انگوروں کی بیلیں گچھوں کے وزن سے لٹکی جاتی تھیں۔ گندم کے ننھے ننھے پودے سر اٹھا رہے تھے۔ سارے میں جیسے زمرد رنگ قالین بچھا ہوا تھا۔ اسے کھیتوں پر کام کرتے مہینہ ہونے کو آیا تھا۔ شہر کا پلا بڑھا وہ کمزور لڑکا تھک تھک جاتا تھا۔ کھیتوں کو پانی دینا ہی اس کے اوسان خطا کر دیتا تھا۔ وہ محنت سے جی چرانے والوں میں سے نہیں تھا۔ بس یہ سب اس کی اوقات سے باہر تھا۔

انہی دنوں میں سے ایک دن اس نے عائشہ دین محمد کو دیکھا تھا۔ اتنا تو وہ جان چکا تھا کہ وہ میڈیکل کر رہی تھی۔ اس ویک اینڈ وہ گھر آئی ہوگی۔ نعمان کھیتوں سے واپس آ رہا تھا جب اس نے اسے آتے دیکھا۔

وہ اس کے کے لیے مسیحا تھی۔ ساری تھکان ساری کلفت اس کی ایک جھلک دیکھ کر اترتی چلی گئی تھی۔

☆.....☆

''ہمیں ایسے ہی رہنا اور جینا سیکھنا ہوگا امان! ابھی روم الاٹ ہونے تک تو ہمیں سینئرز کے ساتھ رہنا پڑے گا لیکن فروری میں جب روم الاٹ ہوں گے تو ہم اکٹھے ایک روم لے لیں گے۔'' عثمان اس سے زیادہ خود کو حوصلہ دے رہا تھا۔

امان بھی تھکا تھکا تھا۔ دونوں اپنے سینئرز کی پریکٹیکل کاپیاں بنانے میں مصروف تھے۔

''لیکن تب تک ہم کیا کریں گے؟ سب کیسے مینج ہوگا؟ کوئی پڑھنے نہیں دیتا، کبھی یہ کام کردو کبھی وہ۔ کل اسجد بھائی نے میری کاپی پھاڑ دی کہتے پہلے میری بناؤ۔''

''ہاں ٹینشن تو ہے۔ (viva test) بھی آنے والی ہے۔ میں پکا فیل ہو جاؤں گا۔''

عثمان نے رسان سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''اللہ بہتر کرے گا ان شاء اللہ۔''

☆☆

وہ دونوں بڑی مشکل سے سینئر آپی سے جان چھڑوا کر نکلی تھیں۔

''یا اللہ! یہ آپی رخسار تو مجھے لگتا ہے مویشیوں کی نسل سے ہیں۔ کبھی کتا بن کر دکھاؤ، کبھی چھپکلی، کبھی کچھ کبھی کچھ۔''

ایمن زور سے ہنسی۔ ''ارے اگر تم خود سانڈ کے خاندان سے ہو تو کیا باقیوں کو بھی کتا بلی بنا کر چھوڑو گی۔ منحوس عورت۔''

ان کے پیچھے ہی بشریٰ اندر سے روتی ہوئی نکلی۔

''کیا ہوا؟'' عائشہ نے پوچھا۔

''مجھے کہتی ہے چھپکلی بن کر دیوار سے چپک جاؤ۔ میں نے کہا باجی میں کون سا سچ مچ کی چھپکلی ہوں تو مجھ پر سچ مچ کی چھپکلی اچھال دی۔''

ایمن کو سوچ کر جھرجھری آ گئی۔ ''یا اللہ! ان پھپھوندی زدہ عورتوں سے بچا لے پلیز۔''

☆.....☆

علی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے گردن موڑی اور اسے خود کو دیکھتے دیکھا۔

''کیا ہوا؟'' ''پریشان کیوں ہو؟''

علینہ دور خلاؤں میں دیکھنے لگی۔ ''میری بہن بے بس ہے اور اس سے زیادہ میں بے بس ہوں کہ اس کے زخموں پر مرہم کے پھائے بھی نہیں رکھ سکتی۔''

وہ مسکرایا اور اس کا یخ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

''تم بے بس کیسے ہو گئیں؟ کیا تم امید نہیں رکھ سکتیں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا؟ کیا تمہیں یقین نہیں کہ آزمائش کٹ ہی جاتی ہے؟ کیا تمہارے ہاتھ دعا کے لیے نہیں اٹھ سکتے؟''

وہ اس کی بھیگی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ''تم اداس ہوتی ہو تو ساری کائنات نوحہ کرنے لگتی ہے۔ کیوں چاہتی ہو کہ مرثیہ نگار مالا مال ہو جائیں؟''

وہ ہولے سے مسکرائی۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھے ڈھے سا گیا۔

''قاتل حسینہ!''

وہ پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔

''تمہارے اختیار میں دعا ہے تم دعا کرتی رہو۔ وہ کل مختار ہے۔ وہ دعا کیوں نہیں سنے گا؟

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

☆.....☆

فرسٹ ایئر کے کلاس الیکشن تھے۔

سی آر (class representative) اور جی آر (girls representative) کے لیے۔ عائشہ دین محمد سی آر کے لیے کھڑی ہونے والی تھی اور ووٹ کے لیے وہ حسن کے پاس آئی تھی۔ اس کا مدعا سن کر اس نے برا سا منہ بنایا۔

"کلاس کو ایک لڑکی کے ہاتھوں سوچنے سے پہلے میں مرنا پسند کروں گا۔"

عائشہ جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔

"Typical mentality. Disgusting!"

"So what?"

وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"چھوٹی سوچ اور پیر کی موچ انسان کو کبھی آگے نہیں بڑھنے دیتی۔"

وہ ہنسا۔ "نہ تو میری چھوٹی سوچ ہے اور نہ ہی میرے پاؤں میں موچ ہے مادام! میرے آگے بڑھنے کے بہت چانسز ہیں۔"

وہ تن فن کرتی چلی گئی اور وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

"She is very pretty by God."

امان نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "ابھی تو اس سے لڑ مر رہا تھا۔"

"ہاں تو اب بھی اس پر مر رہا ہوں۔"

اگلے دن الیکشن کے لیے فارم جمع کروانے گئی تو عائشہ نے دیکھا حسن سی آر کے لیے کھڑا ہو رہا تھا۔

"مجھ سے سیدھی طرح کہہ دیتے کہ میں نے خود الیکشن لڑنا ہے، ایویں میری بے عزتی کیوں کی؟"

اس کا بس چلتا تو حسن کا منہ توڑ دیتی، دل اتنا برا ہوا کہ فارم بھی جمع کروائے بغیر ہوسٹل چلی گئی۔ ایمن اور ستارہ اس کے کام کرواتی پھریں۔

اگلے دن الیکشن تھے۔

حسن سی آر کے لیے واحد امیدوار تھا۔ جی آر کے لیے البتہ سخت مقابلہ تھا پر عائشہ دین محمد جیت گئی تھی۔

وہ کیسے نہ جیتتی، اسے ہارنا آتا ہی نہیں تھا۔

☆.....☆

اس سارے ہنگامے میں جب کلاس کے لڑکے نئے منتخب شدہ سی آر کو دائرے میں لیے بھنگڑا ڈالنے میں مصروف تھے اور لڑکیوں کے غول جی آر کو مبارک باد دے رہے تھے۔ عثمان انصاری نے اسے پہلی بار مسکراتے ہوئے دیکھا۔

وہ، اس کی کلاس فیلو ایمن.....!!

آج سے پہلے اس نے کئی دلکش نظارے دیکھے تھے پر اس کی بات ہی کچھ اور تھی۔

وہ مکمل مسکراہٹ تھی۔ ساری کائنات کے حسن کو گوندھ کر تراشی گئی مسکراہٹ.....!!

وہ مدہوش ہو رہا تھا، اس نشیلی مسکان کی مئے نے اسے ہوش میں رہنے کب دیا تھا۔ اس پھپھوندی زدہ سڑے ہوئے تالاب کے سے زمانے میں وہ ایک حسین کنول تھا جو کھل اٹھا تھا۔

عثمان انصاری نے رخ موڑ کر جو سینے پر نظر ڈالی تو وہ جگہ خالی تھی، دل تو اس ماہِ عالم پر فدا ہو چکا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

زیبا حسن مخدوم

# شاہ بلوط

سورج افق کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ شام نے آہستگی سے اپنے پر پھیلانے شروع کر دیئے۔ کتنی ہی دیر ہو چکی تھی اسے ایک ہی زاویے میں اس بینچ پر بیٹھے ہوئے۔ تیز ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو وہ چونکی۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ذہن کو سوچوں سے آزاد کیا مگر سوچوں کا طوفان کہاں پیچھے ہٹتا ہے۔ جلد ہی پھر سے ذہن کے دریچوں پر دستک دینے لگا۔

''عفان حیدر!'' اس نے زیرلب کہا اور مسکرا دی۔

''کتنے لمبے عرصے بعد دیکھا تھا اسے۔''

''بالکل پہلے جیسا تھا یا شاید نہیں۔ پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔'' خود ہی اپنی سوچ کی نفی کی۔

بے ساختہ ابھرنے والا قہقہہ اب ایک مسکراہٹ تک محدود ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی چمک بھی ماند تھی۔ اس نے سوچتے ہوئے دور سے نظر آتے یونیورسٹی کے گیٹ کو دیکھا۔ جہاں سے اس کی گاڑی باہر نکلی تھی۔ جب سے وہ گیا تھا وہ مسلسل اسے ہی سوچ رہی تھی۔ وہ ان دنوں کو یاد کر رہی تھی جب وہ اکٹھے پڑھتے تھے۔

وہ نہیں جانتی کہ کب وہ اسے پہلی بار اچھا لگا؟ وہ اسے ہمیشہ ہی اچھا لگتا تھا۔ اسے اپنی نادانیاں یاد آئیں جو اکثر بدحواسی میں اس کے سامنے سرزد ہو جاتی تھیں۔ اسے وہ وقت یاد آیا جب کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ تب تک کلاس فیلوز کے ساتھ بیٹھی رہتی جب تک وہ ڈپارٹمنٹ میں موجود رہتا۔ اس کے نکلتے ہی وہ بھی ان سب سے کوئی بہانہ کر کے ڈپارٹمنٹ سے نکل آتی اور فاصلہ رکھ کر اس کے پیچھے پیچھے چلتی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ایسا کیوں کرتی تھی۔ بس اسے اچھا لگتا تھا ایسا کرنا۔ زمین پر پڑتے اس کے نادیدہ قدموں کے نشان تلاش کرنا۔ پھر وہ پارکنگ کی طرف چلا جاتا اور وہ ویٹنگ ایریا میں بیٹھ کر پوائنٹ کا انتظار کرتی۔

اپنی اِس محبت کو اس نے سب سے چھپا کر رکھا تھا۔ عفان سے بھی! اب تک اس کی محبت کا بس ایک ہی گواہ تھا اور وہ تھا شاہ بلوط۔

وہ درخت جس کے سائے تلے دھرے سنگی بینچ پر اس وقت وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر پیار سے اپنے سر پر سایہ فگن شاہ بلوط کو دیکھا پھر ذرا سی ترچھی ہو کر اس کے تنے پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''تمہیں یاد ہے ناں وہ دن جب ہمیشہ کی طرح میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی آ رہی تھی اور جب میں تمہارے نیچے پہنچی تو ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ وہ یہیں جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا، مجھے سر جھکائے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسے یوں کھڑے دیکھ کر میرا چہرہ ایکدم سے سرخ ہوا تھا۔ جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔'' وہ مسکرائی۔

''تمہیں یاد ہے وہ چند لمحے تک مجھے دیکھتا رہا اور پھر مسکرا دیا اور مسکراتے ہوئے اس نے اپنا سر ہلایا تھا جیسے کہا ہو۔ ''ہاں مجھے پتا ہے۔''

یا جیسے ''لو دیکھو تمہاری چوری پکڑی گئی۔''

یا پھر ''ہاں۔ مجھے بھی تم پسند ہو!'' وہ سوچوں میں گم ایک بار پھر مسکرائی۔

تبھی ایک پتہ شاخ سے ٹوٹا اور اس کے پاس بینچ پر آ گرا جیسے شاہ بلوط نے چپکے سے کہا ہو۔

''ہاں مجھے یاد ہے! پھر وہ چلا گیا تھا اور تم یہیں بیٹھ کہ سوچتی رہیں کہ اسے کیسے علم ہوا؟''

اس نے پتہ اٹھایا اور پیار سے اس کی سطح پر انگلی پھیری۔

اسے وہ دن یاد آیا جب کلاس میں ان کی بحث ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ مرد کو ارادوں کا مضبوط اور اپنی زبان کا پکا ہونا چاہیے جبکہ اس کا اور ساتھی لڑکیوں کا خیال تھا کہ مجبوری انسان سے وہ سب کروا لیتی ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتا۔

WAQAR AZEEM Pakistani Point of View www.pakistanipoint.com

''بالکل نہیں! لفظ مجبوری کو ہم بس استعمال کرتے ہیں۔ خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے۔ جب ہمارا ذہن کسی کام کو ناممکن کہہ دیتا ہے تو ہم اسے مجبوری کہہ کے پیچھے ہٹ جاتے ہیں بجائے اپنی قوت ارادی پر بھروسہ کرنے کے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے اس نے فرہاد کی مثال دی تھی کہ اس نے شیریں کے لیے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہریں بہا دیں۔ اگر وہ چاہتا تو کسی مجبوری کا سہارا لے کر پیچھے ہٹ سکتا تھا مگر اس نے اپنے ارادوں کی مضبوطی دکھائی اور اپنے عہد کی پاسداری کی۔ ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔''

''لیکن بعض اوقات حالات ایسے ہو جاتے ہیں کہ ہمیں کسی اور کی خوشی کی خاطر اپنی خوشی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ قربانی دینا پڑتی ہے۔'' وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''میری نظر میں قربانی کا لفظ صرف عورت کی ذات سے جڑا ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اسے کمزور سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے ارادوں پر قائم رہنے کے لیے اسٹینڈ نہیں لے سکتی اسے مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔ مگر مرد چونکہ بہادری کا ''سمبل'' ہے تو مرد کو اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ اس کی زندگی میں مجبوری جیسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ وہ حالات کو اپنے حق میں کرے نہ کہ مجبوری کا نام استعمال کر کے پیچھے ہٹ جائے۔'' اسے اٹل لہجے میں کہتا دیکھ کر وہ طمانیت سے مسکرائی تھی۔ یعنی وقت پڑنے پر وہ اس کے لیے اسٹینڈ لے سکتا تھا۔

مگر پھر آخری سمسٹر میں وہ اچانک غائب ہو گیا۔ سب اس کے لیے پریشان تھے۔ اس کے قریبی دوستوں کو بھی کچھ علم نہ تھا کہ وہ یونی کیوں نہیں آتا؟ اپنا ہر رابطہ منقطع کر رکھا تھا اس نے۔

اس کے نہ آنے سے اسے لگتا تھا جیسے دنیا سے یکلخت رنگ ہی ختم ہو گئے ہوں۔ بے رنگ سی۔ ویران سی دنیا!

وہ ہر روز یہی امید لے کر یونی آتی کہ شاید وہ آج آیا ہو مگر وہ نہ آتا۔

سیمسٹر کے فائنل امتحان شروع ہوئے تو کافی عرصے بعد وہ اسے امتحانات کے پہلے دن نظر آیا جب پیپر کے دوران غیر ارادی طور پر اس کی نظر عفان کی سیٹ پر پڑی تو وہ تیزی سے پیپر لکھتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اس نے بے ساختہ سکون کی سانس لی کہ شکر ہے امتحان دینے تو آیا۔ کتنی ہی دیر سب کچھ بھولے اسے دیکھتی رہی۔ ہوش تو تب آیا جب سر نے اس کا نام لے کر اسے پکارا تھا۔

''مس فاریہ! آپ اٹھ کر آخر والی سیٹ پر چلی جائیں۔'' انہیں شاید یہ لگا تھا کہ وہ نقل کر رہی ہے۔

پوری کلاس نے پیپر چھوڑ کر اسے دیکھا تھا سوائے ''اس'' کے جو ابھی بھی اپنے پیپر پر جھکا ہوا تھا۔ سوچا پیپر کے بعد اس سے ملے گی مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ سب سے پہلے فارغ ہو کر جا چکا تھا اور پھر امتحانات کے دوران یہی ہوتا رہا۔ وہ سب سے آخر میں آتا اور سب سے پہلے چلا جاتا۔ بنا کسی سے ملے۔ یہاں تک کہ امتحان ختم ہو گئے اور وہ سب جدا ہو گئے۔

وہ اپنی خاموش محبت کو دل میں دبائے مزید خاموش ہو گئی۔

اور آج..... آج ان کی کانوکیشن سیریمنی تھی۔ جس پر آنے کا اس کا قطعاً ارادہ نہ تھا۔ ویسے بھی گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں چل رہی تھیں مگر پھر جب اسے خبر ملی کہ کانوکیشن پر عفان بھی آ رہا ہے تو وہ خود کو روک نہ پائی۔ وہ بس ایک دفعہ اسے دیکھنا چاہتی تھی۔ آخری دفعہ!

''تمہیں معلوم ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر چونک گیا تھا شاید اسے میرے نہ آنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ جیسے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وہ اسی یقین پر آیا تھا کہ میں نہیں آرہی۔'' آنکھوں کو بھیگنے سے روکتے ہوئے وہ ایک بار پھر شاہ بلوط سے مخاطب تھی۔

''میں پوری تقریب میں بس اسے ہی دیکھتی اور سنتی رہی۔ وہ کیا کررہا ہے؟ کس سے بات کررہا ہے؟ باقی سب تو جیسے تھے ہی نہیں وہاں۔ بس وہ ہی تھا!'' وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

''اور تمہیں پتا ہے۔ میں نے آج پھر وہی حرکت کی۔'' وہ ہنسی تو آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر نکل آئے۔

''اس کے نکلتے ہی میں بھی وہاں سے نکل آئی۔ صرف ایک آخری بار اس کے پیچھے پیچھے چلنے کی خاطر۔''

اور شاہ بلوط کو کیسے نہ پتا ہوتا۔ شاہ بلوط اسے ہی تو دیکھ رہا تھا جب وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی آرہی تھی اور اس کو بھی جو ایک بار پھر اس کے سائے میں کھڑا اسے آتا دیکھ رہا تھا۔

وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی تھی۔

ایک بار پھر وہ دونوں شاہ بلوط کے نیچے کھڑے تھے۔

''اگر مجھے علم ہوتا کہ تم آرہی ہو تو میں کبھی نہ آتا۔'' وہ مخاطب ہوا۔

''کیوں؟'' ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا تھا۔

''تمہارا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔''

''کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''میں نے کہا تھا مرد مجبور نہیں ہوتا مگر پھر مجبوراً مجھے اپنی چاہت کی ''قربانی'' دینی پڑی۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ لیے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولا تھا۔

''تم نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا مجھ سے۔ نہ ہی کبھی کوئی آس یا امید دلائی تھی۔ پھر ایسا کیوں سوچا؟'' آنسو پیتے ہوئے وہ بظاہر مسکرائی تھی۔

''نہیں! تمہیں امید دلائی تھی میں نے۔ میں نے کہا تھا کہ اپنے ارادوں پر ڈٹے رہنا بہادری ہے مگر پھر اپنی بہن کا گھر بچانے کے لیے اس کی نند سے نکاح کرنا پڑا۔ وہی روایتی سی کہانی۔ وٹہ سٹہ۔ عجیب لگتا ہے نا سننے میں کہ ایک مرد مجبور ہو گیا۔'' وہ دھیرے سے ہنسا تھا یا ہنسنے کی کوشش کی تھی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں کہ تم نے بہت کوشش کی ہوگی۔'' وہ بھی نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔

''اس کی خوشی کے لیے اپنی خوشی سے دستبردار ہوتے ہوئے میں نے جانا کہ کسی کی خاطر قربانی دینا ہی تو اصل بہادری ہے اور عورت اس معاملے میں مرد سے زیادہ بہادر ہوتی ہے۔ میں غلط تھا۔ سو میری اصلاح کردی گئی۔'' وہ سر جھکائے مدھم لہجے میں بولتا رہا۔

''مگر تمہیں دیا ہوا قول پورا نہیں کر پایا۔'' لہجہ مزید مدھم ہوا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

کچھ دیر تک ان کے درمیان ایک بوجھل سی خاموشی چھائی رہی مگر اس خاموشی میں بھی شاہ بلوط دو بچھڑتے ہوئے کرلاتے دلوں کی آواز سن رہا تھا۔

''سنا ہے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔'' وہ مسکرایا اور وہ جواباً مسکرا بھی نہ پائی۔

''مجھے امید ہے کہ تمہیں اس سے کہیں زیادہ خوشیاں ملیں گی جو کبھی میں نے تمہیں دینے کا سوچا تھا۔'' ضبط سے کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

''اور یہ دعا بھی ہے کہ آئندہ کبھی ہمارا سامنا نہ ہو۔'' ضبط ٹوٹنے لگا تھا شاید۔

دونوں نے لمحہ بھر کے لیے ایک دوسرے کے چہرے کو جی بھر کے دیکھا۔

اور پھر وہ ایکدم سے مڑا اور وہاں سے چلا گیا۔

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی اور شاہ بلوط ان دونوں کی خاموش محبت کے انجام پر آنسو بہاتا رہا۔

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میمونہ چودھری

# برانڈڈ فیصلہ

عدیلہ صحن میں تخت پر لیٹی ہوئی اوپر چلتے پنکھے کو دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کی سوچ کہیں اور ہی پرواز کر چکی تھی۔ آج دوپہر کی ہی تو بات تھی وہ کیسے بھول سکتی تھی جب اس نے اپنی اماں سے کہا تھا۔

"اماں! مجھے بس اس برینڈ کا سوٹ لینا ہے تو بس لینا ہے۔ دیکھا نہیں تھا کتنا پیارا تھا۔ آمنہ نے بھی تو لیا تھا ناں پھر میں کیوں نہیں؟ آپ بلاوجہ کی ضد کر رہی ہیں، مان جائیں نا پلیز میری پیاری اماں۔" عدیلہ پورے جوش و خروش سے اپنی اماں کو راضی کرنے میں لگی ہوئی تھی جن کا کہنا تھا اگر ایک سوٹ ہی پانچ ہزار کا اس کو لے دیا تو باقی بہنیں کہاں جائیں گی؟

لیکن قصور عدیلہ کا بھی نہیں تھا وہ سوٹ تھا ہی اس قدر خوب صورت کہ نظر پڑنے پر لوٹنے سے انکاری ہو جائیں۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ آمنہ (عدیلہ کی سہیلی) نے عالیہ بیگم (عدیلہ کی اماں) سے درخواست کی تھی کہ ان کے ساتھ بازار چلیں۔ اس نے اپنی اماں کے ساتھ جا کر کچھ کپڑے لینے تھے لیکن وائے قسمت اماں کی شوگر بڑھ گئی جو کم نہ ہوئی اور کپڑے لینے بھی ضروری تھے اگر نہ لیتی تو شادی میں جانے سے محروم رہ جاتی جو اس کو گوارا نہ تھا جیسے ہی عالیہ بیگم جانے کے لیے اٹھیں تو عدیلہ بھی جھٹ سے تیار ہو گئی، اماں نے بہتیرا روکا کہ اس کا کیا کام، پر وہ جو ٹھان لے کر گزرنے والی جا کر ہی دم لیا اور وہاں آمنہ کی دیکھا دیکھی اب اس کو وہی سوٹ چاہیے تھا جو آمنہ نے لیا تھا۔ اسی لیے عالیہ بیگم کو راضی کرنے کی سر توڑ کوششیں کی جا رہی تھی، مگر اماں پر کسی بات کا بھی اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اماں! آپ آپی کو دلوا دیں نا وہ سوٹ اگر آپی کو زیادہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پسند آ گیا ہے وہ۔" چھوٹی نے ماں کے پاس بیٹھ کر کہا، کہاں گوارا تھا ان کو کہ ان کی بڑی بہن کچھ مانگے اور اس کو مل نہ سکے۔

"سعدیہ بیٹا! بات سوٹ کی نہیں ہے، بات ہے اس خواہش کی جو کسی دوسرے کو دیکھ کر اس کے دل میں جاگی ہے۔ جس کو پورا کروانے کے چکر میں اس کو باقیوں کی ضرورت بھی نظر نہیں آ رہی۔"

"اماں! کیا فرق پڑتا ہے، ہماری ضرورت تو ہو رہی ہے ناں پوری، ہمیں کپڑے نہیں چاہئیں ابھی، جب ضرورت ہو گی تب لے لیں گے، آپ بس آپی کو دلوا دیں وہی سوٹ۔" سعدیہ نے پھر سے بہن کی طرف داری کی۔

"اماں! دیکھیں ناں۔ اب تو یہ خود بھی کہہ رہی ہے۔ اب تو دلوا دیں۔ کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کی بیٹی بھی اپنے اسکول کی تقریب میں سب سے منفرد نظر آئے؟" عدیلہ بس کسی بھی طرح عالیہ بیگم کو راضی کرنے کے درپے تھی۔

"عدیلہ! تقریب تو سعدیہ کے اسکول میں بھی ہے تو اس کو نہیں چاہیے نیا سوٹ کیا؟"

"اماں! میرا کیا ہے کچھ بھی پہن لوں گی، ابھی جو پچھلے سال عید پر بنوایا تھا وہ کون سا پرانا ہو گیا ہے وہی پہن لوں گی، نہ بھی وہ پہنوں کون سی بڑی بات ہے میں جاؤں گی ہی نہیں، آپ کو تو پتا ہے نا اماں میرا دل گھبراتا ہے ایسی تقریبات سے۔" سعدیہ نے مسئلے کو چٹکی بجا کر حل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا! جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" عالیہ بیگم کہہ کر اندر کی طرف چل دیں۔ پتا تھا ان دونوں پر اب کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہونا۔

سعدیہ پیچھے سے بہن کے گلے میں بانہیں ڈالے اس سے سوٹ کے متعلق پوچھنے لگی جس کا دماغ ابھی "میں جاؤں گی ہی نہیں" میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

"سعدیہ! تم بھی وہی سوٹ پہن لینا ناں جو میں لوں گی۔ میری تقریب پہلے ہے، ناں تو پہلے میں پہن لوں گی۔ تمہاری کچھ دن بعد ہے تم بعد میں پہن لینا۔ کسی کو کیا پتا ہمارے اسکول بھی الگ ہیں، دوستیں اور اساتذہ بھی۔" تجویز پیش کی گئی۔

"نہیں آپی! وہ آپ کا سوٹ ہو گا۔ اس پر صرف آپ کا حق ہے میرا نہیں۔ آپ پہنیں گی اور آپ ہی رکھیں گی۔ آپی! آپ شاید بھول رہی ہیں میرے لیے میری آپی کی خوشی اپنی تقریب سے زیادہ اہم ہے۔" سعدیہ نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

☆.....☆

شام ہونے کو آئی تھی لیکن عدیلہ کا دماغ ابھی تک اس ایک لائن کی بازگشت میں اٹکا ہوا تھا۔ اس کی بہن اس کی خاطر اپنی تقریب کو قربان کرنے جا رہی تھی۔ صرف اس لیے کہ اس کی بہن اپنی خواہش کو پورا کر لے اور وہ کیا کرنے جا رہی تھی۔ اس کو سوٹ لینا تھا یہ جانے بغیر کہ ان کے وسائل ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اکیلی پانچ ہزار کا سوٹ لے۔ اگر ایک لے بھی لے تو باقیوں کو اس کی خاطر قربانی دینا پڑے اور اس کی بہن یہ قربانی خوشی خوشی دینے کو تیار بھی تھی لیکن اس نے یہ قربانی اب خود دینی تھی۔ وہ بڑی تھی پہلا حق، اس کا بنتا تھا۔

اماں واقعی ٹھیک کہتی ہیں۔ بات ایک سوٹ کی نہیں ہے۔ بات اس خواہش کی ہے جو دوسرے کو دیکھ کر میرے دل میں جاگی ہے۔ میرا یہ فرض بنتا ہے اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤں۔ دو انچ چادر ہوتے ہوئے میں کیسے سوچ سکتی ہوں اس کو خود پر لپیٹ بھی لوں اور پوری بھی آ جائے۔ ایک فیصلہ ہوا تھا اس لمحے جس پر اس کو عمل کرنا تھا اور جا کر اماں کو بتانا تھا۔

"اماں! اب جب بازار جائیں گی تو مجھے وہ ایک سوٹ نہیں لینا بلکہ کچھ دکانیں چھوڑ کر اگلی دکان سے دو سوٹ لینے ہیں۔ ایک اپنے لیے، دوسرا سعدیہ کے لیے، آخر کو ر کا بھی حق ہے، وہ بھی تقریب میں جائے اور نیا سوٹ پہن کر جائے۔☆☆

www.pakistanipoint.com

سمیہ مغل

# تعبیر خواب

ACHI ZEEM
www.pakistani.com

یہ بات بالکل درست ہے کہ کامیابی تک جانے سے قبل ہمیں بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بہت کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے مگر کامیاب تو وہی ہوتا ہے جو کامیابی کے راستے میں آنے والی تمام مشکلات سے لڑتا ہے اور ان مشکلات سے ہمت نہ ہار کر مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ کامیاب ہونا ہے تو لوگوں کی ہر بری بات کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ راستے میں آنیوالی تمام مشکلات سے گھبرا کر اپنے مقصد اور رستے سے ہٹ جانا ہی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے۔

☆.....☆

رات گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ماہین اپنے کمرے میں تھی۔ اس کے آس پاس بہت سی کتابیں اور صفحات تھے۔ یقیناً وہ کوئی کہانی لکھ رہی تھی۔ رائٹر بننا اس کا بچپن کا خواب تھا۔ اپنے خواب کی تعبیر کے لیے ہی وہ اتنی رات کو محنت و مزاکت سے صفحے پر قلم چلا رہی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اپنا وقت لگا کر اس نے کہانی کو مکمل کیا۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس نے اپنی تحریر کو لاؤنج میں موجود ریک پر رکھ دیا۔ عموماً وہ کہانی کو مکمل کرنے کے بعد لاؤنج میں رکھ دیتی تھی۔ گھر کی باقی لڑکیاں اور خواتین جب جی چاہتا پڑھ لیتیں اور دل جلانے والے تبصرے بھی کرتیں۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ سو کر اٹھی اور کپڑے درست کر کے لاؤنج میں آ گئی۔ آج وہ بہت خوش تھی اسے یقین تھا کہ اس کی کہانی کو اس بار سب پسند کریں گے کیونکہ اس نے محنت کر کے کہانی کو اختتام تک پہنچایا تھا۔

''کیسی لگی میری کہانی؟'' بہت جوش کے ساتھ اس نے پوچھا۔

''ارے کہا تو ہے تم کہانیاں مت لکھا کرو۔''

''یہ کیا تم نے دکھی کہانی لکھی ہے۔''

''تم جو یہ رائٹر بننے کے خواب بن رہی ہو، اسے یہیں ختم کر دو۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔''

سب کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں۔ ان سب میں اس کی ماں بھی شامل تھی۔ وہ دل برداشتہ ہو کر کمرے میں آ گئی۔ اس کا دل بری طرح ٹوٹا تھا۔ اس کی اتنی محنت پر سب نے پانی جو پھیر دیا تھا۔ وہ سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ اپنا وقت کہانیاں لکھنے میں بھی صرف کرتی تھی۔ بجائے اس کے کہ سب اس کی حوصلہ افزائی کرتے اس کی ہمت بندھاتے۔ ہمیشہ اس کا دل برا ہی کر دیتے تھے۔ اسے اپنے باپ کا دیا گیا سبق ابھی تک یاد تھا۔ اس نے ایک نگاہ دیوار پر لگی تصویر پر ڈالی اور زبان سے دہرانے لگی۔

''وے آف سکسیس : ریجیکشن، فرسٹریشن، انسلٹ، مسٹیکس، فیلیئر۔''

یہ پانچ پوائنٹس اس نے یاد کر رکھے تھے۔ وہ ہمت ہارنے والی نہیں تھی۔ سو اس نے اپنی تحریر کو فیس بک کے ناولز گروپ میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ رات کو پڑھائی کے بعد اس نے اپنی تحریر کو تصاویر کی صورت میں گروپ میں پوسٹ کر دیا اور اپنا فون سائیڈ پر رکھ دیا آج بڑی مشکل سے نیند آئی تھی۔

☆.....☆

کالے بادل ہر سو چھانے لگے تھے۔ وہ کالج جانے کی غرض سے اٹھی تھی مگر موسم کی صورت حال دیکھ کر اس نے اپنے ارادہ ترک کر دیا اور اپنا فیس بک پیج آن کیا جو کئی دن پہلے اس نے بنایا تھا۔ ابھی تک وہاں چند ہی لائیکس تھے جیسے ہی اس نے اپنی گروپ پوسٹ آن کی اس کا دل ڈوب کر ابھرا وہاں صرف اور صرف 10 لائیکس تھے۔ تبصرہ کرنے کی کسی نے بھی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کا دل کافی دکھی تھا۔ پچاس ہزار ممبرز ہونے کے باوجود صرف دس لائیکس!! اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا مگر وہ جلد ہی سنبھل گئی۔ وہ جانتی تھی اسے ابھی محنت کی مزید ضرورت ہے اور واقعی اسے ضرورت تھی

PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

اپنی کہانی میں اسے بہت سی غلطیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ''اب میں یہ غلطیاں دوبارہ نہیں کروں گی۔'' تحریر پڑھتے ہوئے اس نے سوچا۔

اب اسے تین مہینے ہو گئے تھے وہ باقاعدہ اپنی تحریر کو گروپ اور پیج پر پوسٹ کرتی تھی۔ صورت حال اب تک ویسی ہی تھی۔ کسی کو کچھ خاص کہانی پسند نہیں آتی تھی۔ لفظوں کی غلطیاں تو وہ درست کر چکی تھی۔ اس کے سالانہ امتحان قریب آتے جا رہے تھے۔ اس نے کچھ وقت کے لیے لکھنا چھوڑ دیا۔ رائٹر بننے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بھی زندگی کا اہم مقصد تھا۔

☆.....☆

اب تو اس کے امتحان بھی ختم ہو گئے تھے۔ کچھ ماہ کے لیے وہ بالکل ہی فارغ تھی سو اسے اب اپنا زیادہ سے زیادہ وقت کہانی کو دینا تھا۔ ابھی بھی اس کی کارکردگی ایسی ہی تھی جس طرح پہلے تھی۔ وہ اب تک کوئی تیس کے قریب کہانیاں لکھ چکی تھی۔ دو کہانیاں تو اس نے ڈائجسٹ میں دینا چاہیں مگر اس کی تحریر کو پسند نہیں کیا گیا تھا۔ ان دنوں وہ یہ بات نوٹ کر چکی تھی کہ اسے اپنی کہانی کے پلاٹ پر خاصی توجہ دینی پڑے گی۔ کہانی کے اختتام میں بھی گڑبڑ کر دیتی تھی۔ ایک دن وہ قریبی لائبریری سے کچھ کتابیں اٹھا لائی۔ ایک مہینہ خوب ڈٹ کر ماہین نے وہ کتابیں پڑھیں۔ بڑے بڑے رائٹرز کو پڑھا۔ ان کے ناولز پڑھے۔ فیس بک پر ناولز کو پڑھا۔ ان دنوں میں اسے کافی حد تک سمجھ میں آ گیا تھا کہ کہانی کس طرح لکھی جاتی ہے۔ اب اس کا ارادہ ناول لکھنے کا تھا۔ اللہ کا نام لے کر اس نے ناول کی پہلی قسط لکھ لی اور تصاویر اتار کر پوسٹ کر دی۔ اس نے سب سے پہلے پلاٹ بنایا تھا۔ پہلے وہ پلاٹ نہ بنا کر غلطی کرتی تھی۔ پلاٹ نہ بنانے کی صورت میں اس کی کہانی گڑبڑ ہو جاتی تھی۔ روز وہ اپنی دی گئی اقساط کے لائیکس دیکھتی تھی۔ قریباً اسے پچاس لائیکس اور بیس کمنٹس مل ہی جاتے تھے۔ یہی اس کے لیے کافی تھا۔ اسے بہت خوشی تھی۔

☆.....☆

دوسرا ناول وہ ڈائجسٹ میں دے چکی تھی اور اسے سلیکٹ بھی کر لیا گیا تھا۔

''اماں، پھوپھو! یہ دیکھیں ڈائجسٹ میں میرا ناول شائع ہو گیا ہے۔'' وہ خوشی سے دوڑتی ہوئی آئی۔

''لاؤ دکھاؤ ہمیں۔'' اماں نے اس سے ڈائجسٹ پکڑ لیا۔ واقعی میں اس کا نام اور ناول موجود تھا۔ سب گھر والوں کو بھی کافی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے اس نے اپنے باپ کی تصویر نکالی۔

''ابو آپ نے ٹھیک کہا تھا ریجیکشن، منٹیکس، فیلیئر یہ سب میرے راستے میں بھی آئے مگر میں ان لوگوں میں شامل نہیں ہوئی جو ان سب سے ڈس ہارٹ ہو کر اپنے خوابوں سے دور چلے جاتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں اب نمی اترنے لگی تھی۔ اس نے تصویر کو جگہ پر رکھا۔ وہ جانتی تھی اسے ابھی بھی بہت محنت کرنی تھی۔ سلیکشن کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ وہ اب پرفیکٹ ہو چکی ہے یا اسے اب محنت کی ضرورت نہیں ہے۔

☆.....☆

ایک سال بعد

گھر میں سب اس کے ناولز کو پسند کر رہے تھے۔ اس کے لیے یہ سب سے بڑی خوشی تھی۔

''ماہین! دیکھ یار تیرے پیج پر دس ہزار لائیکس ہیں اور ایک پوسٹ پر ایک سو کمنٹس ہیں۔'' وردہ اپنا فون دیکھتے ہوئے بولی۔ اس نے ماہین کا پیج آن کر رکھا تھا۔

''اچھا!'' مسکرا کر اس نے وردہ کو دیکھا اور دوبارہ ناول لکھنے لگی۔ اس کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ اس کا خواب مکمل ہو رہا تھا جس کی تعبیر وہ خود کر رہی تھی۔

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

فاطمہ نیازی

# ارتقا فنی سینٹر

ایف ایس سی کے سالانہ امتحانات کا پہلا پرچہ دینے میں بڑی سخت تیاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ سارے رستے مختلف آیات کا ورد کرتی میں جوں ہی کالج گیٹ پر پہنچی۔ گیٹ پر لگے نوٹس بورڈ نے لمحہ بھر کے لیے دل کو لرزنے پر مجبور کر دیا۔ پولیس کی بھی اچھی خاصی نفری موجود تھی۔ دل تو کپکپا کر رہ گیا۔ اتنے سخت اصول جولا گو تھے۔ اب ایسا بھی نہیں تھا کہ میں کوئی کند ذہن یا پڑھائی چور قسم کی طالبہ تھی۔ سارا سال دل لگا کر پڑھائی کی تھی پر کیا معلوم کس وقت کوئی اہم نکتہ ذہن سے ہجرت کر جائے اور میں قریب بیٹھے کسی دوسری شاہینِ اقبال سے نقطہ تک نہ پوچھ سکوں۔ خیر دل کو تسلی دیتے ہوئے کالج کے احاطے میں قدم رکھ دیے۔

اندر تو جیسے کسی میلے کا سماں تھا۔ ہر جانب نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی زرق برق تیاریوں سے لیس دوشیزائیں چہل قدمی کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک لمحے کو سوچنے پر مجبور ہوئی کہ امتحان دینے آئے ہیں یا شغل کرنے! کسی نے وردی کی قمیص کے ساتھ چست جینز زیب تن کر رکھی تھی تو کسی نے چہرے کو میک اپ سے سجا رکھا تھا۔ کسی نے ہیئر بینڈ لگا کر ریشمی گھنی زلفیں کمر پر لا درکھی تھیں تو کسی نے لمبے ناخنوں کو

ZEEMPoint.com

ناخن پالش سے آراستہ کر رکھا تھا۔

میں نے بے اختیار خود پر نگاہ ڈالی تو فوراً ذہن میں ایک ہی محاورہ آیا۔ ''مخمل میں ٹاٹ کا پیوند!''

اف.....! اپنی آنکھوں میں حیرت کا سمندر لیے میں ہر دوسری لڑکی کے ہاتھ میں اسمارٹ فون دیکھ کر بھی کچھ الجھن کا شکار تھی کیوں کہ چند لمحے قبل ہی تو نوٹس بورڈ پر جلی حروف میں ''موبائل فون کی سختی سے ممانعت ہے'' کا جملہ اپنی گناہ گار آنکھوں سے پڑھ کر آئی تھی۔ خیر سانوں کی؟

پرچہ شروع ہونے میں مزید نصف گھنٹا باقی تھا سوچا کتاب کھول کر مزید کچھ دماغ میں اتارا جائے سو ایک قدرے خاموش کونے کا انتخاب کر کے تشریف فرما ہوگئی۔

''کیا واقعی یار تم سچ کہہ رہی ہو سر قاسم تمہیں ایم سی کیوز کے جوابات بھیجنے والے ہیں؟'' اچانک ایک حیرت سے بھرپور آواز کانوں سے ٹکرائی۔

میں نے چونک کر آواز کے تعاقب میں نگاہیں دوڑائیں۔ مجھ سے ذرا فاصلے پر دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔

''بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ تمہیں تو پتا ہی ہے میرے ہنر کا!'' ایک خوش شکل اور معصوم صورت لڑکی قدرے فخر سے اپنے کسی ہنر کا ذکر کر رہی تھی۔

''یار سچ میں کمال ہوگیا۔ مطلب کہ تم نے سر قاسم کو بھی سیٹ کر لیا؟'' سانولی لڑکی نے ہنس کر سوال کیا۔

''حد کرتی ہو شانزے! میں اس بڈھے کھوسٹ کو سیٹ کروں گی؟ اتنے برے دن نہیں آئے۔ سمجھا کرو ناں یہ تو بس پیپر کلیئر کرنے کے لیے!'' اس نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''اور تم تو جانتی ہی ہو سر قاسم جیسے مردوں کی کمزوری خوب صورت لڑکی ذرا سی لفٹ کروا دے تو اوقات سے نکل کر فوراً مٹھی میں!''

ان کی باتیں سن کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ حیرت سے منہ کھولے میں پھٹی نگاہوں سے اپنی ہم عمر لڑکیوں کو دیکھ رہی تھی جن کی سوچ نے مجھے نسوانیت کی تذلیل پر شرمندہ سا کر دیا تھا۔ میری نگاہیں ان لڑکیوں پر ہی تھی جب اچانک مائیک پر تمام لڑکیوں کو جماعتوں میں جانے کی ہدایت کی جانے لگی۔

''لیکن زویا! موبائل کلاس تک کیسے لے کر جائے گی؟''

''بس اب تم دیکھتی جاؤ کہ کاریڈور کے باہر اس موٹے سانڈ کو میں کیسے میں اپنی ایک ہی مسکان سے کیسے زیر کرتی ہوں!'' وہ آنکھ دبا کر شرارت سے بولی اور دونوں ہنستی ہوئیں اٹھ کر آگے بڑھ گئیں۔ ناچار میں بھی افسوس کے سمندر میں غوطہ زن وجود لیے اپنا بیگ سنبھالتی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆.....☆

پرچہ شروع ہونے میں چند سیکنڈ باقی تھے جب نگران اپنا بھاری بھرکم وجود لیے جماعت میں آن وارد ہوئیں۔

''کسی کے پاس کوئی نقل کا مواد یا موبائل فون ہے تو میرے حوالے کر دیں۔'' سست لہجے میں کہہ کر ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈال کر انہوں نے پرچے بانٹنے کا آغاز کیا۔

اگلے دو منٹ میں وہ پرچے تقسیم کرنے کے بعد جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''مجھے کسی کی بھی آواز نہ آئے، جو کرنا ہے خاموشی سے کریں! بالکل شور نہیں ورنہ پرچہ لے لوں گی!'' اپنا بیگ کھنگالتے ہوئے انہوں نے سرسری نگاہ تمام لڑکیوں پر ڈال کر گویا سب لڑکیوں کو نقل کی کھلی اجازت دے دی اور میں ہکا بکا چہرہ لیے اپنے آس پاس موجود لڑکیوں کے چمکتے چہرے دیکھ رہی تھی۔

''حد ہے! ہم نے اس لیے سارا سال اپنا دماغ اور وقت لگایا کہ اس طرح ہماری محنت کا کباڑہ کیا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جائے۔ یہ سب اب بغیر کچھ پڑھے پاس ہوجائیں گی؟''

اپنے پیچھے مجھے ایک غصیلی آواز سنائی دی ذرا سی گردن گھما کر میں نے بولنے والی کا چہرہ دیکھنا چاہا۔

''مجھ سے امید مت رکھنا۔ ایک لفظ نہیں بتاؤں گی!'' اس نے مجھے اپنی طرف دیکھتا پایا تو پھاڑ کھانے والے انداز میں مجھے بری طرح جھڑک دیا۔

''مجھے کچھ نہیں پوچھنا۔ سب آتا ہے مجھے سمجھیں!'' اپنی بے عزتی پر میں بلبلا کر ناراضی سے بولی۔

''اچھا سوری بہنا!'' وہ فوراً شرمندہ ہوئی۔

میں کوئی جواب دیے بغیر اپنا پرچہ حل کرنے لگی۔

پرچہ شروع ہوئے ایک گھنٹا گزر چکا تھا۔ امتحانی کمرے میں جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ کوئی کسی کی کہنی کھینچ کر جوابات پوچھ رہا تھا تو کوئی باقاعدہ املا لے کر پرچہ حل کر رہا تھا۔ میں اور مجھ جیسی چند مزید بیچاریاں گاہے بگاہے قہر آلود نگاہوں سے موبائل فون پر مسلسل ٹائپنگ کرتی نگران کو گھور کر دوبارہ اپنی امتحانی کاپی پر جھک جاتیں۔ کچھ دیر بعد اچانک ہی کمرے میں ایک میٹھی اور روح تازہ کردینے والی خوشبو پھیل گئی۔ مجھ سمیت سب نے اپنا کام چھوڑ کر آنے والے افراد پر مرعوب نگاہ ڈالی۔ وہ ایک نہایت حسین لڑکی تھی چہرے پر عجیب رعونت سجائے وہ ہاتھ باندھے ابرو بھینچے نگران کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ دو سیکیورٹی گارڈ اور ایک پولیس کی وردی میں ملبوس شخص تھا۔

''ہونہہ پرچہ ختم ہونے والا ہے اور یہ میڈم اب پرچہ دینے آئی ہیں! ہم تو پاگل ہیں سارا سال پڑھتے رہیں اور یہ چڑیلیں آسمان سے اتری ہیں بغیر پڑھے سارا پرچہ نقل کرکے دیں گی اور پاس ہوجائیں گی!''

''کون ہے یہ کیا جانتی ہو اسے؟'' میں نے ذرا سی گردن گھما کر سوال کیا۔

''جی ہاں! یہ محترمہ ایم این اے صاحب کی لاڈلی صاحبزادی، روحین ہیں۔ ہماری جماعت کی بیوٹی کوئین مغرور اور شوباز قسم کی فضول لڑکی! ویسے تو یہ گھر بیٹھے بھی کلیئر ہوسکتی ہے لیکن گھر بیٹھی رہیں گی تو بھلا شو آف کون کرے گا۔ ہونہہ۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

وہ لڑکی اب اپنی سیٹ پر بیٹھی اپنے قیمتی سامان کی نمائش کرتی سکون سے پرچہ حل کرنے میں مصروف تھی۔ لڑکیاں بار بار مرعوب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر اسے مزید آسمان پر پہنچا رہی تھیں جبکہ اس کی حفاظت پر مامور گارڈ اس سے بے نیاز کلاس میں موجود دوسری لڑکیوں کا ایکسرے کرنے میں مصروف تھے۔

میں خون کے گھونٹ پی کر اپنے پرچے پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

پرچے کے اختتام تک میرے پیچھے بیٹھی لڑکی مسلسل بڑبڑاتی رہی اور میں دل ہی دل میں اس کی بڑبڑاہٹوں پر کڑھتی رہی۔ اتفاق کی بات تھی کہ میرا اور اس کا پرچہ ایک ساتھ مکمل ہوا اور ہم دونوں ایک ساتھ پرچہ دے کر جماعت سے نکلے۔

وہ اب بھی بڑبڑاتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کے آخری جملے جو میری سماعت سے ٹکرائے کچھ یوں تھے۔

''فضول ہے ہماری محنت! سارا سسٹم ہی خراب ہے۔ یہ نکمے لوگ بغیر پڑھے ہی پاس ہوجائیں گے۔ ڈگریاں لے کر ایسے ہی سفارشیں اور مکاریوں سے اونچی پوسٹوں پر ملازمتوں پر بھی لگ جائیں گے اور ہم جیسے متوسط طبقے کے عام لوگ اپنی محنت سے حاصل کی گئی ڈگریاں لیے سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے پھریں گے!''

میں نے بھی افسوس سے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔ بھلا ہم جیسے عام لوگ سوائے کوسنے اور افسوس کرنے کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

فرح خرم

# خمار آتش

گلشن کے ایک پوش علاقے میں بنگلہ خریدا تھا میں نے، ناظم آباد والا گھر بیچ دیا تھا۔ بنگلے میں کچھ کام کروانا تھا اس لیے فی الحال وہاں رہائش ناممکن تھی۔ میرے کئی گھر تھے جو میں نے کرائے پر دے رکھے تھے اور سب ہی میں کرائے دار رہ رہے تھے سوائے ایک گھر کے نیچے والے پورشن کے۔ سو میں اپنی فیملی کو کچھ وقت کے لیے یہاں لے آیا تھا اور یہاں آکر پتا چلا تھا کہ میرے اس گھر میں کس قدر نقصان ہوا تھا۔

اوپر والے پورشن میں ایک فیملی تھی، جو پچھلے آٹھ سالوں سے یہاں رہ رہے تھے، کبھی مجھے ان کی طرف سے کوئی پریشانی ہوئی ہی نہیں تھی کہ میں انہیں اپنا مکان خالی کرنے کا کہتا۔

''اوہ خدا! یہاں تو بہت ساری مشکلات ہیں، پانی کا مسئلہ تو سب سے بڑا ہے۔'' فاطمہ میرے پاس تھکی ہاری بیٹھ گئی۔

''واقعی یار، یہاں کی زندگی تو بہت پریشان کن ہے، نہ جانے سب کس طرح یہاں زندگی گزار رہے ہیں۔'' میں بھی سر تھامے پریشان تھا۔

''پتا ہی نہیں چلتا ہے کب لائٹ آتی ہے یہاں پر تو؟'' پانی کے بعد بجلی دوسرا بڑا مسئلہ تھی۔ میں بھی یہاں آکر تھکنے لگا تھا۔

''اوپر سے کوئی آیا تھا؟'' میں نے بیوی کی طرف دیکھا۔ ہمیں آئے چھے دن ہو گئے تھے لیکن ابھی تک اوپر سے سوائے عامر اور اس کی امی کے کوئی اور نہیں آیا تھا، نہیں معلوم کوئی تھا بھی کہ نہیں۔ فاطمہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

''مجھے پتا ہوتا کہ یہاں اتنے مسئلے ہیں، میں کبھی یہاں نہ آتا۔'' کہہ کر لیٹ گیا مجھے کیا خبر تھی کہ قسمت نے کیا کھیل کھیلنا ہے کہ یہاں آکر پھنکے گئے ہیں۔ گہری سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔ فاطمہ بھی اٹھ کر اپنے کاموں میں لگ گئی تھی۔ میرے دو خوب صورت چھوٹے بچے تھے۔ حمزہ دو سال کا تھا اور ربیعہ ایک سال کی تھی۔ اپنے بچوں اور ماں سے مجھے بے حد پیار تھا۔ بیوی بہت خوب صورت نہیں تھی مگر مجھے بہت عزیز تھی میری کل دنیا یہی تھی۔

☆.....☆

''علی بھائی کوئی حکم ہو تو کیجیے گا۔'' نظر ایک دم اٹھی تھی۔ عامر کے برابر میں اس کی بیوی کھڑی تھی۔ نظریں جھکائے، قرینے سے اپنی چادر کو اپنے گرد لپیٹے ہوئے بیمار بیمار سی، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے جس کا ثبوت تھے۔

نہ جانے کیا سحر تھا اس کے چہرے پر کہ نظر بار بار اس کے چہرے پر جانے کی گستاخی کیے جا رہی تھی۔ میں دل میں خود پر حیران تھا کہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ایک غیر عورت کو میں دیکھنے کی خواہش کر رہا ہوں۔

ایک عجیب سی کشش تھی اس کے چہرے پر، جیسے دنیا جہاں کا سحر ہو، کوئی جادو، پاکوئی مقناطیس ہو جو مجھے اس کی طرف دیکھنے سے باز نہیں رکھ پا رہا تھا۔

میں عامر سے باتوں میں مصروف ضرور تھا لیکن.....لیکن میری نظر بار بار بہک رہی تھی۔ تبھی کوفت سے اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا تھا۔

''اف.....ف.....ف.....!'' مجھے اندر تک جھرجھری سی آ گئی۔ اس کی گرے آنکھوں میں قیامت کا منظر تھا۔ وہ یکدم نگاہ جھکا گئی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ اکتا گئی ہے ہماری باتوں سے تبھی میں نے عامر سے معذرت کی۔ وہ اسے ہاسپٹل لے جانے کو اترا تھا۔ اتنے دنوں سے جو اوپر خاموشی تھی وہ وجہ یہی تھی کہ اوپر اکیلا عامر اور اس کے امی، ابو تھے۔ باقی فیملی کہیں گئی ہوئی تھی۔

''چلیں پھر ان شاء اللہ ملاقات ہو گی بعد میں۔'' میں اندر آ گیا۔ کتنی دیر تک اس سحر میں جکڑا رہا جو اس عورت کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں تھا۔

www.pakistanipoint.com
W.A.R AZEEM

''ایسا تو میں کبھی نہیں تھا۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟''
سوچتا ہوا کب سویا پتا نہیں لیکن دل کی فرمائش سے الجھ سا گیا تھا۔

☆.....☆

''آہستہ بولو، نیچے والے ڈسٹرب ہوں گے۔''
دس دن میں آج پہلی بار اوپر سے ایک نئی آواز کان میں پڑی تھی۔ یقیناً یہ اسی ''آسیب'' کی آواز تھی جس کے حصار میں، میں پچھلے چار دن سے تھا۔ دل میں ایک انوکھی خواہش ابھری تھی۔ اس آسیب کو دیکھ لینے کی، اپنی خواہش کو پوری کرنے کے لیے میں اٹھا اور باہر صحن میں آ گیا۔ یہ گھر ایسا تھا کہ نیچے بھی ایک صحن تھا جو کہ اوپر سے کھلا ہوا تھا اور اوپر کے صحن میں کوئی کھڑا ہوتا تو صاف نظر آتا تھا۔ کسی کے گھر میں دیکھنا سخت ترین گناہ تھا مگر..... مگر میں اپنے دل سے مجبور یہ گناہ کر رہا تھا اور جانے کا راستہ بھی نیچے کے صحن سے ہی تھا۔ ایک ہی مین گیٹ تھا جہاں سے دونوں فیملی کا گزر ہوتا تھا۔

وہ اپنے بڑے بیٹے کو جو ابھی سات سال کا تھا ٹیوشن چھوڑنے جا رہی تھی۔ دل یکدم اس کی ایک جھلک دیکھنے کو کسی بچے کی طرح مچل رہا تھا اور پھر آہٹ ہوئی تھی۔ کوئی بہت آرام آرام سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

میں دروازے پر آ گیا۔ وہ ذرا ٹھہر گئی تھی، اپنے بچے کو آگے کیا اور اپنی میٹھی آواز میں کہا۔

''ایکسکیوز می، راستہ دیجیے گا۔'' میں تو اسی کا منتظر تھا۔ آواز سے کانوں میں سحر سا گھل گیا تھا اور نظر جب اس کے ساحر چہرے پر ٹکی تو ہٹانے کا دل ہی نہ کیا۔ اس نے اپنی نظر نہیں اٹھائی تھی۔ اپنی چادر سمیٹ کر میرے راستے سے ہٹ جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ پچھلے دنوں کی نسبت آج اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد حلقے مدھم ہو چکے تھے، کملائے ہوئے چہرے پر شادابی تھی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی راستہ دیا۔ ایک گہرا سانس کھینچ کر میں اندر آ گیا۔

کتنی ہی دیر اسے سوچتا رہا اور خود پر حیران ہوتا رہا کہ ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ آج سے پہلے تو کبھی میں نے اتنی باریکی سے کسی کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ زندگی یہ کیا کر رہی تھی؟

☆.....☆

''اوپر گئی تھیں آپ؟''
فاطمہ حمزہ کے بال سنوار رہی تھی۔ میرا سوال سن کر بولی۔

''ہاں گئی تھی، بہت دکھ ہوا مجھے ان لوگوں کی زندگی دیکھ کر۔''

میرا دل دھڑکا اور میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''کیوں خیریت؟'' مجھے دلچسپی تھی اس ساحرہ کے بارے میں جاننے کی۔

''بہت غریب لوگ ہیں علی وہ، کبھی کبھی تو پیٹ بھر کھاتے بھی نہیں ہیں۔'' حمزہ کو اس کے کھلونے دے کر وہ بیڈ پر پیر پھیلا کے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''ہادیہ نام ہے اس کا، بات کرتے کرتے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں تو چھپا جاتی ہے۔ ماسٹر کیا ہوا ہے۔ ایک ہی بھائی ہے۔ ماں باپ تو کب کے اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ اس کے شوہر کو برین ٹیومر ہے مگر اسے بتایا نہیں ہے، کسی سرکاری اسپتال میں علاج چل رہا ہے۔'' میرے چہرے پر اپنی بیوی کے منہ سے یہ باتیں سن کر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

اللہ پاک نے مجھے بہت کچھ عطا کیا ہوا تھا۔ عامر اس گھر کا کرایہ اکثر نہیں دے پاتا تھا اور مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ میں اکثر لوگوں کی مدد کرتا رہتا تھا اور مدد بھی ایسے کرتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو اپنے آپ سے بھی چھپا جاتا تھا۔ عامر اکثر میرے پاس آتا تھا مدد کے لیے اور جو

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مجھ سے بن پڑتا تھا وہ میں کرتا تھا لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس گھر کے حالات اس حد تک خراب ہیں۔

''پھر..... کیسے گزر بسر ہوتی ہے۔'' مجھے اپنی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''اس سے بھی میں نے یہی سوال کیا تھا علی۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ''اس نے کہا کہ فاطمہ، اللہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے، نہ جانے کیسے میری ضرورت پوری ہو جاتی ہے، مجھے خود کو نہیں پتا۔''

میری آنکھوں میں اس کا سراپا گھوم گیا، بے چین کر دیا تھا مجھے فاطمہ کی باتوں نے۔ میں اتنا بے خبر تھا کہ ایک شخص تین تین ماہ کا کرایہ نہیں دے پاتا الٹا مدد کے لیے آتا ہے اور میں نے کبھی وجہ جاننے کی کوشش تک نہ کی۔ شاید اسی لیے قدرت نے مجھے یہاں لا پٹخا تھا کہ دیکھو سفید پوشی کسے کہتے ہیں۔

☆.....☆

''کیا بات ہے بہت خاموش ہیں آپ؟'' عامر ابھی ابھی لوٹا تھا کام پر سے، ہادیہ نے فوراً پانی کا گلاس اسے تھمایا۔

''نہیں ٹھیک ہوں میں۔'' گلاس خالی کر کے اس نے ہادیہ کو تھمایا۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ عامر چارپائی پر لیٹ گیا اور آنکھیں بھی بند کر لیں۔

''ہاں ٹھیک ہے، بس سوچتا ہوں کہ میرے بعد تم لوگوں کا کیا ہوگا۔'' آنکھیں بھیگ گئی تھیں اس کی اور ہادیہ تڑپ اٹھی۔

''اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو عامر، کیوں ایسی باتیں کرتے ہیں آپ۔'' ہادیہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''میرا دل بہت گھبرا رہا ہے آج ہادیہ، ریحان کہاں ہے اور امی ابو؟'' وہ ڈر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی آواز نیچے بھی آ رہی تھی۔

میں نہ چاہتے ہوئے بھی پچھلے کئی دنوں سے یہ گناہ کر رہا تھا کہ چھپ چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا تھا اور دن میں ایک بار اسے ضرور دیکھ لینا چاہتا تھا۔ اللہ کی قدرت کے نظارے دیکھ رہا تھا کہ مجھے عطا کیا تو بہت کچھ اور عامر کو ملی تو غریبی۔ یہ بھی قانونِ قدرت ہے کہ کسی کی جھولی بے مانگے بھر دی اور کسی کی جھولی میں کچھ بھی نہیں۔

دن میں کئی بار وہ باہر جایا کرتی تھی۔ میں جان کر اس کے آگے آ جاتا مگر وہ اپنی پلکوں کی باڑ اوپر نہ اٹھاتی تھی۔ کیا تھا اس کے چہرے میں؟ کیسی شخصیت تھی اس کی؟ میں روز اپنی خواہش کو دبانے کا سوچ کر سوتا اور روز اپنے عہد کو اپنے ہی ہاتھوں سے توڑ دیتا تھا۔

ایک صبح اوپر سے بہت شور کی آوازیں آئیں، میری آنکھ کھل گئی۔ غور کیا تو کوئی رو رہا تھا۔ میں پیروں میں سلیپر ڈال تیزی سے اوپر بھاگا اور میرے حواس ختم ہو گئے جیسے!!

''عامر کا انتقال ہو گیا ہے۔'' فاطمہ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میرا دل جیسے ڈوب سا گیا۔ وہ ساحرہ اجڑی ہوئی سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔ ایک ہی بیٹا تھا اس کا وہ بھی ماں سے لگا چپ تھا۔ ماں باپ کا رو رو کر برا حال تھا۔

زندگی نے پلٹا کھایا تھا۔ کیسے وقت نے ایک گھر کا کفیل چھین لیا تھا۔ عامر کی موت کے بعد میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اور پھر فاطمہ نے مشکل آسان کر دی۔

''ایک بات کہوں آپ سے۔'' میں کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ اپنی بیوی کی طرف گھوم کر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ آج مجھے کچھ پریشان لگ رہی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''علی رضا، ہم نے کبھی غربت نہیں دیکھی، کبھی کسی خواہش کے لیے ترسے نہیں، جو چاہا وہ حاصل کیا، یہ دولت، یہ شان و شوکت، ہمارے ان گنت مکانات اللہ پاک کی رحمت ہے ہم پر۔'' فاطمہ کی آنکھ سے دو موتی ٹپکے تھے۔

''پھر.....؟'' میں جو سمجھ رہا تھا اسے یقین کی زبان دینا چاہتا تھا۔

''علی رضا! اگر سمندر سے ایک ڈول پانی نکال لیا جائے تو سمندر کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا ناں۔''

بالآخر میں فاطمہ کی بات سمجھ چکا تھا۔

''تم کیا مجھے اتنا کم ظرف سمجھتی ہو فاطمہ؟'' میں نے الٹا سوال داغا۔

''نہیں بیٹا۔'' اماں کی آواز پر ہم دونوں چونکے تھے۔ ''میری تربیت میں کھوٹ نہیں ہے، میرے سارے بچے ماشاء اللہ سے بھرے دل اور کھلے ہاتھ کے ہیں، یہاں پر اللہ کا ہمیں بھیجنے کا مقصد اب سمجھ میں آیا ہے، ایک بہت بڑا کام اللہ نے ہمارے ذمے ڈالنا تھا بیٹا۔ تم اس بچی سے نکاح کر کے اسے خود پر حلال کر لو تا کہ لوگوں کو تمہارا یہاں آنا ناگوار نہ گزرے بیٹا۔''

میں نے یکے بعد دیگرے دونوں کو دیکھا وہ دونوں شاید آپس میں مشورہ بھی کر چکی تھیں۔

''تو کیا آپ لوگ اوپر بھی یہ بات کر چکی ہیں؟'' ایسا کب سوچا تھا میں نے۔

''ابھی وہ عدت میں ہے، عدت کے بعد اس سے بھی پوچھ لیں گے، ابھی تو صرف اس کے ساس، سسر سے بات کی ہے۔''

کیسے ہو گیا تھا یہ سب میں سوچنے سے قاصر تھا۔ عقل حیران تھی۔ زبان گنگ ہو گئی تھی میری۔ میں جو اتنے دنوں میں اس کا اسیر ہو گیا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھ لینے کے لیے تڑپنے لگا تھا وہ اسے اس طرح مل جائے گی، یہ کب چاہا تھا میں نے۔ پہلی نظر کی خواہش اس حد تک چلی جائے گی یہ تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اب پتا چلا تھا کہ قدرت نے کیوں یہاں لا پٹخا تھا۔ زندگی نے کتنا عجیب کھیل کھیلنا تھا۔ اور فاطمہ؟ مجھے تو فاطمہ پر حیرت ہو رہی تھی کتنا عالی ظرف تھا اس کا۔

☆.....☆

''امی! آپ فکر مت کریں، میں آپ کا بیٹا بن کر دکھاؤں گی۔'' آج اس کی عدت پوری ہوئی تو ساس کی پریشان صورت پر انہیں تسلی دی۔

''بیٹا! دنیا بہت خراب ہے، مرد کا ساتھ ہو تو کوئی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا اور اگر وہی مرد چھوڑ جائے تو اس دنیا کے دانت نوکیلے ہو جاتے ہیں۔ عورت کے دامن کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔'' ابو کی بات نے اسے ڈرایا تھا۔

''کیا کروں پھر میں آپ بتائیں، ایسے گھر بیٹھے تھوڑی کچھ ہو گا، گھر بھی کرائے کا ہے۔'' سفید دوپٹا سر پر ٹکائے وہ بھی ہولے ہولے سسک رہی تھی۔

''اس کا ایک حل ہے بیٹا۔'' پانی سے بھری گرے آنکھیں اس نے اوپر اٹھائی تھیں۔

''شادی کر لو۔'' لفظ تھے کہ دہکتے انگارے، وہ تڑپ ہی تو گئی، ایک مرد جس کے ساتھ وفا ایمانداری سے نبھائی کیسے اس کی جگہ دوسرے کو دے گی وہ۔ اس کا سات سالہ بیٹا کیا سوچے گا؟ اپنے بھائی کو کیا کہے گی۔ ان گنت سوالوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا مگر ساس سر کے آگے اسے ہار مانتے ہی بنی۔

☆.....☆

میں اس کے شریک سفر کی صورت اس کے سامنے بیٹھا اسے تک رہا تھا اور حیران تھا کہ میری ایک چھوٹی سی خواہش اس ساحرہ کو دیکھ لینے کی کیسے پوری ہو گئی۔

''مجھے معاف کیجیے گا، مجھ سے ظلم ہو گیا۔'' میں

NAZAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھتا تھا۔

''ایسے مت کہیں، فاطمہ کی اجازت سے ہی میں نے آپ کو اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ میرے ساتھ، میرے گھر چلیں۔ ان شاء اللہ دو چار دن میں ہم شفٹ ہو جائیں گے۔''

میں آج استحقاق سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کا چہرہ آج کملایا ہوا تھا، نظریں جھکی ہوئی تھیں، پلکیں بھیگ کر آپس میں چپکی ہوئی تھیں، نازک سے لب کبھی پھیلتے اور کبھی سکڑتے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ چھوٹی سی ستواں ناک رونے کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھی۔

آج وہ میرے سامنے تھی لیکن اسے پانے کی آرزو نہیں تھی میری، اس کے مسحور چہرے کا اثر میرے وجود میں سنسنی دوڑاتا تھا اور بس..... بس ایک نظر دیکھ لینے کی خواہش ابھرتی تھی۔

☆.....☆

میں نے یہ گھر ہادیہ کے نام کر دیا تھا۔ وہ میری زندگی میں شامل تو ہو گئی تھی لیکن میری پرسنل لائف کو ڈسٹرب کرنا اسے مناسب نہیں لگا تھا۔ نیچے کے پورشن کا کرایہ اس کے ماہانہ اخراجات کے لیے کافی تھا مگر پھر بھی اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں ہر ماہ اسے خرچا دینے ضرور آتا تھا اور آج نکاح کے چھے سال بعد بھی وہ ویسی ہی پرسحر، پرسوز، پرنور، قیامت خیز سحر انگیز تھی۔ دل نے کبھی بھی اس کے ساتھ گستاخی پر کو نہیں اکسایا تھا۔ میرا نام اس کے نام کے ساتھ تھا، مجھے بغیر چوری اسے دیکھنے کا اجازت نامہ ملا ہوا تھا، میرے لیے کافی تھا یہ سب۔

آج دوسری بار اس نے مجھے نظر اٹھا کے دیکھا تھا اور دل..... دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اس کی گرے آنکھوں میں نہ جانے کیسا جادو تھا، میں یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ میری نگاہ نہ ڈگمگائی، میرے قدم اس کے سحر میں جکڑ گئے تھے جیسے۔ وہ نظر جھکا گئی مگر میرا طلسم نہ ٹوٹا۔ میری نگاہیں اس کے مسحور چہرے کا طواف کرتی رہی تھیں۔

''آپ سے ایک گزارش ہے؟''

''جی کہیے۔'' آج پہلی اس نے کچھ کہا تھا ورنہ تو میں ہر ماہ یا ہر پندرہ دن میں آتا تھا اور ایک لفافہ اس کے سسر کے ہاتھ میں دے کر ہادیہ کے ہاتھ کی بنی چائے پی کر اسے تھوڑی دیر بس یونہی تکتا رہتا اور چلا جاتا تھا۔ کوئی اور خواہش، کوئی فرمائش نہ کی تھی۔

''مجھے نظر اٹھا کر دیکھا تو کریں، آپ ہی کا ہوں اور حکم ربی بھی ہے۔''

ہادیہ کے دل میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی، اس کا دل بھر چکا تھا عامر کی محبت سے مگر..... مگر حکم ربی سے منہ موڑنا بھی تو گناہ ہی تھا نا۔

''مجھے معاف کیجیے گا آپ پلیز۔'' آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ پہلی بار میں اس کے قریب آیا تھا۔

''آپ مجھے معاف کیجیے گا، میرا ارادہ آپ کو ہرٹ کرنے کا نہیں تھا۔'' دونوں ہاتھ سینے پر باندھے میں اس کے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا۔

''میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔'' نظر پھر اٹھائی تھی بھیگی بھیگی پلکیں، سمندر میں تیرتے دو نین میرے دماغ کو سن کر رہے تھے۔

اسے چھو لینے کی خواہش کبھی نہیں تھی بس ایک سحر تھا جو اس کے چہرے پر آج بھی تھا۔ اسی سحر میں خود کو تسکین دینے کے لیے میں اسے تکتا رہتا تھا اور بس یہی سوچتا تھا کہ شاید اللہ کو ہادیہ سے زیادہ مجھ سے محبت تھی، تبھی تو میری خواہش اتنی جلدی اتنی آسانی سے پوری ہو گئی تھی۔ مگر وہ جذبات و احساسات سے بالکل عاری تھی۔

اس کی بھیگی آنکھوں میں جانے کیا تھا۔ میں شرمندہ سا نظریں جھکا گیا۔

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

زرقا بھٹی

# سنگ آوں رہا

''اور کتنے اسٹوڈنٹ باقی ہیں؟'' رولنگ چیئر پر جھولتے ہوئے بارعب نسوانی وجود نے تھکا سا سانس لے کر بال پوائنٹ میز پر رکھتے ہوئے بڑی شائستگی سے پوچھا تھا۔

''بس چند ایک اسٹوڈنٹ ہی اور رہ گئے ہیں۔'' سامنے کرسی پر براجمان مس شمائلہ نے فائل پر نظر دوڑاتے ساتھ ہی اسے تسلی دی۔

''ٹھیک ہے ٹی بریک کے بعد انہیں اندر بھیج دیں۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر بڑے تحمل سے بولی تھی جب

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کہ اس دوران اس کا جسم شدید تھکان سے چور اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ پچھلے پانچ گھنٹے سے ایک ہی نشست پر یوں جم کر بیٹھنا خاصا مشکل کام ہے۔ اس کا اندازہ اسے آج ہو رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی میں لیے جانے والے انٹرویوز میں سے پہلا انٹرویو تھا۔ جسے وہ پوری جانفشانی اور ایمانداری سے لینے کی سعی کر رہی تھی۔

''او کے میم! آپ بریک لے لیں۔ میں باہر ویٹ کا کہہ دیتی ہوں۔'' مس شمائلہ فائل سمیٹ کر مؤدب انداز میں کہتی باہر چلی گئیں اور چائے کا آرڈر بھی شاید انہوں نے باہر جاتے ہی دے دیا تھا۔ تب ہی پورے دس منٹ بعد چائے اور گرم گرم سموسوں کی پلیٹ اس کے سامنے تھی۔ ٹی بریک کے بعد مس شمائلہ ایک بار پھر فائل ہاتھ میں تھامے اندر داخل ہوئیں اور اپنی نشست سنبھالنے کے ساتھ ہی انہوں نے اگلی اسٹوڈنٹ کو بلایا تھا جو شاید اس لمبی چوڑی قطار میں لگی کوئی آخری لڑکی..... عورت..... اسٹوڈنٹ..... یا پھر وہ سمجھ نہیں پائیں کہ وہ اسے کس

# مکمل ناول

AMIR 343 AZEEM
www.pakistanipoint.com

نام سے مخاطب کریں۔ وہ دکھنے میں اسٹوڈنٹ تو نہیں لگ رہی تھی۔ یہ کالج ایف ایس سی لیول کے انٹرویوز تھے اور وہ اچھی خاصی عمر کی ایک پختہ سی عورت تھی جو تین میٹر کی لمبی سی چادر میں خود کو چھپائے بڑی سہمی سی خاموش کرسی پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اپنے ڈاکومینٹس بھی خاموشی سے اس نے سامنے میز پر رکھے تھے۔ جانے کیوں اس کا رنگ اڑا ہوا تھا اور ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ مس شمائلہ نے غضب ناک نگاہوں سے اس کو گھورا جوان کے ساتھ ملحقہ کرسی پر بیٹھی سامنے شیشے کی میز کو گھور رہی تھی۔ انہیں یک دم ہی اس سے گھن محسوس ہوئی جب غور کرنے پر انہیں اس بات کا پختہ علم ہو گیا کہ اس کے پاس سے لہسن اور ادرک کی بو آ رہی ہے۔

''یہ عورت کپڑے بدل کر بھی نہیں آئی؟ اس میں اتنے بھی ایٹی کیٹس نہیں ہیں۔'' تیوری چڑھاتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا اور پھر فائل کھول کر وہ اس کا نام تلاش کرنے لگیں۔

''آپ پانی پئیں پلیز۔'' چند سیکنڈ اسے گھورنے کے بعد انہوں نے پانی کا گلاس آگے بڑھاتے ہوئے بڑی نرمی سے کہا تھا اور وہ کسی پیاسے کوے کی طرح گلاس میں جو پانی تھا وہ غٹاغٹ پی گئی۔

''فاخرہ حسین..... تو آپ ان کی والدہ ہیں۔ ہم انٹرویو applicant سے لے رہے ہیں آپ کو اسے ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔'' فائل میں سے آخری نمبر پر درج نام پڑھ کر مس شمائلہ نے بڑے روڈ انداز میں کہا تھا مگر اس عورت کے جواب نے ان دونوں کو ہی پریشان کر دیا۔

''جی نہیں' فاخرہ حسین میں ہی ہوں۔'' وہ عورت جو پچھلے پانچ منٹ سے لب پر لب جمائے بیٹھی تھی لب وا ہوتے ہی اس نے دونوں کو پل بھر کے لیے ساکن کر دیا تھا۔

''آپ..... سوری ٹو سے آپ اسٹوڈنٹ تو نہیں لگتیں۔'' مس شمائلہ نے بڑی گہری نظر اس بے ڈول جسم پر ڈالی تھی جس کے چہرے پر پختہ عمر کے نشان اور ہاتھوں میں کام کرنے کی وجہ سے سختی اور کھردری جلد نمایاں تھی۔

''میں اسٹوڈنٹ تھی آج سے چار سال پہلے مگر اب ایک بار پھر سے میں اسٹوڈنٹ بننا چاہتی ہوں۔'' اس کے منہ میں زبان آ گئی تھی اور ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ وہ ہنوز خاموش بیٹھی بڑی دلچسپی اور حیرانی سے اس وجود کو تک رہی تھی جو اپنی خواہش کا اظہار کتنی دیدہ دلیری سے کر رہی تھی۔

''مگر سوری مس فاخرہ ہم آپ کا انٹرویو نہیں لے سکتے۔ آپ کو پڑھائی چھوڑے ہوئے چار سال ہو گئے ہیں۔ یہ گیپ بہت زیادہ ہے۔'' مس شمائلہ نے فائل سے تفصیل دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے نفی میں سر ہلایا تھا اور رولنگ چیئر پر جھولتا وہ وجود جیسے منظر سے غائب ہی ہو گیا تھا۔ جانے اس عورت کی شکل پر ایسا کیا تھا جسے وہ پڑھنا چاہ رہی تھی۔ وہ کیا کھوج رہی تھی اس عام اور معمولی سی شکل وصورت میں؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''میں اس گیپ کو کور کر لوں گی آئی پرامس، یہ گیپ آپ کی کالج کی ریپوٹیشن خراب نہیں کرے گا۔ آپ چاہیں تو میرا میٹرک کا رزلٹ کارڈ دیکھ لیں۔ میرے نمبر پورے اسی فیصد ہیں۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی اور یہ اسی فیصد نمبر ان کے ذہن میں اٹک کر رہ گئے تھے۔

''اب تو آپ کو سب کچھ بھول چکا ہو گا، بہت مشکل ہوتا ہے اتنے لمبے گیپ کے بعد پڑھائی دوبارہ شروع کرنا۔''

''مگر میں یہ مشکل اٹھانے کے لیے سو فیصد تیار ہوں۔'' وہ کسی طور پر بھی ہار ماننے والوں میں سی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نہ جانے اتنی خود اعتمادی کہاں سے امڈ آئی تھی جس نے اسے مزید جکڑ لیا تھا۔ وہ سانس روکے ابھی بھی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''اگر آپ کو پڑھائی کا اتنا ہی شوق تھا تو آپ نے پڑھائی چھوڑی کیوں؟''

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''شادی ہوگئی تھی۔''

''واٹ! اگر پڑھائی کرنی تھی تو پھر شادی کیوں کی، اپنے والدین کو منع کر دیتیں۔'' اب انہیں اچھا خاصا غصہ آنے لگا تھا اور اس کے پاؤں سے تختہ کسی نے واقعی کھینچ لیا تھا۔

''مجبوری تھی۔ سسرال والوں کو شادی کی جلدی تھی۔ میرے سسر کو تھروٹ کینسر تھا۔ وہ مرنے سے پہلے اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی دیکھنا چاہتے تھے اس لیے شادی فوراً کرنا پڑی۔''

''شادی کو چار سال ہوگئے ہیں تو پھر بچے بھی ہوں گے۔'' ان کا لہجہ ابھی بھی اتنا ہی سرد تھا۔ وہ کسی پولیس آفیسر کی طرح تمام تفصیلات پوچھ رہی تھیں جہاں شادی ان کے نزدیک سب سے برا کام تھا اور بچے تو شاید اس سے بھی زیادہ جسے سن کر لمحہ بھر کو وہ اسے برداشت نہیں کر سکیں۔

''کیا؟ دو بچے پھر تو بی بی آپ گھر ہی بیٹھیں۔ اب پڑھائی آپ کے بس کا کام نہیں ہے۔ کسی طرح بھی اس سیٹ کے لیے آپ موزوں نہیں ہیں۔ پلیز اپنا اور ہمارا وقت ضائع نہ کریں ریگولر اسٹوڈنٹ کا حق ویسے بھی پہلے ہوتا ہے اور ہمارے پاس سیٹس بہت limited ہیں۔'' خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے اسی سخت لہجے میں مس شمائلہ نے فاخرہ کو فارغ کرنا چاہا جب اس نے اپنی چپ توڑ دی تھی۔

وہ اس کے چہرے پر اتنی دیر سے کیا ڈھونڈ رہی تھی اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ ''عکس'' جی ہاں اس عورت کے سادہ سے چہرے پر انہیں اپنا عکس دکھائی دیا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چائنیز نما آنکھوں میں اسے پیاس نظر آئی تھی علم کی پیاس..... اس کے بنا لپ سٹک کے تشنہ ہونٹوں پر پر امید لفظ تھے جو پھولوں کی طرح علم کی خوشبو حاصل کرنے کے لیے پیاسے تھے..... اس کے ہاتھ میں کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کرنے والا دس سالہ شاندار تعلیمی ریکارڈ تھا مگر اس کے ماتھے پر لگے شادی اور ماں کے لیبل نے سب پر پانی پھیر دیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ پرنسپل کی کرسی پر براجمان ہوتے ہی اس کی زندگی کے پہلے انٹرویو میں ہی ایک ایسا کیس سامنے آ جائے گا جو ہو بہو اس کا عکس ہو۔ جس کے چہرے پر بھی بہت سے لیبل ہوں، دل میں حصول علم کی تمنا ٹھیں مار رہی ہو مگر تنگ سوچ اور نظریے خوابوں کو بڑی بے رحمی سے کچل ڈالیں اور پھر خواب بھی وہ جس کی تکمیل کا حق اللہ کے نبی نے خود انسان کو سونپا ہے کہ ''علم حاصل کرو مہد سے لحد تک۔'' نیز یہ کہ ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

اب کوئی بتائے یہاں عمر کی کیا کوئی قید بتائی گئی ہے؟ نہیں ناں تو پھر سماج کی دیواریں علم حاصل کرنے والوں کے لیے اتنی کیوں بڑھا دی گئی ہیں؟ اسے رامین کے کہے یہ الفاظ نہ جانے کہاں سے یاد آ گئے تھے۔ جب وہ امی اور سہیل کو یونیورسٹی کے ایگزامز دینے کے لیے قائل کر رہی تھی تب اس کے پر اثر انداز نے اس کی قسمت کھول دی تھی پھر فارس کو اسی نے سنبھالا تھا۔ سالار اور رامین دونوں نے کیسے قربانی دے کر اسے پڑھایا تھا۔ اگر آج وہ یہاں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہے تو یہ بھی ان دونوں کی ہی بدولت ہے۔ اپنی تعلیم مکمل کرتے ہوئے اس نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ کوئی اور اجالا پیدا ہونے نہیں دے گی۔ وہ مس امین جیسے لوگوں کو ایسی سیٹوں پر ٹکنے ہی نہیں دے گی جو علم کے پیاسوں کی پیاس بجھانے کی بجائے انہیں بڑی بے رحمی سے دھتکار دیں۔ یہ وہی آفس تھا جہاں سے وہ کئی سال پہلے دھتکار دی گئی تھی۔ اس کی اعلیٰ کارکردگی چٹاخ سے کسی تھپڑ کی طرح اس کے منہ پر ماری گئی تھی اور تب جاتے جاتے اس آفس کے دروازے سے باہر نکل کر اس نے اپنے اذیت بھرے آنسو اس عزم کے ساتھ دوپٹے کے پلو میں جذب کیے تھے۔

''ایک دن آئے گا مس امین جب اس سیٹ پر میری حکومت ہوگی اور پھر اس آفس سے کوئی اجالا نہیں نکالی

جائے گی بلکہ اس کالج میں کئی اجالا آئیں گی جو اعلیٰ تعلیم لے کر ملک بھر میں اجالا کر دیں گی یہ میرا چیلنج ہے آپ کو مس امین! قبول کیجیے کیونکہ بالآخر ہار آپ کی ہے کیونکہ علم کے حصول میں شکست ہمیشہ باطل کی ہوتی ہے۔'' اس کے اندر الاؤ دہک رہا تھا مگر اس الاؤ نے کچھ جلایا نہیں تھا بلکہ بہت کچھ روشن کر دیا تھا۔

''آپ کا ایڈمیشن پکا ہے فاخرہ حسین اور مجھے پوری امید ہے کہ آپ ہمارے کالج کے لیے ایک بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔'' گہری سانس لے کر ادا کیے گئے ان غیر متوقع الفاظ نے مس شمائلہ کو جہاں مبہوت کیا وہیں اس عورت کا چہرہ فوراً ہی کھل اٹھا تھا۔

''کیا واقعی آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں میرے شادی شدہ ہونے پر۔ میرے بچوں پر۔'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا شکریہ کیسے ادا کرے، یہاں آنے سے قبل اس پر اپنے رد ہونے کے خیال سے جو خوف طاری تھا وہ اب اطمینان میں بدل گیا تھا لہٰذا بے ربط سا جملہ مکمل کر کے وہ بڑی خوشی سے باہر نکلی تھی۔ مس شمائلہ نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ اس نے بڑے گہرے لہجے میں انہیں خاموش کروا دیا۔

''انٹرویوز ختم ہو گئے ہیں، آپ جا سکتی ہیں۔'' وہ بڑی حیرت سے اسے گھورتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

اجالا نے رولنگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہی آنکھیں موند لیں۔

اجالا سنگ آہن رہا سے مشابہت رکھتا ہے اس کے حصول کی تڑپ، لگن اور چاہ زندگی کے کسی حصے میں بھی جا کر ماند نہیں پڑتی۔ انسان جو ایک بار سچی لگن کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے تو بس اس کی طرف کھنچتا ہی چلا جاتا ہے اور یہ لذت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ علم حاصل تو بہت کرتے ہیں مگر اس سے لطف اور حقیقی شعور بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو سنگ آہن رہا جیسی خصوصیت رکھتے ہیں جیسے تم..... تم، اجالا توصیف۔ وہ گھوم گئی تھی لفظوں میں..... معنی میں..... اپنے عکس میں..... ماضی میں جہاں سب گھوم گیا تھا وہیں گھوم گھوم کر ہی تو زندگی کے اس حصے میں آ کر اسے سب سمجھ میں آیا تھا۔ کسی نے سالوں پہلے اسے اس عظیم خصوصیت کے بارے بتایا تھا جس کا مفہوم اس پر آج پوری طرح کھلا تھا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود ان حالات سے گزرنے کے باوجود بھی مفہوم ہم پر واضح نہیں ہوتا پھر جب اپنی ہی زندگی کی کہانی ہم اسکرین پر چلتے دیکھتے ہیں کسی اور اداکار کے وجود میں تب ذہن کے دروازے وا ہوتے ہیں پھر سب معنی و مفہوم اور تشریح سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

☆.....☆

''سوری مس اجالا! ہم آپ کو اپنے کالج میں ایڈمشن نہیں دے سکتے۔'' اس کے لرزتے ہاتھ سے وہ کاغذ بس چھوٹنے کو تھا جو اس کی کل کمائی اور مقصد حیات تھا۔ جو اس کی ذہانت، عقل اور جوش و جذبے کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔

''آہ..... مگر یہ پرنسپل مس امین کو نظر کیوں نہیں آیا۔'' تاسف سے اس نے گہرا سانس لیا اور پھر وہ اپنی اعلیٰ کارکردگی کا بغور جائزہ لینے لگی۔ 82% مارکس کیا ایڈمیشن کے لیے کافی نہیں ہوتے؟ پل بھر کو اسے اپنی قابلیت پر شبہ ہوا، اتنے زبردست مارکس اسے صفر کے برابر لگنے لگے تھے عجیب سی مایوسی نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

''مگر نہیں..... انہیں جو چاہیے وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' بچپن سے سن رکھا تھا۔ ''دل لگا کر پڑھائی کرو اچھے نمبر لو تب ہی کسی اچھی یونیورسٹی میں داخلہ ملے گا۔'' مگر یہاں تو ہو کچھ اور۔ کتنا فرق ہوتا ہے باتوں اور پریکٹیکل لائف میں۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے تمام اے اور اے پلس گریڈز دھندلا گئے تھے جیسے اس کی زندگی دھندلائی ہوئی تھی۔ کوئی منزل، کوئی راستہ، کوئی خواب، کوئی خواہش بھی تو کلیئر نہیں ہے۔ اگر ذہن آزاد اور کلیئر ہے تو معاشرے کی بہت سی زنجیریں درمیان میں حائل ہیں۔ رسم و رواج کی زنجیریں، اصول و

ضوابط کی زنجیریں، دقیانوسی خیالات کی زنجیریں اور لوگوں کی باتوں کی پرواہ کی زنجیریں۔ اتنی زنجیریں بہت ہوتی ہیں کسی کی بھی زندگی سے رنگ چھیننے کے لیے۔ وہ بھی بے رنگ ہوگئی تھی، بے معنی، بدصورت، غیر دلچسپ اور بہت کچھ جو وہ محسوس کرتی تھی مگر بتا نہیں سکتی تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ وہ کمزور تھی، دبی، ڈری سہمی روایتی مشرقی لڑکی تھی، ایسا بالکل نہیں تھا۔ بلکہ وہ ایک مضبوط، باہمت، عقلمند، پرجوش، قابل اور نڈر تھی۔ یہ ہی تمام جزو اس کی ذات کا حصہ رہے تھے۔

مگر اپنے رزلٹ کارڈ پر اعلیٰ کارکردگی اب اسے زہر لگنے لگی تھی۔ ایسی ڈگری کا کیا فائدہ جو آپ کے ہاتھ میں تو ہو مگر بے فائدہ۔ جس میں اے اور اے پلس گریڈز کی لمبی لائن ہو مگر وہ بھی آپ کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ اسے اپنی پانچ سال پہلے کی محنت رائیگاں جاتی معلوم ہو رہی تھی۔ کیمسٹری کا اے پلس گریڈ اس کا بلڈ پریشر بڑھا رہا تھا۔ کتنی محنت کی تھی اس نے سیکنڈ ایئر کی کیمسٹری پر جس کا ایک ٹاپک سمجھنے کے لیے وہ دس ویڈیوز یوٹیوب پر دیکھتی تھی۔ میتھس کے ڈھیروں فارمولا زکو رٹا لگانے کے لیے کتنے چکر اس نے اپنے صحن کے لگائے تھے۔ اتنے قدم تو شاید اس کے گھر میں مقیم اور کسی فرد کے بھی نہیں بنے ہوں گے اس صحن میں جتنے اس کے بن گئے تھے اور فزکس کے ایکسپریمنٹس کو سمجھنے کے لیے اس نے کتنی بریکس اپنی آف کی تھیں پھر جا کر کہیں ان کے درست جواب آئے تھے ورنہ کیلکولیشن میں ہر دفعہ ہی کوئی نہ کوئی غلطی نکل آتی اور ماما نے بھی تو اس کی کتنی خدمت کی تھی جب اس کے بورڈ کے ایگزامز ہو رہے تھے تب سارا گھر ہی اس سے تنگ آ گیا تھا خاص کر ذیشان.....

''شش..... آہستہ بولو، پتا نہیں ہے اجالا کے امتحان ہو رہے ہیں۔''

''چلو باہر صحن میں جا کر کھیلو جب دیکھو سارا گھر ہی کرکٹ میدان بنایا ہوتا ہے۔''

''ٹی وی کی آواز آہستہ رکھو، اجالا ڈسٹرب ہو رہی ہوگی۔''

''فی الحال ہم کہیں گھومنے پھرنے نہیں جا سکتے اب اجالا کے امتحان ختم ہونے کے بعد ہی جائیں گے۔''

ماما ذرا سے شور اور آہٹ پر ذیشان کو ڈپٹ دیتیں۔

آخر کو وہ بے چارہ بھی زچ ہو کر بول ہی پڑا۔ ''وہ بڑا کوئی سی ایس ایس کا امتحان دے رہی ہے صرف انٹر کے بورڈ اگزامز ہی تو ہیں جو سارے گھر پر پابندی عائد کر دی یہ نہ کرو..... وہ نہ کرو۔'' اجالا سے چار سال چھوٹا ذیشان بھی کم نہیں تھا لاکھ منع کر لو کرنی پھر بھی اپنی ہی من کی تھی۔

ان دنوں نہ ہی ماما نے کسی مہمان کو گھر مدعو کیا اور نہ ہی خود کہیں باہر قدم رکھا بلکہ اس کی خدمت میں دن رات ایک کر دیے۔ پتا نہیں کیا کیا ان دنوں اسے ذہن تیز کرنے کے لیے کھلاتی رہیں۔ سونف، دودھ اور بادام سے لے کر تمام حکیمی ٹوٹکے ذہن تیز اور سبق جلد یاد کرنے کے انہوں نے اجالا پر اپلائے کیے تھے شاید ہی کوئی گھریلو نسخہ ان سے بچ گیا ہو مگر اجالا کا تو برا حال تھا وہ ایگزامز کے دن نہیں اسے تو اپنی آدھی موت لگ رہے تھے مگر ان دنوں کا مزہ بھی اپنا تھا، وہ ماما کی خدمات، وہ ذیشان کا ماما کے منع کرنے پر ڈبل شور مچانا، ان دنوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں جو ماما خیال کر کے پوری کر دیتی ''کہ چلو بے چاری بچی پڑھ رہی ہے تو اتنی سی خواہش پوری کرنے میں کیا حرج'' اس کا بھی اپنا ہی لطف تھا۔

ہاتھ میں تھامی اپنی انٹر کی ڈگری کو اس نے بڑے کرب سے واپس فائل میں رکھ دیا۔ اب شاید اس کی جگہ صرف یہ ہی تھی۔ نرم گالوں پر ٹپکے گرم پانی کو دوپٹے میں جذب کرتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، فائل واپس الماری میں رکھنے کے بعد وہ کچن میں چلی آئی گزرتے ہوئے اس نے لاؤنج میں لگے وال کلاک پر وقت دیکھا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تھا۔ گیارہ بجنے کو تھے اور اب اسے سہیل کے آنے سے پہلے پہلے کھانا بھی تیار کرنا تھا۔ دال کو تڑکا لگا کر وہ پلیٹ میں سیب ڈالے لاؤنج میں آ بیٹھی۔ چار سالا فائزہ وہیں کھلونوں میں مست تھا۔ وہ قاشیں کاٹ کر اسے کھلانے لگی مگر ذہن ہنوز گزشتہ سوچوں میں جکڑا ہوا تھا۔

''دیکھیں میں اپنے بچے اور گھر کے ساتھ بھی اپنی پڑھائی مینج کر سکتی ہوں، جب نہیں کر سکتی تھی تب کہیں ایڈمیشن نہیں لیا اب کر سکتی ہوں تو ہی اپلائے کیا ہے۔'' اس کا انداز کتنی منت سماجت کرنے والا تھا مگر مس امین کے تیکھے نقش اور اوپر سے طنزیہ مسکراہٹ اسے بے چین کر رہی تھی مگر پھر بھی وہ جو کر سکتی تھی، جو دلائل دے سکتی تھی وہ اس نے دیے تھے۔

''آپ یقین کریں آپ کو میری طرف سے کوئی شکایت نہیں ہوگی میں ریگولر آؤں گی۔ میری میرج لائف سے آپ کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ میری ساس وہ سب سنبھال لیں گی لیکن پلیز آپ مجھے اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرنے کا یہ چانس مجھ سے نہ چھینیں۔''

''ہمیں پتا ہے میرج لائف کے کتنے مسائل ہوتے ہیں۔ شادی کے بعد بھلا لڑکی کہاں پڑھ سکتی ہے۔ گھر بار، سسرال اور بچوں کے مسائل ہوتے ہیں گو کہ آپ کے گریڈز بہت اچھے ہیں لیکن اب آپ اتنی محنت نہیں کر پائیں گی وہ بھی اتنے گیپ کے بعد..... ویسے بھی شادی شدہ لڑکی جب غیر شادی شدہ لڑکیوں میں اٹھے بیٹھے گی تو خواہ مخواہ میں یونیورسٹی کا ماحول خراب ہوگا اور مجھے اپنی یونیورسٹی کی ریپوٹیشن بہت عزیز ہے۔'' کتنے سخت الفاظ میں انہوں نے وہ ڈگری اسے تھما کر جیسے خاموش طمانچہ مارا تھا۔ اس کا دل کیا تھا کہ وہ اپنی ان تمام اساتذہ سے ملے اور پوچھے جنہوں نے اسے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''اچھے گریڈز زندگی میں بہت کام آتے ہیں نمبر اچھے ہوں تو یونیورسٹی میں داخلہ بھی آرام سے مل جاتا ہے۔'' کہاں آرام سے داخلہ ملتا ہے؟ ان ہی اعلیٰ نمبروں نے بھی آج میرا ساتھ نہیں دیا فضول سی رائے دے کر مجھے انٹرویو میں فیل کر دیا۔ کتنی ہی لڑکیاں انٹرویو پاس کرنے والوں میں وہ تھیں جن کے نمبر اس سے بہت کم تھے مگر شاید ان کے اوپر میرج کا لیبل نہیں تھا اور اس کے پاس میرج کے ساتھ ساتھ ایک ماں ہونے کا لیبل بھی تو تھا۔

مس امین کی باتوں پر ضبط کرنا اب اس کے لیے دشوار ہو گیا تھا۔ تبھی وہ اٹھتے ہوئے بے دھڑک بول پڑی مودب انداز میں بھی اس کا لہجہ ترش ہو گیا تھا۔

''ایجوکیشن حاصل کرنا ہر انسان کا رائٹ ہے جو خدا نے انسان کو دیا ہے اسے نہ آپ اور نہ ہی آپ جیسے بیٹھے ہوئے جاہل لوگ ہم سے چھین سکتے ہیں جن کے لیے تعلیم کا تعلق صرف ایک خاص عمر سے ہے جب کہ تعلیم وہ زیور ہے جس سے کبھی بھی اور کسی بھی وقت اپنے آپ کو آراستہ کیا جا سکتا ہے اس میں عمر کی کوئی قید نہیں بس حصول تعلیم کی تڑپ سچی ہونی چاہیے اور جہاں تک رہی بات ماحول کی تو ماحول اور یونیورسٹی کی ریپوٹیشن صرف وہی لڑکیاں خراب کرتی ہیں جن کی تربیت خراب ہو اور میری تربیت میں الحمدللہ ایسی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں بھی ایک ماں ہوں اور اچھے سے جانتی ہوں تربیت کیسے کی جاتی ہے۔''

''اور ہاں آخری بات مس امین..... آپ یا پھر تعلیمی ادارے میں بیٹھا آپ جیسا کوئی بھی شخص کسی قسم کے اندازے نہیں لگا سکتا نہ ہی رائے قائم کر سکتا ہے کیونکہ دلوں کی کیفیت صرف خدا جانتا ہے انسان نہیں، کسی کو جج کرنا انسانوں کا کام نہیں ہے۔'' وہ مڑتے ایک بار پھر رک کر مڑی اور اندر کی تپش زبان پر لانے میں اسے محض چند سیکنڈ لگے تھے اور مس امین اسے گھور کر رہ گئیں۔ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ پیر پٹختی باہر نکل آئی۔ کوریڈور اور گراؤنڈ سے گزرتے ہوئے لڑکیوں کو دیکھ کر ایک کسک سی اس کے اندر اٹھی تھی اس کا دل ایک بار پھر شدت

جذبات سے بھر آیا۔

☆.....☆

اس نے دور سے پہچاننے کی کوشش کی تھی مگر یا تو وہ واقعی پہچان نہیں پا رہی تھی یا پھر وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔

''یہ دلہن کے ساتھ اسٹیج پر کون بیٹھا ہے؟'' اس نے ساتھ کھڑی ارم کے کان میں سرگوشی کی جو مہندی کا تھال سیٹ کر رہی تھی۔

''اوہ.....وہ.....وہ تو رامین ہے۔ بڑی پیاری اور لائق بچی ہے۔''

''ر.....را.....رامین فاطمہ؟'' اسے جھٹکا لگا ذہن کہیں ماضی میں کچھ ٹٹولنے لگا تو وہ جھنجھلا کر بولی۔

''یہ آپ کی کیا لگتی ہے؟'' متحیر انداز، نظریں ہنوز اسٹیج پر تھیں۔

''یہ مہوش کی بہت اچھی دوست ہے۔ بہت لائق ہے ماشاءاللہ ابھی پچھلے ماہ ہی چائنا سے بزنس کی ڈگری لے کر آئی ہے۔'' وہ گلاب کی پتیاں سیٹ کرتے ہوئے خوشگواری سے گویا ہوئیں اور اجالا کے اندر ایک محرومی کی زبردست لہر دوڑی۔ وہ کتنی پیچھے رہ گئی ہے زندگی کی اس دوڑ میں۔ وہ کبھی پیچھے نہ رہتی اگر وہ رک نہ گئی ہوتی۔ جب ہم زندگی میں فل اسٹاپ لگا دیتے ہیں کسی بھی معاملے میں تو ہم کچھ نیا سیکھ ہی نہیں سکتے اور اس نے بھی تو ایسا ہی کیا تھا انجانے میں.....لاعلمی میں.....یا پھر مجبوری میں اس سے آگے وہ سوچ نہیں پائی تھی۔

''اچھا چلو اب میری مدد کروا دو۔ موم بتیاں جلانی ہیں ٹیبل سے ماچس پکڑاؤ۔'' ارم نے اسے گم صم دیکھ کر عجلت سے کہا تو وہ سر جھٹک کر ماچس سے موم بتیاں جلانے لگی۔ تھال روشن ہو گیا تھا لیکن اس کے اندر جو خواہش کا جلتا دیا تھا اسے کون روشن کرے گا، آہ.....شاید کوئی نہیں.....اس نے بڑے افسوس سے ٹھنڈی آہ بھری اور پھر کچھ عورتیں اسے کھینچ کر اپنی طرف لے گئیں جہاں بچوں کے موضوع سے لے کر دلہن پر تبصرے تک ہر موضوع زیر گفتگو رہا لیکن وہ عدم دلچسپی کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی اسی لڑکی کو دیکھتی رہی جسے وہ کبھی خوابوں میں سوچا کرتی تھی۔ ہو بہو وہی پرسنالٹی، رعب دبدبہ، رکھ رکھاؤ، ڈریسنگ، بناؤ سنگھار اور تعلیم کے زیور سے مکمل طور پر آراستہ وہ بولڈ میز ڈوجود۔ جسے صرف اس کی آنکھ پہچان سکتی تھی، وہ سب جو اسے دکھائی دے رہا تھا وہ صرف اس جیسے ہی کسی محروم شخص کو دکھائی دے سکتا تھا اور وہ تھی اجالا توصیف جسے اپنی قابلیت صرف کچن میں دکھانے کا حق ہے، جس کی ڈگری کی واحد جگہ اس کے گھر کی بند پڑی الماری ہے، جس کی ڈیوٹی اور زندگی کا محور سہیل اور فائز کے گرد ہی گھومتا ہے۔ ان کا خیال رکھنا، ان کی ذمہ داریاں پوری کرنا، ان کی خواہشات کی تکمیل، ان کا سکون.....اس نے خود کو کہیں دبا لیا ہے۔ آج یہ سب کے سامنے دکھائی دیتا وجود وہ پانچ سال پہلے والی اجالا توصیف تو نہیں ہے.....کبھی کبھی تو اسے آئینے میں دیکھ کر خود یقین نہیں آتا پانچ سال پہلے والی اجالا بہت سیدھی، معصوم، صاف اور کھری تھی بالکل کسی شفاف آئینے کی طرح۔ جس کا عکس اندر، باہر سے ایک تھا۔ اب اس کی اپنی ذات کہیں کھو گئی تھی، یا بہت سے چہروں کے نیچے وہ کہیں دب گئی تھی۔ وہ روز کتنے کردار ادا کرتی ہے کبھی ماں کا، کبھی بیٹی کا، کبھی بہو کا تو کبھی بیوی کا۔ اس سب سے ہٹ کر وہ کیا ہے؟ اس کا وجود بھی کوئی معنی رکھتا ہے کہ نہیں۔ اس کا جواب اسے سناٹوں کی صورت سنائی دیتا تھا۔

انسان کی شناخت رشتوں سے نہیں ہوتی کہ باپ کیا ہے؟ بہن کیا ہے؟ بھائی کیا کرتا ہے؟ شوہر کامیاب بزنس مین ہے، تایا فرم میں مینجر ہیں، پھوپھو کی بیٹی ڈاکٹر.....یہ سب تو وہ ہیں تم بتاؤ تم کیا ہو؟

اجالا توصیف کون ہے؟ لوگ تمہیں کس طرح سے جانتے ہیں۔ تمہارا ایک الگ وجود ہے، تم الگ جسم، ایک

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

الگ ذہن، ایک الگ سوچ رکھتی ہو پھر بھلا تم اپنے آپ کو لوگوں سے کیوں جوڑتی ہو۔ اس کا مطلب ہے تمہاری ذات کی کوئی تعریف ہی نہیں ہے تو پھر اپنی تعریف، اپنی الگ identity بناؤ۔ لوگ تمہیں تمہارے نام سے جانیں، لوگ تمہارے ساتھ اپنا نام، اپنی شناخت جوڑتے ہوئے فخر محسوس کریں نہ کہ تم اپنی شناخت بنانے کے لیے دوسروں کا سہارا لیتی پھرو۔'' اس کے اندر کا انسان بھی اسے کبھی خوش اور مطمئن نہیں رہنے دیتا تھا۔ ہمیشہ اسے ابھارتا رہتا تھا۔ طیش دلاتا رہا تھا۔ وہ یہ کیوں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ایک مجبور اور بے بس لڑکی ہے۔ اچھے گریڈ لینے والی لڑکیوں پر بھی مصلحت اور معاشرے کے رسم و رواج کی تلوار چل سکتی ہے جیسے اس پر چلی تھی۔

''اوہ! اجالا یہ تم ہی ہو نا؟ واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔'' رامین کے مسرت و حیرت زدہ قدم اس کی جانب بڑھ رہے تھے۔ وہ فائزہ کو کندھے سے لگائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں تو اس کو صرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے کب یہ خواہش کی تھی کہ یہ اٹھ کر مجھ سے ملنے چلی آئی۔ پتا نہیں کیوں اس سے نظریں ملانا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ کس بات پر ندامت محسوس کر رہی تھی وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

''ہاں بالکل میں ہی ہوں..... تم سناؤ کیسی ہو؟'' وہ رسماً پوچھ بیٹھی۔

''آئی ایم فائن۔ یہ تمہارا بے بی ہے، اوہ سو کیوٹ ماشاء اللہ۔'' فائز پر نظر پڑتے ہی اس نے اسے اجالا کی گود سے لے لیا۔ وہ گول مٹول سا بچہ کافی ملنسار قسم کا تھا۔ مسکراتا ہوا ماں کی گود سے اتر آیا۔ کافی دیر ان کے درمیان رسماً گفتگو ہوتی رہی۔ فائز کو گود میں اٹھائے وہ بڑی اپنائیت سے کھڑی گزشتہ زندگی اور دیگر کلاس فیلوز کا ذکر کرتی رہی پھر دفعتاً اس نے موضوع بدلا تو اجالا کا تو جیسے دم ہی گھٹنے لگا۔ اس سوال سے وہ ہمیشہ ہی بھاگا کرتی تھی کیونکہ یہ سوال اس کے لیے صرف ایک سوال نہیں تھا بلکہ اس کی خواہشات اور قابلیت پر چوٹ کرنے والا کوئی بھاری سا بم تھا جو وقت سے پہلے اس پر گرا دیا گیا تھا اور جواب.....!

اس سوال کا جواب دینا اسے دنیا کا مشکل ترین مرحلہ لگا کرتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو اپنی زندگی کی جنگ، دکھ، تکالیف اور مجبوریاں لوگوں کے سامنے رکھ دے اپنا تمسخر اڑوانے کے لیے مگر اس وقت جو اس کی حالت ہو رہی تھی وہ لمحہ اذیت تھا۔ رامین جواب کی منتظر تھی۔

''ایکسکیوز می!'' وہ راہ فرار ڈھونڈتی جھٹ وہاں سے بیک سائیڈ پر آ گئی تھی۔ جہاں باربی کیو کی خوشبو کچھ فاصلے پر اٹھتے دھوئیں سمیت فضا میں رقص کر رہی تھی۔

''میں تمہیں کیا سناؤں اپنا حال رامین۔ میں کتنا چھوٹا محسوس کر رہی ہوں آج خود کو۔ ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح تم نے کتنے کلاس فیلوز کا ذکر میرے سامنے کیا، جانتی ہو کتنی تکلیف ہوئی مجھے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کی خوشی میں خوش نہیں ہوں میں یا مجھے ان سے کسی قسم کا حسد ہے۔ بس میرے درمیان اور ان کے درمیان اب فاصلہ بہت ہے۔ وہ سب علم کی جستجو میں نکلے اور میں..... خود کو سمجھانا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ کسی کو جواب نہیں دے سکتی تھی، کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی مگر خود سے تو کہہ سکتی تھی۔ وہ ہمیشہ یہی تو کرتی آئی تھی جسے لوگ نہ سنیں پھر وہ خود کو سننے لگتا ہے۔ درخت پہ چمکتی بتیوں پر نظریں جمائے وہ اپنی دنیا میں جا پہنچی تھی۔ سر جھٹکتے ہوئے نہ جانے کس شاعر کے دل کی آواز نے اسے ایک بار پھر چوٹ پہنچائی۔

میری یہ عادت نہیں کسی کو حال دل سناؤں
پر تکلیف بہت ہوتی ہے حال دل چھپانے میں

اس کا ابھی اور خود سے الجھنے کا ارادہ تھا مگر ارم کی آواز پر وہ حال میں لوٹ آئی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اجالا! تم یہاں کھڑی ہو۔ باربی کیوٹرائی کیا تم نے، بہت اچھا بنا ہے اسپائسی۔'' وہ ایک سیخ اور پلیٹ میں ڈلواتے ہوئے گویا ہوئی اور پھر اسے بھی تاکیدی انداز میں کہتی واپس پلٹ گئی۔

''یو شوڈ ٹرائے۔''

اجالا دو پلیٹس تیار کروا کر واپس مڑ گئی۔ کولڈ ڈرنک بھی اس نے ساتھ میں لے لی تھی۔ وہ جب واپس لوٹی تب بھی رامین فائز کو گود میں کھلا رہی تھی۔ واقعی بہت اچھی ہے کتنی پیار کرنے والی، سچی محبتیں بانٹنے والی۔ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی مگر اب اعلیٰ تعلیم نے اس کی شخصیت کو اور بھی نکھار دیا ہے۔ اس میں ایک رعب اور دبدبہ شامل ہو گیا ہے۔ اس نے بڑے نارمل سے انداز میں پلیٹس ٹیبل پر رکھ دیں اور اسے آفر کرنے لگی۔

''لاؤ فائز کو مجھے پکڑا دو، تم آرام سے کھاؤ۔''

''کیوں اس میں بھلا کون سا مشکل ہے۔ آئی ایم ایزی، ڈونٹ وری، تم آرام سے کھاؤ۔'' وہ مسکرا کر بولتی کرسی پر براجمان ہوئی۔ اجالا کتنی دیر اسے گھورتی رہی تھی وہ فائز کو گود میں بٹھا کر کتنے آرام سے کھانا کھا رہی تھی۔ بنا کسی اکتاہٹ اور بے زاری کے۔ تعلیم اخلاق سنوارتی ہے یہ اسے رامین کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔ سوچتے ہوئے اس نے بھی کھانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ کھانے کے بعد وہ آدھا گھنٹا ہی اور وہاں رکی تھی پھر سہیل کی طرف سے جانے کا آرڈر آیا تو وہ خدا حافظ کہتی وہاں سے نکل آئی مگر جاتے جاتے اس نے رامین کو اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔

☆.....☆

چھ سال بعد سالار واپس لوٹ رہا تھا۔ سہیل اور امی دونوں کی خوشی قابل دید تھی۔ انجینئر سالار حسن نے کامیابی کے جو ہر دکھا کر ماں اور بھائی کا سر جو فخر سے اونچا کر دیا تھا۔ وہ بھی آکسفورڈ کی ڈگری کوئی چھوٹی بات تو نہیں تھی۔ وہ کسی لاڈلے بچے کی طرح سامان میں گھر لاؤنج میں بیٹھا سہیل اور امی کو سفر کی داستان سنا رہا تھا۔

''سفر اچھا گزر گیا۔ میں تو اتنا تھکا ہوا تھا کہ آٹھ گھنٹے کی فلائٹ میں..... میں تو بس سوتا ہی آیا ہوں۔ دو راتوں سے نہیں سویا تھا۔ پیکنگ کرنی تھی پھر سب وائنڈ اپ کرنا آسان تھوڑی تھا۔ پھر دوستوں نے اتنے ڈنر رکھے ہوئے تھے کہ بس ٹائم ہی نہیں ملا آپ سب کو کال کرنے کا۔ میرے واپس آنے پر سب بہت اداس تھے اب پتا نہیں دوبارہ کب ملاقات ہو ان سے۔''

سلکی بالوں کو جوڑے میں قید کرتے لاؤنج تک آتے ہوئے وہ بس اتنا ہی سن پائی تھی۔ کسی نوجوان کی خوش کلامی افسردگی میں بدل رہی تھی جب اس نے قدم لاؤنج میں رکھا۔ وہ ٹراؤزر شرٹ میں سادہ ہی سوئی ہوئی اٹھ کر آ گئی تھی۔

''آہ۔'' سالار کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی۔ اسے یاد ہی نہیں رہا کہ آج تو سالار پہنچ رہا ہے۔ بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ کر اسے یاد آیا۔ اس کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

''ک..... کک..... کون؟ بھابی؟'' اس پر نظر پڑتے ہی وہ متحیر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جانے اسے یقین نہیں آیا تھا یا پھر پکچرز کی نسبت وہ حقیقت میں زیادہ بدلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً اس نے ندامت سے سر جھکا کر سلام کیا۔ اسے اپنی اس حالت پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ اسے یاد ہوتا تو وہ کم از کم کپڑے ہی بدل آتی۔

''ہاں یہ ہی تمہاری اجالا بھابی..... چلو اجالا جا کر سالار کے لیے چائے بناؤ، کتنا تھکا ہوا آیا ہے سفر سے۔'' امی نے کہا اور وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی زندگی میں بھی ایک روایتی ساس تھی جو باقی ساسوں کی طرح ہر وقت اسے کام میں جتا رکھنا اپنا فرض عین سمجھتی تھیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''آہ.....اب ذمہ داریوں کے بوجھ میں ایک اور اضافہ۔'' وہ بھاری دل کے ساتھ بس خود سے اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

☆.....☆

''بھابی آپ نے تو گھر کو آتے ہی بدل دیا ہے زبردست سیٹنگ اور اوپر سے میچنگ کرٹنز، قالین اور کشن.....ٹوبی اونسٹ یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ وہی گھر ہے جسے میں چھ سال پہلے چھوڑ کر گیا تھا۔'' سالار آرام کرنے کے بعد سیدھا لان میں ہی آ گیا تھا تب اجالا کچھ میگزینز پلاسٹک کی میز پر پھیلائے جانے کیا کر رہی تھی۔

''ہوں.....وقت گزاری کے لیے ڈیکوریشن اچھی ہابی ہے۔'' اس نے ہاتھ میں تھاما میگزین دھپ سے بند کر دیا اور پھر میز پر رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''کچھ شوق وقت کے تقاضے بھی ہوتے ہیں سالار۔'' اس کے گہرے لہجے پر وہ چونکا تھا۔

''کیا مطلب.....آپ بھیا کے ساتھ خوش تو ہیں؟'' اس کا سوال فطری تھا۔

''انسان کی خوشی بیک وقت بہت سی چیزوں سے جڑی ہوتی ہے اور جو چیز نہیں ملتی اسی کا غم ہوتا ہے۔ خیر چھوڑو تم سناؤ تھکن اتری تمہاری۔'' گہرا سانس لے کر وہ بڑے درد سے بولی تھی اور پھر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہی اس نے موضوع بدل دیا۔

''ہاں تھکن اتر گئی ہے آئی ایم فریش ناؤ۔''

''گڈ!''

''آپ کو میگزینز پڑھنے کا شوق ہے۔'' میز پر رنگ برنگا پھیلاؤ دیکھ کر وہ متجسس بولا تھا۔

''ہاں میں کالج لیول سے میگزینز پڑھتی آ رہی ہوں۔ اب تو خیر وقت ہی نہیں ملتا یہ تو بہت پرانے پچھلے سال کے پڑے ہوئے تھے بس آج دل چاہا پڑھنے کو تو نکال لیے۔'' وہ دھیرے سے بولتی میگزین سمیٹنے لگی کیونکہ مزید مطالعے کا ارادہ اب اس نے ترک کر دیا تھا۔

''اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ میری بھابی پڑھنے لکھنے کی شوقین ہیں۔ پہلے بتاتیں میں خوامخواہ ہی گفٹ میں آپ کے لیے پرفیوم اور بیگ لے آیا۔'' اس کا ذوق جاننے پر اسے افسوس ہو رہا تھا مگر اس سے قبل کہ وہ جواب میں کچھ بول پاتی ساس کی آواز پر وہ میگزین سمیٹ کر اندر چلتی بنی۔ فائز کو بھوک لگی تھی۔ وہ اسی لیے اسے بلا رہی تھیں۔

☆.....☆

سالار کے گھر آتے ہی اگلے دن ہی مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ خاندان بھر جیسے اس سے ملنے کو بے تاب کھڑا تھا مگر امی کی تجربہ کاری ان کا مدعا سمجھ گئی تھی۔ اب بھلا اتنے لائق فائز انجینئر وہ بھی بوکے سے تعلیم یافتہ قابل اور عمدہ اخلاق والے لڑکے پر خاندان والوں کا ہی تو پہلا حق ہوتا ہے۔ سب بمع فیملی تشریف لائے تھے اور گھر مہمانوں سے بھر گیا تھا۔ آصفہ پھوپھو تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے ہمراہ گوجرانوالہ سے آ دھمکی تھیں اور نبیلہ چچی بھی شام تک پہنچنے والی تھیں۔ وہ یہیں اسلام آباد میں مقیم تھیں اسی لیے انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔

''جیسے ہی مجھے پتا لگا کہ سالار بیٹا پاکستان آ رہا ہے میں نے تو ویسے ہی ٹکٹیں کروا لیں، آنکھیں ترس گئی تھیں تمہیں دیکھنے کے لیے۔'' آصفہ پھوپھو نے اس کا ماتھا چومنے کے بعد سوں سوں کرتے ہوئے اپنا خشک چہرہ چادر کے پلو میں چھپا لیا۔

''یہ میری بیٹی ہے اریبہ۔ ابھی بی اے کیا ہے۔ اب میں اسے کہہ رہی تھی کہ کچھ سلائی کڑھائی بھی سیکھ لے، سسرال میں خالی خولی ڈگریاں تھوڑی چلتی ہیں۔'' وہ اپنے ساتھ کھڑی نوجوان لڑکی کا بازو پکڑتے ہوئے ایسے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

گویا ہوئیں جیسے وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ آصفہ پھوپھو کی ایک بیٹی بھی ہے۔ بطور خاص انہوں نے سالار کو بتایا تھا۔ اس نے بھی ایک سرسری سی نگاہ ہی اس پر ڈالی تھی جس کے چمکتے دمکتے سوٹ اور میک اپ سے بھرے چہرے کو دیکھ کر ہی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کتنی ہی دیر وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر بیٹھی رہیں اور دنیا جہان کا پیار اس پر لٹاتی رہیں جیسے سب سے زیادہ خوشی تو صرف انہیں ہی ہوئی ہے۔

اجالا صبح سے کچن میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ بہت سے کاموں میں بٹ کر رہ گئی تھی۔ ساتھ فائز کو سنبھالتی اور ساتھ کچن۔ کسی نے بھی اس کا ہاتھ نہیں بٹایا تھا۔ پھوپھو نے ایک دو بار کچن میں آ کر چکر تو لگایا تھا مگر یہ بتانے کے لیے کہ ''وہ کھانے میں نمک کم لیتی ہیں ورنہ ان کا بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے'' اور وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

شام کو وہ ابھی کچن سمیٹ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ نبیلہ چچی کی آمد ہوئی، وہ بھی اپنی دونوں صاحبزادیوں کے ساتھ اسی مشن پر وارد ہوئی تھیں۔ ان کا ملنا بھی پھوپھو کی طرح ہی تھا۔

''بہت مشکل سے فرخ نے اجازت دی ہے۔ ان کو ویسے تو کوئی اعتراض نہیں بس میرا رہنے کا سن کر وہ کچھ پریشان ہو گئے تھے۔ پھر آپ تو جانتی ہی ہیں کہ وہ باسی کھانا نہیں کھاتے اب ایک ہفتے کا کھانا فریز کر کے آئی ہوں۔ اسی لیے کام ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا ابھی بھی فیاف نمٹا کر آئی ہوں۔'' جانے وہ کسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر ان کی دلیلوں پر اجالا شدید چڑی تھی۔ وہ سہیل کے خاندان سے بخوبی واقف تھی۔ اول تو وہ مطلب کے بنا ملتے ہی نہیں تھے اور اگر مطلب کے لیے آ بھی جائیں تو کام پورا ہونے سے قبل ہلنے کا نام بھی نہیں لیتے تھے۔ ان کے آنے پر اجالا کو ایک بار پھر چولہے کی گرم ہوا کھانے کے لیے کچن میں جانا پڑا۔ چائے بنا کر وہ سب کو پیش کرنے لگی جب امی نے بڑے نرم لہجے میں سب کے سامنے پوچھا تھا۔

''شام کے کھانے کے لیے کیا بنا رہی ہو اجالا بیٹا؟'' اور اس کا دل کیا تھا کہ کہہ دے مجھے ہی کھا لو شاید تم لوگوں کی بھوک ختم ہو جائے آگے میرے خواب، میری خواہشیں، میرے ارمان سب کھا ہی تو چکے ہو۔

''ایسا کرو پلاؤ بنا لو۔ سالار کو بھی پسند ہے۔'' اس کی خاموشی پر وہ خود ہی چند سیکنڈ بعد بول پڑیں تھیں اور وہ اپنا چائے کا کپ لے کر کچن کی طرف واپس پلٹ گئی۔ اب یہی اس کا مقدر ہے۔

سالار نے اسے روکا۔

''بھابی! آپ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ کر چائے پئیں۔'' سالار کے نرم لہجے پر سب نے نگاہیں اٹھا کر ایک دوسرے کو گھورا مگر وہ کام کا بہانہ بنا کر وہاں سے چلتی بنی۔

☆.....☆

تین دن ہو گئے تھے۔ وہ اکیلی جان تن تنہا کاموں میں جتی ہوئی تھی۔ کوئی اس کا ہاتھ بٹانے والا نہیں تھا۔ پھوپھو کی اکلوتی بیٹی اریبہ اور چچی کی دونوں بیٹیاں صبا اور عطیہ سب کے ساتھ لاؤنج میں ہی بیٹھی رہتیں۔ ان میں سے کسی نے جھوٹے منہ بھی اجالا کو ایک مرتبہ ہیلپ کے لیے نہیں کہا تھا۔ اب رات کو اس کے پاؤں کچن میں کھڑے رہنے کی وجہ سے سوج گئے تھے اور سر درد سے شدید پھٹ رہا تھا جب دوا کھا کر وہ لیٹی ہی تھی کہ دروازے کے ناک ہونے پر اسے اٹھنا پڑا۔ سالار کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔

''آپ سونے لگی تھیں۔'' وہ اسے نائٹ سوٹ میں دیکھ کر حیرانی سے بولا۔

''ہاں۔''

''مگر اتنی جلدی، ابھی تو صرف نو بجے ہیں اور بھیا بھی ابھی تک نہیں آئے۔'' اس نے رسٹ واچ سے ٹائم

WAQARAZEEM
www.pakistanipoint.com

دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
''وہ میرا سر درد کر رہا تھا بس اسی لیے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔
''آپ بھی تو اتنا کام کرتی ہیں، سارا گھر آپ نے سنبھالا ہوا ہے۔ ناشتے سے لے کر رات کے کھانے تک کچن میں گھسی رہتی ہیں۔ ایسے میں صحت تو خراب ہوگی نا۔'' وہ ڈپٹنے والے انداز میں بولا تھا اور اجالا..... اس کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ یقین کرنا کتنا دشوار ہو رہا تھا کہ یہ واقعی سہیل کا بھائی ہے مگر دونوں میں کتنا فرق تھا۔ ابھی کل رات ہی اس نے اپنے دکھتے پاؤں کو دباتے ہوئے ان سے شکوہ کیا تھا۔
''یہ کوئی طریقہ نہیں ہے سہیل کہ آپ کی کزنز سارا دن فارغ بیٹھی گپیں ہانکتی رہیں اور میں سارا دن کچن میں ان کی خدمت کرتی رہوں۔ ان کو خود بھی خیال کرنا چاہیے کہ اتنے زیادہ لوگوں کے کھانے کے تین وقت کا انتظام کتنا مشکل ہوتا ہے یا تو بندہ کسی کے گھر اتنے دن رکے ہی ناں یا پھر اس کی مدد بھی کروائے۔ ایک بچے کے ساتھ سارا دن کچن سنبھال کر میں تھک جاتی ہوں۔'' اور انہوں نے کتنے سفاک انداز میں اتنا کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔
''وہ ہمارے گھر مہمان ہیں میں انہیں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ مہمانوں کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔''
سہیل کے جواب پر وہ اندر تک چھلنی ہو گئی تھی۔ کتنی دیر وہ دوسری طرف کروٹ لیے لیٹی خاموش تکیہ بھگوتی رہی تھی۔ اس کا علم تو اس خراٹے لیتے ہوئے انسان کو ہوا بھی نہیں ہوگا اور شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتا۔ کاروباری کام میں جتے انسان نے اس کھلی کتاب کو کبھی پڑھنا بھی تو نہیں چاہا تھا۔ بھی سالار کے ذرا سے خیال کرنے پر اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی جس کو پلکیں جھپک جھپک کر چھپاتے ہوئے وہ بڑے عام سے انداز میں بولی تھی۔
''اچھا یہ سب چھوڑو..... تم یہ بتاؤ مجھ سے کیا کام تھا۔''
''وہ ہم اتنا کشری کھیلنے لگے تھے تو میں آپ کو بلانے آیا تھا مگر اٹس او کے آپ ریسٹ کریں۔'' وہ اپنے اسی نرم خوئی اور ہمدردانہ انداز میں بات مکمل کر کے دروازہ آہستگی سے بند کرتا باہر نکل گیا مگر اب اسے نیند کہاں آنی تھی۔ اپنی قسمت پر ماتم کرتے ہوئے وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور آنکھوں میں جمع پانی بڑی روانی سے گالوں پر ڈھلکنے لگا۔

☆.....☆

اگلے دن ناشتے کے بعد وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنے ہی لگی تھی جب سالار نے اسے روک دیا۔ ''نہیں بھابی آج دوپہر کا کھانا ہم باہر سے کھائیں گے آپ ریسٹ کریں۔'' اور سب خوشی سے جھوم اٹھے تھے۔ اریبہ، صبا اور عطیہ نے تو اپنی پسند کی لمبی لسٹ بھی بنوانا شروع کر دی تھی۔
''بھئی میں تو پزا کھاؤں گی۔'' عطیہ پرجوش ہو کر بولی۔
''اور میں ڈبل چیز والا برگر۔'' صبا نے لبوں پر زبان پھیر کر ندیدوں کی طرح کہا تھا۔ دوسری جانب پھوپھو کی چاپلوسیاں ایک بار پھر عروج پر تھیں۔ ''کتنے کھلے دل کا مالک ہے میرا بھتیجا۔ اللہ نے اگر دیا ہے تو دل بھی خوب دیا ہے۔''
''میرا بچہ تو جو بھی کھلائے گا میں تو وہی خوشی خوشی کھالوں گی۔'' ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ سب بولتے اور نبیلہ چچی اپنے پوائنٹس نہ بناتیں مگر اسی دوران اجالا کی گود میں بیٹھا فائز رونے لگا۔ وہ چپ کروانے کے لیے ابھی اٹھی ہی تھی جب سالار اس سے مخاطب ہوا۔
''اور بھابی آپ کیا کھائیں گی؟ سب ناگواری سے اسے دیکھنے لگے۔

''میں نہیں جارہی آپ سب چلے جائیں۔'' وہ مختصر جواب دے کر وہاں سے کھسک گئی اور سالار کو تجسس نے وہاں ٹکنے ہی نہیں دیا تبھی وہ مضطرب سا اس کے پیچھے کمرے تک آیا البتہ اس کے یوں اٹھنے پر سب نے نظروں ہی نظروں میں کچھ کہا تھا۔

''کیوں نہیں آرہیں آپ؟ میں آپ کے لیے ہی تو سب کو لے جارہا ہوں کہ کم از کم ایک دن کے لیے آپ کو تو ریسٹ ملے۔'' گلہ کرتا لہجہ۔

''مجھے گھومنے پھرنے کا کوئی شوق نہیں ہے اور نہ ہی مجھے بھوک لگی ہے تم لوگ آرام سے جاؤ۔'' وہ فائز کو جھلاتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

''مگر آپ ہر وقت گھر پر.....''

''تم اپنی بھابی کی اتنی سی بات نہیں مان سکتے۔'' اس نے چڑ کر درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔ جانے کیوں اس کا دل ایک بار پھر بھاری ہو رہا تھا مگر اس بار بنا کوئی جواب دیے وہ تابعداری سے سر ہلاتا واپس پلٹ گیا اور اجالا نے گہری سانس لے کر خود کو مطمئن کیا۔

''زندگی دلوں پر نہیں عقل پر چلتی ہے۔ سہیل کے بغیر اسے جانا یوں بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اسی لیے لاکھ چاہنے کے باوجود بھی وہ کوئی قدم نہیں اٹھا پائی۔

☆.....☆

ان کے پیچھے اس نے اپنے کتنے ہی کام نمٹا لیے تھے بس اب کچن کا کام باقی تھا۔ دوپہر تو گزر گئی لیکن رات کا کھانا تو انہیں کھانا ہی تھا نیز گھر کا کام کر کے اب اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر کچھ بنا پاتی۔ دوپہر کے کھانے میں اس نے کل کا بچا سالن، روٹی کے ساتھ کھایا تھا۔

''وہ سب وہاں کتنی موجیں کر رہے ہوں گے۔'' بھاری دل کے ساتھ یہ خیال حسرت بن کر اس پر سے گزرا تھا۔ ابھی وہ کھانا کھا ہی رہی تھی جب ڈور بیل کی متواتر آواز پر اسے اٹھنا پڑا مگر اگلے ہی لمحے وہ خوشی سے سرشار دکھائی دینے لگی۔

''تم رامین.....اچانک۔'' اسے واقعی جھٹکا لگا تھا۔

''ہاں میں.....اتنے دن گزر گئے سوچا تم سے ملاقات ہی کرلوں۔'' وہ اپنا بیگ گھسیٹتی ہوئی کتنی محبت و عقیدت سے بول رہی تھی مگر دوسری جانب اجالا کا دل بیٹھا جارہا تھا۔ وہ اتنے سب مہمانوں کے ساتھ ایک اور کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھی تھی۔ اوپر سے مہمان بھی وہ جو صرف کھانا جانتے ہوں ہاتھ بٹانے اور مدد کروانے سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ وہ اندر آکر لاؤنج میں بیٹھی تو اجالا نے اس سے چائے کا پوچھا مگر اس نے سہولت سے منع کر دیا۔ اجالا خاموشی سے جلدی جلدی کھانا کھانے لگی۔

''کیا ہوا اجالا؟ اتنی جلدی کیا ہے؟ آرام سے کھاؤ۔'' وہ جو اسے اتنی دیر سے عجلت میں کھاتا دیکھ رہی تھی یک دم حیرانی سے بولی۔ تب اس نے سرسری سے انداز میں مہمانوں کا ذکر کیا تھا مگر وہ جھٹ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا بنانا ہے؟ لاؤ میں بنا دیتی ہوں۔''

''ارے نہیں رامین تم کیوں زحمت کرو گی میں خود ہی بنالوں گی۔'' اس نے فوراً اسے ٹوکا مگر وہ سنتی کہاں تھی؟ اتنا کہہ کر اسے خاموش کروا دیا کہ سارے فرض صرف میزبان ہی کے نہیں ہوتے کچھ مہمانوں کے بھی ہوتے ہیں میں یہاں دو دن تمہارے پاس رہنے آئی ہوں اور اپنے فرض تو نبھا کر ہی جاؤں گی۔'' کھانے کے بعد وہ اجالا

www.paksociety.com

کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔
اجالا نے دونوں کے لیے چائے بنائی اور وہ خود ہی سبزی لے کر کاٹنے بیٹھ گئی۔ دونوں شام تک کچن میں کام کرتی رہیں، سارا کام تقریباً رامین نے ہی کیا تھا۔ اجالا کو تو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگانے دیا مگر وہ دونوں برابر محو گفتگو رہیں۔ رامین کے آنے سے کتنا آسرا ہو گیا تھا۔ ایک بندے کا ساتھ بھی واقعی کسی غنیمت سے کم نہیں۔ وہ مطمئن سی خود کو کہتی اندر سے خوش تھی کہ خدا نے اس کی سن لی اور رامین کو فرشتہ بنا کر اس کے پاس بھیج دیا۔
کتنے دنوں بعد اس نے خود کو اور فائز کو ٹھیک طرح سے ٹائم دیا تھا۔ نہا دھو کر کتنے دنوں بعد اس نے ہلکا سا میک اپ کیا۔ اپنا آپ آئینے میں دیکھ کر اسے خاصا اچھا لگ رہا تھا۔ کتنے دنوں بعد خوشگواریت کا احساس اس کے رگ و پے میں جاگا تھا۔ کام نمٹا کر وہ دونوں سہیلیاں شام کو باہر لان میں بیٹھ گئیں۔ موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا سے لان میں لگے ٹیوب روز جھول رہے تھے۔ فائز کو اس نے واکر میں ڈال کر گھاس پر کھیلنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود رامین سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔ باتوں باتوں میں اجالا نے اس پر اپنی زندگی کا وہ تاریک باب بھی کھول دیا تھا جس کا اندھیرا ہنوز اس کی زندگی میں قائم تھا۔ جہاں سے وہ باہر نکلنا چاہتی تھی۔ وہ روشنی کی تلاش میں تو تھی مگر ہر راستہ بند تھا ہر جانب تاریکی اور گھپ اندھیرا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟ پہلی بار اس کا دل کیا تھا اپنا دکھ کسی سے شیئر کرنے کو، اول تو اسے عادت نہیں تھی اپنی تکلیفیں اور اپنی خواہشوں کا اشتہار کسی کے بھی سامنے لگانے کی مگر رامین کا اخلاص اور اس قدر احساس دیکھ کر وہ بے اختیار بول پڑی۔
''تم کیوں نہیں پڑھو گی اجالا۔ تم ضرور پڑھو گی آئی پرامس۔ میں تمہارا ایڈمیشن کرواؤں گی حصول تعلیم کا حق کوئی انسان کوئی تعلیمی ادارہ تم سے نہیں چھین سکتا۔ اجالا علم سنگ آہن ربا سے مشابہت رکھتا ہے اس کے حصول کی تڑپ، لگن اور چاہ زندگی کے کسی حصے میں جاگ کر مانند نہیں پڑتی۔ انسان جو ایک بار سچی لگن کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے تو بس اس کی طرف کھنچتا ہی چلا جاتا ہے اور یہ لذت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ علم حاصل تو بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر اس سے لطف اور حقیقی شعور بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو سنگ آہن ربا جیسی خصوصیت رکھتے ہیں جیسے تم..... تم! اجالا تو صیف۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر اتنی محبت و فکرمندی سے بولی تھی کہ اس پیار سے گندھے وجود پر اسے جی بھر کر پیار آنے لگا۔ کچھ لوگ اپنوں سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں، اپنی پوروں پر گرم پانی چھنتے ہوئے ایک جذب سے اس نے سوچا تھا۔

☆.....☆

وہ سب رات سات بجے کے قریب ہنستے مسکراتے کھلکھلاتے واپس گھر لوٹے تھے۔ اریبہ، صبا اور عطیہ تینوں ہی کے ہاتھ شاپنگ بیگز سے بھرے ہوئے تھے۔ سب ہی سالار کے قصیدے گانے اور خوشامد میں پیش پیش نظر آ رہی تھیں۔ اجالا نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو سالار نے ایک شاپنگ بیگ بڑی عزت و احترام سے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔
''بھابی یہ آپ کے لیے۔'' نہ جانے اس پل سب کو اس کے یہ الفاظ چبھے تھے یا وہ چمکتا، دمکتا نایاب شاپنگ بیگ۔ البتہ سب کے قہقہے ساکت ہو گئے تھے۔
''اچھا تو اتنی دیر لگا کر تم اجالا کے لیے تحفہ پسند کر رہے تھے۔'' نبیلہ چچی نے بڑے مشکوک انداز میں تیوری چڑھائی تو امی موقع کی نزاکت کو سمجھ کر بات سنبھالنے لگیں۔
''ہاں تو بھابی ہے۔ اس کی شادی پر جو نہیں آیا تھا پھر وہاں سے کوئی گفٹ نہیں لا سکا، دے رہا ہے تو اس میں حرج

کیا ہے۔'' ان کی باتوں پر سب وقتی طور پر خاموش تو ہو گئے تھے مگر شک کی دیوار جو پچھلے کچھ دنوں سے سالار کی چھوٹی چھوٹی حرکتوں پر ان کے ذہن میں کھڑی ہو گئی تھیں اس کا گرنا اب مشکل ہی تھا۔ اجالا شاپنگ بیگ تھام کر جھٹ کھانے کا بہانا بنا کر کچن میں گھس گئی۔ رامین پہلے سے ہی وہاں کھڑی تھی۔ ساری بات معلوم کرنے کے بعد اس نے تجسس سے وہ شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے لیا۔

''واؤ پرفیوم..... Christian Dior کا پرفیوم تو بہت اچھا اور مہنگا ہے۔ ماشاءاللہ تم کتنی لکی ہو جو تمہیں اتنا اچھا دیور ملا۔'' پرفیوم کی بوتل ناک سے لگائے وہ خوشی سے گویا ہوئی تو اجالا کے لیے پل بھر کو سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ وہ شاکڈ رہ گئی۔

''کتنا فرق ہوتا ہے نا ایک پڑھے لکھے انسان اور جاہل انسان میں۔ دونوں کے نظریات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ کھلی ذہنیت اور تنگ ذہنیت کا۔ مگر پل بھر میں تاسف نے اسے آگھیرا کہ سہیل کے سارے خاندان والے ایسے ہی تھے تنگ ذہن۔ ہر بات کو منفی انداز سے دیکھنے کے عادی۔ اس بات سے وہ خوب اچھی طرح واقف تھی۔ تب ہی پہلے دن سے ہی احتیاط برت رہی تھی مگر وہ جتنی بھی احتیاط کر لے لوگوں کی گندی اور منفی سوچوں کو تو نہیں بدل سکتی تھی۔

رامین نے کھانا گرم کرنے اور لگانے میں اس کی بھرپور مدد کی۔ پہلی بار جب وہ سالن کا باؤل لے کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف آئی تب سب ہی نے سوالیہ نظروں سے اسے گھورا ''یہ کون ہے؟'' امی سمیت جو اس من موہنی لڑکی سے قطعاً واقف نہیں تھیں۔

اجالا نے برتن لگاتے ہوئے مصروف انداز میں جواب دیا۔ ''یہ میری فرینڈ ہے رامین۔ مجھ سے ملنے آئی ہے دو دن یہیں پر رہے گی۔'' اور سب کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے تھے۔ جانے کیوں وہاں موجود نبیلہ چچی، آصفہ پھوپھو سمیت ان کی بیٹیوں کے چہرے اتر گئے۔

سالار نے ایک گہری نگاہ اس ویل ڈریس لڑکی پر ڈالی جو بلاشبہ اس وقت ان سب لڑکیوں میں موجود سب سے منفرد دکھائی دے رہی تھی۔ وہ متحیر اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ کیسے اجنبی ہو کر اپنوں کی طرح کام کر رہی تھی۔ کھانا میز پر لگانا، برتن لگانا اور پھر یک دم اس پر ایک نیا انکشاف ہوا جب امی نے پہلا لقمہ لیتے ہی کھانے کا بدلا ذائقہ پہچان لیا۔

''کھانا کس نے بنایا ہے؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولی تھیں۔

''امی جی و..... وہ..... رامین نے بنایا ہے۔'' وہ گھبرا گئی کہ جانے امی کے ریمارکس کیا ہوں مگر انہوں نے بلا جھجک متبسم ہو کر اسے پورے پوائنٹس دیے۔

''تم نے بہت اچھا کھانا بنایا ہے۔ آج کل مشکل ہی ہے کہ لڑکیاں اتنی سی عمر میں اتنا اچھا کھانا بنا لیں۔'' اور اس نے شکریہ کے ساتھ داد وصول کی۔ اس کی تعریف پر سرد نظروں کا تبادلہ ایک بار پھر ہوا تھا۔

''میری عطیہ بھی بہت اچھا کھانا پکاتی ہے مکس سبزی کی تو کیا ہی بات ہے۔'' نبیلہ چچی سے خاموش نہیں رہا گیا تھا۔ وہ موقع محل دیکھ کر جھٹ بول پڑیں اور پھر کھانے کی میز پر یہی موضوع زیر لب رہا۔ کون کتنا اچھا کھانا بناتا ہے؟ کس کو کیا بنانا آتا ہے؟ کون گھر داری میں کتنا ماہر ہے؟ زیادہ تر نبیلہ چچی اور آصفہ پھوپھو ہی بولتی رہی تھیں۔ رامین اور اجالا دونوں بڑے محظوظ سے انداز میں ان کی اس گفتگو کو انجوائے کرتی رہیں کہ آخر زیادہ پوائنٹس کون بناتا ہے مگر دونوں کا ہی مقابلہ برابر رہا۔ رامین نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ وہ لفظوں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سے زیادہ عمل پر یقین رکھتی تھی۔
کھانے کے بعد بھی اس نے اجالا کی ہیلپ کروائی۔ برتن اٹھانے سے لے کر دھلوانے تک مگر یہاں پر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ عطیہ، صبا اور اریبہ بھی اب کی بار ان کے ہمراہ کام کروانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا یہ عمل وہاں موجود سبھی افراد کے لیے غیر متوقع اور حیرت انگیز تھا مگر اجالا کی من ہی من میں ہنسی چھوٹ رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی، وہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیوں ہو رہا ہے؟ اور سب کے ذہن میں کیا گھوم رہا ہے؟ اسی لیے اب نہ تو اسے کام کرنا برا لگ رہا تھا اور نہ ہی تھکان کا احساس چھو کر گزر رہا تھا بلکہ اب تو وہ جان بوجھ کر ان کو بہانے بہانے سے کام کے لیے کہتی اور وہ جو کسی کام کو ہاتھ لگانا اپنی توہین سمجھ رہی تھیں نہ جانے کس لالچ میں بھاگ بھاگ کر تابعداری کا مظاہرہ کرتی نظر آئیں۔ تمام کام نمٹا کر اجالا اور رامین کافی کا مگ تھامے اوپر چھت پر آ گئیں۔
''اجالا یہ تمہارے مہمان کچھ عجیب سے نہیں ہیں؟'' پہلی بار اس نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ وہ اس انداز سے بولی تھی کہ کہیں اسے برا نہ لگ جائے مگر اسے کیا معلوم کہ وہ تو اس سچویشن کو انجوائے کر رہی ہے جہاں سب اپنا سکہ جمانے میں لگے ہوئے ہیں مگر اسے تو نتیجہ ان سب کے برعکس ہی دکھائی دے رہا ہے۔
''عجیب نہیں بہت عجیب کہو۔ جانتی ہو تین دن ہو گئے انہیں یہاں آئے ہوئے اور تب سے مہمان نوازی کروا رہے ہیں۔ مجال ہے جو کبھی خود سے کسی کام کو ہاتھ لگایا ہو۔ میرے ساتھ میز پر سے برتن تک نہیں اٹھاتیں۔'' وہ پہلا سپ لیتے ہوئے کڑوی کافی کی طرح ہی تلخی اگل رہی تھی اور رامین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ جو اس نے اب اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ تو اس کے بالکل برعکس تھا۔
''لیکن ابھی تو وہ بالکل ٹھیک تمہارے ساتھ کام کروا رہی تھیں پھر ان کی امی بھی کہتی ہیں کہ ان کی بیٹیاں گھر داری میں بہت اچھی ہیں۔'' اتنی معصومیت سے بولے گئے اس حیرت انگیز جملے پر اجالا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ بے اختیار ہی وہ لوٹ پوٹ ہو کر ہنسنے لگی تھی اور رامین کا تجسس مزید بڑھ گیا۔
''کیوں ہنس رہی ہو۔ اب کچھ بتاؤ گی بھی یا صرف ہنستی ہی چلی جاؤ گی۔'' وہ بس خفا ہونے کو تھی۔
''تم کتنی معصوم ہو رامین۔ تمہیں لوگوں کے ڈبل فیسیز اب تک پڑھنا نہیں آئے۔ کم آن..... وہ دکھاوا تھا جھوٹ تھا اپنی اپنی بیٹی کو سگھڑ ثابت کرنے کا! سچ تو یہ ہے کہ گھر داری میں وہ بالکل زیرو ہیں۔''
''مگر انہیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟'' رامین کی اس قدر معصومیت پر اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس لڑکی نے زندگی میں پڑھائی سے نکل کر دنیا نہیں سیکھی اور چہرہ شناسی میں تو محترمہ کی کیا ہی بات ہے۔ ہر بھولی صورت پر یقین کر لینا ان کی اولین خوبی ہے تب ہی وہ اسے چھیڑتے ہوئے گویا ہوئی۔
''لگتا ہے تم نے میرے دیور صاحب کو غور سے نہیں دیکھا؟''
وہ یک دم تیوری چڑھا کر بگڑی۔ ''مطلب!''
''مطلب..... بس یہی سمجھ لو ایک بلی سو شکار والا سین ہے یہاں پر۔'' محظوظ سے انداز میں بتاتے ہی اس نے کپ لبوں سے لگا لیا۔ کچھ سیکنڈ ذہن پر زور ڈالنے کے بعد رامین نے بھی کندھے جھٹک دیے کہ بھئی معاملہ شاید اس کی عقل سے بہت اوپر کا ہے۔ چند سیکنڈ یوں ہی وہ جھولے پر بیٹھیں ایک ساتھ جھولتی برابر کافی کے بڑے چھوٹے گھونٹ بھرتی رہیں بھی پانچ منٹ بعد سالار کی آمد ہوئی۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا ان ہی کی طرف آ رہا تھا اور اس کی کزنز ہمیشہ کی طرح اس کی تقلید میں۔ اجالا نے اس سین پر جھٹ رامین کو کہنی مار کر کچھ کہنا چاہا تھا مگر وہ ہونق شکل بنا کر خاموش بیٹھی رہی۔

WAQAR AZEEM
www.pdfbooksfree.pk

''بھابی! ہم اتنا کشری کھیلنے لگے ہیں آپ کھیلیں گی؟'' وہ ہمیشہ کی طرح بڑے احترام سے اس سے مخاطب ہوا تھا اور اس نے مبہم مسکراہٹ کے ساتھ فوراً ہی ہامی بھر لی۔

''اگر آپ چاہیں تو آپ بھی کھیل سکتی ہیں ہمارے ساتھ؟'' وہ پہلی بار براہ راست رامین سے مخاطب ہوا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتی اجالا بے ساختہ بول پڑی۔

''کیوں نہیں اجالا سے اچھا بھلا کون کھیل سکتا ہے۔ یہ کالج کے مشاعرے میں ہمیشہ حصہ لیتی تھی اور ان ہی پوزیشنز اور میڈلز پر محترمہ چین سے اسٹڈی کر کے آئی ہیں۔'' اپنی تعریف پر بے اختیار ہی اس کی گردن تھوڑی سے جا لگی۔ اسے پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کی کامیابیوں کا ذکر کسی سے بھی کرے مگر اجالا کے لفظوں پر سالار کے قریب کھڑی کزنز کے چہرے فق پڑ گئے۔

''اچھا زبردست، پھر تو کھیلنے کا مزہ ہی آجائے گا۔'' سالار گہری نظروں سے داد دیتا سامنے کرسی بیٹھ گیا۔ ان تینوں نے بھی اس کی تقلید میں اپنی اپنی نشستیں سنبھال لی تھیں اور اب گیم کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ سالار نے بڑی شوخی سے پہلا شعر عرض کیا۔

وہ بظاہر جو کچھ نہیں لگتا
ان سے رشتے بلا کے ہوتے ہیں

اتنے عمدہ آغاز پر اریبہ، صبا اور عطیہ داد دیتی ہوئیں اس کی ٹیم میں ہو گئیں جب کہ سالار نے ایک کو دوسری ٹیم میں جانے کے لیے بارہا فورس کیا مگر ان میں سے کوئی بھی راضی نہیں ہو رہا تھا۔

''چلو کوئی بات نہیں ہم دو ہی کافی ہیں۔'' اجالا نے خود ہی بات رفع کر دی۔

''اب آپ کی باری ہے بھابی.....ن'' سالار پرجوش بولا تھا۔ تب اجالا جھٹ بول پڑی۔

نہ چپ رہ کے یوں، زندگی رول دے
ستم ہو چکا اب زباں کھول دے

سب نے تالیاں بجائیں، اب گیم کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔

''می.....ہاں۔''

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا

محفل کا خوب ماحول بن چکا تھا اب ی سے شعر کہنے کی باری پھر سے مخالف ٹیم کی تھی۔ اجالا ہونٹ بھینچتے ہوئے سوچنے لگی تھی تب ہی رامین بے ساختہ بول پڑی۔

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا

شعر کے اختتام پر اس کا اردگرد تالیوں سے گونج اٹھا تھا جس کی خاص وجہ اس کے شعر کہنے کا انداز تھا۔

''کمال ہے بھئی صحیح تعریف کی تھی بھابی نے آپ کی۔'' سالار خوش ہوتے ہوئے بولا تو اس نے تھینکس کہہ کر گردن جھکا لی۔

گیم آدھ گھنٹے تک یوں ہی چلتا رہا۔ مقابلہ زوروں پر تھا آخر میں آکر سالار بہت برا پھنسا تھا۔ اسے الف سے کوئی شعر ہی یاد نہیں آرہا تھا۔ ذہن کو اچھے سے ٹٹولنے کے باوجود بھی وہ ناکام ہی ٹھہرا۔ اریبہ، صبا اور عطیہ کو بھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس نے اپنے ساتھ سوچ کے مشن پر لگایا مگر انہیں جتنے شعر ازبر تھے وہ سب انہوں نے سنا ڈالے تھے۔

اس نے کہا تھا عشق ڈھونگ ہے
میں نے کہ تجھے عشق ہو خدا کرے

''اینڈ گیم از اوور اور ہم جیت گئے۔'' رامین کے شعر کے اختتام پر دونوں سہیلیاں ہی چلا اٹھیں۔

''کوئی نہیں ہم نے بھی اچھا ہی کھیلا تھا۔'' اریبہ جھٹ بول پڑی۔

''ہاں مگر آپ کا ساتھی بہت ذہین تھا۔'' سالار برملا تعریف کرتا سونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

''شب خیر..... ایوری ون۔'' ہاتھ ہلاتا ہوا وہ سیڑھیاں اتر گیا۔

اجالا اور رامین بھی اپنے کافی مگ تھامے نیچے جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جاتے ہوئے اجالا نے سالار کی کزنز کی آنکھوں میں اپنے لیے کوئی خاص پسندیدگی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اسے نہ نجانے کن نظروں سے گھور رہی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پائی مگر ان نظروں نے اجالا کی باتوں کی سو فیصد تائید ضرور کر دی تھی۔

☆.....☆

دن یوں ہی گزرتے گئے مگر ان کے درمیان ابھی تک اچھے تعلقات استوار نہیں ہو سکے۔ وہ ہنوز یوں ہی ٹیموں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک ٹیم اجالا اور رامین کی جب کہ دوسری ٹیم سالار، اریبہ، صبا اور عطیہ کی۔ رامین نے ایک دوبار اریبہ سے خاصی دلچسپی اور فرینڈلی موڈ میں بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ الٹا بگڑ گئی۔

''آپ اجالا کی سہیلی ہیں تو بس اسی تک محدود رہیں ہر کسی سے دوستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے اکھڑ پن پر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ اچھی خاصی بدتمیز لڑکی تھی اس بات کا اندازہ اسے ہو گیا تھا مگر سالار اور دیگر گھر والوں کے سامنے وہ کیسے بن بن کر بولتی تھی نرم خو، شستہ لہجہ۔ بے ساختہ ہی اریبہ کی اس طرح کی منافقت پر اس کا جی کھٹا ہو گیا۔ دوبارہ اس نے اس بدزبان لڑکی سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس کا دل عطیہ اور صبا سے بھی بات کرنے کو نہیں کیا تھا۔

چار دن ہو گئے تھے اسے آئے ہوئے وہ یہاں صرف اپنی دوست سے ملنے آئی تھی اور اب واپس جا رہی تھی۔ اس نے اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا تھا۔ رات کو آخری گیم اس نے سب کے ساتھ انتاکشری کا کھیلا جس میں وہ جان بوجھ کر خاموش بیٹھی رہی۔ شعر اس کے ذہن سے لبوں تک آتا اور خاموشی میں بدل جاتا۔

اجالا نے کئی بار اسے بولنے کے لیے کہا مگر وہ یہ ہی ظاہر کرتی رہی کہ وہ سوچ رہی ہے مگر اسے کچھ یاد نہیں آ رہا اور پھر نتیجہ وہی نکلا تھا جو وہ چاہتی تھی۔ ان کی ٹیم ہار گئی تھی اور وہ یہ ہی چاہتی تھی کہ وہ ہار جائیں اور یہ ہی ہوا۔ جیت کی خوشی سے زیادہ اسے ہار کی خوشی ہوئی تھی۔ کھیل کے بعد وہ اٹھ کر جانے لگی تو اجالا نے اسے چائے پر روکنا چاہا مگر وہ نفی میں سر ہلاتی وہاں سے باہر نکل گئی۔

''لگتا ہے آج آپ کی دوست کا موڈ ٹھیک نہیں ہے بھابی۔'' سالار نے شوخ لہجے میں کہا۔ اجالا بغیر جواب دیے رامین کے پیچھے جانے کے لیے اٹھی مگر پھر آصفہ چچی نے اسے چائے کا یاد دلا کر کچن میں بھیج دیا۔ وہاں سے فری ہو کر وہ فائز کے پاس گئی پھر اس کے ذہن میں رامین کا خیال ہی نہیں رہا۔

☆.....☆

''مجھے امید نہیں تھی آپ سے کہ آپ اتنی جلدی چلی جائیں گی۔'' سب سے ملنے کے بعد وہ پورچ تک پہنچی تھی تو گلہ کرتے اس اداس لہجے نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سالار مسکرا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ کچھ جھینپ گئی۔

''مہمانوں کو ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہوتا ہے۔'' وہ واپس مڑتے ہوئے بولی۔

''مگر ابھی سارے مہمان نہیں گئے۔'' پتا نہیں وہ اسے روکنا چاہ رہا تھا یا پھر..... وہ سمجھ نہیں پائی۔

''مہمان زیادہ دیر تک ٹھہرتے اچھے نہیں لگتے ویسے بھی اتنی دیر تک میں اپنی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں دیتی۔'' اس کے انداز میں دکھ مترشح تھا۔ اریبہ کے روڈ انداز نے اسے کافی ہرٹ کیا تھا۔ وہ اپنی بات کہہ کر مڑنے لگی تھی جب سالار کے گھمبیر لہجے پر اس کے قدم ایک بار پھر رک گئے۔

''آپ میری وجہ سے جا رہی ہیں، میں جانتا ہوں یہ بات۔'' لمحے بھر کو اس کے انداز اور الفاظ دونوں پر ہی وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''آپ کی وجہ سے مطلب؟'' ماتھے پر بل ڈالے وہ قدرے حیرانی سے ایک بار پھر مڑی تھی۔

''آپ کو یاد نہیں ہے شاید ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔ جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تب آپ کا چہرہ مجھے انجان نہیں لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ میں آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں مگر کل اتنا کشری کھیلتے ہوئے آپ کی خاموش تھیں تب مجھے فوراً یاد آ گیا تھا کہ میں نے آپ کو کہاں دیکھا تھا۔ کل رات آپ کے چہرے پر وہی پریشان کن ایکسپریشنز تھے جو پہلی بار آپ کو دیکھنے پر میں نے محسوس کیے تھے۔'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اتنی بے تکلفی سے کیا کہنا چاہ رہا ہے یا پھر کون سی بات یاد دلوانے کی تگ و دو میں ہے۔ اس کے خیال میں اس انسان سے وہ پہلی بار ملی ہے اور اتنی بے تکلفی سے غالباً یہ ان کی پہلی ہی گفتگو ہے۔

''مجھے واقعی یاد نہیں آ رہا کہ ہماری ملاقات سے پہلے بھی کہیں ہوئی ہو۔ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ سے پہلی بار یہیں مل رہی ہوں۔'' ذہن پر زور ڈالنے کے بعد وہ بڑے اعتماد سے بول رہی تھی تب ہی سالار کے چہرے پر امڈنے والی معنی خیز مسکراہٹ پر وہ گڑبڑا گئی لیکن اگلے ہی لمحے جب اس نے بڑے سنجیدہ انداز میں اس سے پہلی ملاقات کا ذکر کیا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی ہے، اس کے پسینے چھوٹنے لگے اور اس کی اعتماد سے کھڑی گردن ایک لمحے میں جھک گئی۔ وہ بڑی مشکل سے دھڑکتے دل کے ساتھ حواس باختہ سی مڑی اور پھر دوڑتی ہوئی مین گیٹ سے باہر نکل گئی۔ بے شک اس نے مڑ کر ایک نظر بھی نہیں دیکھا مگر وہ اپنا چہرہ آگے ہوتے ہوئے بھی اپنی پشت پر کھڑے اس انسان کو دیکھ سکتی تھی جو خاموش ایک ٹک کھڑا اسے گھور رہا تھا یا پھر شاید اس کا..... وہ کچھ سوچنے سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ماضی کے کچھ دھندلے باب اب اس کے سامنے شفاف پانی کی طرح تیرنے لگے تھے۔

☆.....☆

ہینڈ بیگ بیڈ پر رکھتے ہوئے وہ سیدھا باتھ روم کی طرف لپکی تھی، آنکھوں میں چھپا آنسوؤں کا ذخیرہ اب گرم پانی کی صورت گالوں پر پھسلنے لگا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے ایک گہری نگاہ سامنے لگے باتھ روم مرر پر ڈالی، آنکھوں میں لگا کاجل اب پورے چہرے پر پھیل چکا تھا۔ سیاہ رنگ میں رنگا اپنا چہرہ دیکھ کر اسے اپنے سیاہ ماضی پر اور زور کا رونا آیا تھا۔ وہ مزید شدت سے رو پڑی اور پھر..... اس کے سیاہ چہرے کے آگے سب کچھ دھندلا گیا۔ کتنی دیر وہ کرب و اذیت سے تڑپتی رہی۔ چھ سال بعد اسے اپنا سارا وجود شرمساری کی زنجیر میں بری طرح

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جکڑا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اس فریب سے نکل گئی تھی کہ ماضی کو اگر ہم بھلا کر آگے بڑھ جائیں تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے مگر آج اس شخص کی نظروں اور لہجے نے اس پر جتا دیا تھا کہ ماضی کبھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ ہر آن، ہر پل کسی آسیب کی طرح ہمارا پیچھا کرتا رہتا ہے اور ایک دن غیر متوقع کسی انسان کا روپ دھار کر سامنے آجاتا ہے جیسے اس کی زندگی میں وہ سالار کی شکل میں سامنے آ کھڑا ہوا۔ خوف سے اس کے جسم میں کپکپاہٹ طاری ہو چلی تھی۔ نل کھول کر اب اس نے اپنے سیاہ خوف زدہ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنا شروع کر دیے۔ منہ ہاتھ دھو کر بڑی مشکل سے وہ باہر آئی اور پھر اپنے کانپتے وجود کو چادر میں چھپا کر وہ سونے کی غرض سے بیڈ پر لیٹ گئی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی کتنی راتوں کی نیندیں اچک لی گئی ہیں۔

صبح ناشتے پر اس کی ملاقات افضل بھائی اور بھابی سے ہوئی تھی۔

''تم کل آ کر اتنی جلدی سو گئی تھیں کھانا بھی نہیں کھایا تھا؟'' بھابی نے سلام کے بعد پہلا سوال یہ ہی پوچھا۔

''ہاں بس سر میں درد ہو رہا تھا دوا لے کر سو گئی تھی۔'' وہ اترے چہرے کے ساتھ انہیں مطمئن کرنا چاہ رہی تھی مگر شاید انہیں یقین نہیں آیا تھا۔

''سب ٹھیک تو ہے تم تو اپنی فرینڈ کے گھر گئی تھیں، وہاں سب ٹھیک تھا۔'' وہ بغور اس کے چہرے کو گھورتے نہ جانے کیا کھوجنے کی تگ و دو میں تھیں۔

''ہوں سب ٹھیک ہے بس نیند پوری نہیں ہوئی کافی دنوں سے۔ اسی لیے کافی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔'' بریڈ سلائس لیتے ہوئے اس نے نظریں جھکا لیں۔ مزید گفتگو اس کی عام روٹین کے مطابق افضل بھائی سے ہوئی تھی لیکن وہ زیادہ بولنے کے موڈ میں نہیں تھی اسی لیے جلد ہی ناشتہ کر کے وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

رامین اور افضل دو ہی بہن بھائی تھے جن کے والدین کی ڈیتھ حادثاتی طور پر ہوئی تھی۔ تب افضل بھائی کی عمر اٹھارہ سال تھی اور رامین دس سال کی تھی تب سے افضل بھائی نے اس کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھا لی تھی کبھی اسے والدین کی کمی محسوس ہونے نہیں دی، اپنی پڑھائی اس کے لیے قربان کر دی اور اپنی شوخ جوانی کی عمر میں فیکٹری جوائن کر لی۔ وہاں اپنا دن رات ایک کر کے کام سیکھا اور پھر اسی مہارت کے بل بوتے پر ترقی حاصل کرتے کرتے ایک شاندار، قابل عزت پوسٹ پر فائز ہو گئے تب تک رامین کا ایف، ایس، سی بھی مکمل ہو گیا اور اس کے بعد انہوں نے خود ہی اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے چین بھیجا تھا۔ اس سے زیادہ دور بھیجنے کے لیے ان کا دل رضامند نہیں ہوا۔ بچپن کے لیے بھی انہوں نے بڑی مشکل سے خود کو اپنی لاڈلی اکلوتی بہن سے دور رہنے پر رضامند کیا تھا۔ اجازت دیتے ہوئے انہوں نے جو پہلی بات اس سے کہی تھی وہ سن کر ہی رامین کا دل کسی گہرے کنویں میں چھلانگ مارنے کا کیا۔

''رامین! میری پیاری سی بہن جاؤ جا کر تعلیم کا میدان فتح کر کے آؤ اور سب کو بتا دو کہ افضل سلیمان کی محنت مشقت اور قربانی رنگ لے آئی ہے۔ اس نے اپنے خواب آنسوؤں میں دفن کر کے اپنے آنگن میں چہکنے والے پھول میں ایسی خوشبو ڈال دی ہے جس سے ہر کوئی مستفید ہو سکتا ہے۔ جو ہر کسی کے لیے باعث راحت ہے..... یعنی علم کی خوشبو۔''

افضل بھائی کے ہاتھ کا وہ لمس اسے اب تک نہیں بھولا تھا، ان کے لہجے میں چھپی غم اور خوشی کی کیفیت ابھی تک اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔ ان کے آنکھوں میں نمی جسے وہ مصنوعی مسکراہٹ سے چھپانے میں بھی ناکام رہے تھے وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ شاید یہ ہی وہ الفاظ تھے جنہوں نے اس کی زندگی بدل دی تھی۔ ہاں بالکل پہلی بار تبھی

تو وہ شرمندہ ہوئی تھی۔

یہ ہی وہ دن تھا جب اسے احساس ہوا تھا کہ انجانے اور ناسمجھی میں اس نے اپنے جان سے پیارے بھائی کو دھوکا دیا ہے اور مسلسل دے رہی ہے۔ اس دن وہ کتنی دیر تک چھت پر ٹہلتی یہ سوچتی رہی تھی کہ افضل بھائی کی دی ہوئی آسائشوں اور آزادی کا وہ غلط استعمال کر رہی ہے مگر اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس وقت اس کا ضمیر کہاں تھا جب وہ بھٹک رہی تھی، جب اس نے اپنے آپ کو تنہا سمجھ لیا تھا تب اس کے جان سے پیارے افضل بھائی کہاں تھے؟ کیا ان کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو لاوارث اور تنہا محسوس کر رہی تھی؟ وہ کیسے ان کی قربانیاں اور مشقت فراموش کر سکتی تھی؟ لیکن وہ کر گئی تھی۔ وقتی لذت انسان کو کتنا بے حس کر دیتی ہے؟ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑی شرمسار ہو رہی تھی۔ اپنا احتساب اسے رنج وملال کی کیفیت میں مبتلا کر گیا تھا اور پھر یہ ہی رنج وملال اب آنکھوں کے گوشے بھگونے لگا۔ وہ بے دم سی وضو کر کے جائے نماز پر کھڑی ہو گئی۔ پتا نہیں اسے بچپن کی پڑھی ہوئی ایک یہ قرآنی آیت یک دم کہاں سے یاد آ گئی تھی۔

وہ توبہ کر رہی تھی۔ وہ اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی تھی۔ وہ اس قصے کو بھلا دینا چاہتی تھی مگر کیا غلطیاں اتنی آسانی سے بھلائی جا سکتی ہیں؟ مگر اس کے اس فعل کے بارے میں تو کوئی بھی نہیں جانتا ناں؟ نہ ہی افضل بھائی اور نہ کوئی اور..... یک دم اس کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر اس نے رات کے اس پہر گہرے آسمان کو دیکھا تھا، کچھ سیکنڈ بعد وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ کیسے بھول گئی تھی کہ ایک ذات ہے جو اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیسے بھول گئی؟ اس ذات کو جسے وہ کبھی بھول ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ صوم صلوٰۃ کی پابند بس اسی حد تک نیک تھی؟ اب بھی وہ افضل بھائی کے سامنے اپنے امیج خراب ہونے سے ڈر رہی ہے، ان کی تربیت پر انگلی اٹھنے سے ڈر رہی ہے، ان کے فخر سے اٹھے سر کو دنیا کے سامنے جھکا دیکھنے سے ڈر رہی ہے مگر وہ اللہ سے کیوں نہیں ڈری؟ اس کا خوف اس کے دل میں انسانوں سے پہلے کیوں نہیں آیا؟

آج کل انسان کو اللہ سے زیادہ انسان کا خوف رہتا ہے۔ دنیا کی reputaion زیادہ عزیز ہے، اس بات کی زیادہ فکر ہے کہ لوگ کیا کہیں گے جب کہ اس بات کا کوئی خیال نہیں کہ اللہ کیا کہے گا۔ دو سال بعد اسے اللہ یاد آیا تھا۔ دو سال تک وہ اللہ سے دور رہی تھی صرف اس شخص کے لیے..... اس نے ایک شخص کی خاطر اپنی آخرت داؤ پر لگا دی تھی۔ اوہ خدایا..... لمحے کے ہزارویں حصے میں دو سال سے بند ذہن یک دم کھلا تھا اور پھر ایک بار پھر وہ پہلے والی رامین فاطمہ بن گئی تھی اور پھر اسے یقین ہو گیا تھا کہ اللہ نے اسے معاف کر دیا ہے۔ کچھ دن لگے تھے اسے نارمل ہونے میں اور پھر وہ مطمئن ہو گئی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ دو سال اس نے کس غفلت میں گزارے ہیں۔ اب اس نے اللہ کی خاطر سب چھوڑ دیا ہے تو اللہ نے بھی اس کی پردہ پوشی کر کے اس کے اس کی گردن کو جھکنے نہیں دیا۔

اللہ سے معافی مانگ کر اور توبہ کر کے بہر حال اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا مگر سالار کی وہ نظریں وہ انداز ابھی تک دل کو چھلنی کیوں کر رہا تھا؟ اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس جیسی ذہین لڑکی جس کے ذہانت کے چرچے اسکول کالج سے لے کر یونیورسٹی تک ہوتے آئے تھے وہ ذہین لڑکی یہ کیسے بھول گئی کہ سالار وہی شخص ہے جس نے اسے اس حالت میں دیکھا تھا جب وہ اپنا دامن بچا کر نکل رہی تھی۔ اسے تین دن میں کیوں یاد نہیں آیا جب کہ سالار نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا اور کوئی آپ کو پہلی نظر میں کیوں پہچانے گا؟ وہ صرف ایک لمحہ تھا، ایک حادثہ تھا جو بس ٹکرا کر گزر گیا پھر اتنی پرانی بات ایک حادثاتی ملاقات سے وہ اس کو کیسے یاد رہ گئی؟ وہ ہنوز الجھی ہوئی تھی۔

ماضی میں جا کر وہ وقت کی کڑیاں ملانے کی بھرپور سعی کر رہی تھی مگر اتنا ہی خود کو الجھا ہوا محسوس کرتی پھر بے ساختہ اس کا دل اچھل کر حلق کو آیا اور یہ سوچ کر ہی اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''کہیں سالار نے مجھے اس فلیٹ کے باہر دیکھ تو نہیں لیا تھا۔ اس دن میری حالت دیکھ کر کچھ اور تو نہیں..... جو کہ نہیں ہے او میرے خدایا! اب وہ سب کو بتا دے گا اور پھر میری عزت ختم ہو جائے گی۔ سب مجھ برا بھلا کہیں گے میری ذات پر کیچڑ اچھالیں گے..... اور پھر افضل بھائی کیا وہ اپنی اس بہن پر فخر کر پائیں گے جس کا تعارف کرواتے ہوئے ان کا خون سیروں بڑھ جاتا ہے۔ کیا توبہ کے بعد بھی انسان کو بندوں کا خوف ہوتا ہے۔

اے خدا! کیا سچی توبہ کے بعد بھی تو بندوں کو رسوا کر دیتا ہے؟''

وہ کتنی دیر تک گھٹنوں میں منہ چھپائے روتی رہی تھی اور پھر کئی دن تک وہ خدا سے بس یہ ہی دو سوال کرتی رہی کہ ''کیا توبہ کے بعد بھی انسان کو بندوں کا خوف ہوتا ہے؟ کیا سچی توبہ کے بعد بھی تو بندوں کو رسوا کر دیتا ہے؟''

☆.....☆

آج آصفہ پھوپھو اور نبیلہ چچی کو آئے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو چلا تھا اور سالار اب مزید گھر میں بیٹھنے کا روادار نہیں تھا۔ وہ بچپن سے ہی وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں تھا اور اب ایک ہفتہ گھر بیٹھ کر وہ خاصا بے زار ہو چکا تھا پھر جس بندے کو کام کی عادت ہو بھلا وہ کہاں سکون سے ٹکتا ہے خلاف توقع اس نے ایک ہفتہ آرام سے گھر بیٹھ کر گزار لیا تھا وہ بھی صرف مہمانوں کے احترام میں مگر اب اسے ان کا یہاں قیام کا کچھ زیادہ ہی طویل لگ رہا تھا۔ وہ سونے کے لیے بیڈ پر لیٹا تھا تبھی پاکستان آنے کے بعد پہلی بار اسے اپنے وقت کا احساس ہوا تھا۔ اس بات نے کتنی دیر تک اسے بے چین کیے رکھا اور اب اسے نیند بھی بھلا کہاں آنی تھی۔ وہ جو فیصلہ کرتا تھا اس پر فوری عمل کرنا اس کی اولین خوبیوں میں شامل تھا چنانچہ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھا کر وہ لاؤنج میں آ گیا کہ وہاں سکون سے بیٹھ کر وہ پاکستان میں جاب کے لیے ریسرچ کرے گا۔

رات کے اس پہر ہر طرف سکوت طاری تھا۔ سب سو چکے تھے اور وہ کتنی ہی دیر تک مختلف ویب سائٹس پر ویکینسی کی تلاش میں سرگرداں رہا مگر کوئی جاب بھی اسے پسند نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر تھک ہار کر اس نے گہری سانس لے کر اپنا سر صوفے سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ تھک گیا تھا پھر اس نے دوبارہ آنکھ کسی کے قدموں کی چاپ پر کھولی تھی۔ اجالا کچن کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس نے بوجھل سانس لے کر اسے ٹوکا۔

''بھابی! آپ اتنی رات کو کچن میں کیا کر رہی ہیں؟''

''میں فائز کے لیے فیڈر بنانے آئی تھی۔'' پہلے تو اس نے مڑ کر بڑی حیرانی سے سالار کی جانب دیکھا پھر اونگھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''آپ پلیز مجھے ایک کپ کافی بنا دیں گی۔'' اس نے بڑی اپنائیت سے فرمائش کی تو اجالا کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اس نے ایک نظر سامنے لگی وال کلاک پر ڈالی صبح کے تین بجے اکلوتے دیور کی اس خواہش پر اسے کمال حیرت ہوئی لیکن پھر اثبات میں سر ہلاتی وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ فیڈر تیار کر کے اس نے ابھی کیبن سے کافی نکالی ہی تھی کہ سالار خود ہی کچن میں آ گیا۔

''رکیں میں آپ کی ہیلپ کرتا ہوں بلکہ ایسا کریں ایک کپ اپنے لیے بھی بنا لیں ساتھ میں پئیں گے اور ویسے بھی مجھے آپ کو ایک بہت ضروری بات بھی بتانی ہے۔'' وہ بڑے خوش گوار لہجے میں بول رہا تھا۔ اجالا نے کافی کے لیے انکار کیا مگر وہ بضد تھا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''بھابی میں بہت خوار ہونے والا کام کر رہا ہوں اور ابھی وہ مکمل نہیں ہوا اب تھوڑی سی بریک لوں گا، اس میں کافی پیوں گا اور آپ سے باتیں کر کے مائنڈ بھی کچھ ریلیکس ہو جائے گا۔'' وہ کافی پھینٹنے لگا تھا۔ جب تک اجالا بہانے تراشتی رہی تب تک وہ کسی ماہر کافی میکر کی طرح کافی تیار بھی کر چکا تھا۔ اجالا نے بے ساختہ ہی اس کے اس ہنر کی تعریف کی تھی اور وہ شوخ لہجے میں بولا تھا۔

''چھ سال یوکے میں رہ کر آپ کو بہت کچھ آ جاتا ہے کافی تو پھر ابتداء سمجھیے۔''

''میں نے فائز کو فیڈر پلانا ہے۔'' اجالا نے آخری حربہ آزمایا تھا اس سے جان چھڑانے کا مگر اس نے کندھے اچکا کر بڑے شان بے نیازی سے اس پر بھی پانی پھیر دیا۔

''ہاں تو ہم وہیں بیٹھ کر کافی پی لیں گے۔ بھیا تو ویسے بھی آج آفس کے کام سے گھر نہیں آئے۔'' وہ کافی کے دونوں مگ اٹھا کر اس کے پیچھے ہی چل پڑا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے فائز کے منہ میں فیڈر ڈال دیا اور خود فائز کے سرہانے بیٹھ کر کافی پینے لگی۔ سالار سامنے ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اجالا نے خود ہی جان بوجھ کر انرجی سیور آن نہیں کیا تھا تاکہ فائز کی نیند ڈسٹرب نہ ہو۔ کافی پیتے ہوئے سالار نے اسے تمام بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ آج کل وہ جاب ڈھونڈ رہا ہے نیز یہ کہ جاب کے متعلق اس کا Criteria کیا ہے اور یہی وہ خوش خبری تھی جو وہ اجالا کو بتانا چاہتا تھا اور اس نے بڑے خوشگوار موڈ میں بتا بھی دیا تھا۔ ابھی اجالا نے کافی کا آخری گھونٹ لینے کے لیے کپ لبوں پر لگایا ہی تھا جب کمرا تاریکی میں ڈوب گیا۔ کمرے میں جلتا واحد وہ نائٹ بلب بھی بند ہو گیا تھا۔

''لائٹ چلی گئی ہے میں جا کر دیکھتی ہوں سرکٹ بریک ڈاؤن ہوا ہے یا پھر جنریٹر آن کرنا ہے۔'' اجالا فوراً گڑبڑا کر اٹھی تھی۔ اندھیرے میں بمشکل وہ کمرے کے دروازے تک پہنچ پائی تھی جب اس کی ٹکر کسی سے ہوئی اور پھر اسے اپنے گلے میں پہنی گولڈ کی چین کھنچتی محسوس ہوئی۔ وہ ناسمجھی کی کیفیت میں بری طرح کانپ اٹھی تھی جب کسی نے تاریکی میں پھیلا سکوت یک دم توڑ دیا تھا۔

''کسی کو خیال نہیں ہے مہمانوں کا، کب سے لائٹ گئی ہوئی ہے کوئی جنریٹر ہی چلا دے۔'' اسے یہ آواز پہچاننے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ یہ آصفہ پھوپھو تھیں جو اندھیرے میں اونچی اونچی چلا رہی تھیں اور پھر اگلی آواز پر اسے گھٹن کا احساس ہوا تھا اور اب تو سانس بھی لینا دوبھر ہو گیا تھا۔

''مچھروں نے برا حال کر دیا ہے خدا کی پناہ اتنی گرمی میں تو سونا ہی محال ہے آخر مہمانوں کے آرام کا بھی خیال ہے کسی کو اس گھر میں کہ نہیں۔'' پھر ایسی بہت سی آوازوں پر وہ حواس باختہ ہو چلی تھی۔ نبیلہ چچی کے بعد گھر میں موجود ہر فرد کی آہٹ وہ محسوس کر سکتی تھی اور پھر اس آہٹ کو یقین میں بدلتے اس نے تب دیکھا تھا جب لائٹ یک دم ایک جھماکے سے آئی تھی۔ لاؤنج میں جلتی لائٹ روشن ہو گئی تھی۔ کمرے کا نائٹ بلب ایک بار پھر اپنی مدھم روشنی پھیلانے لگا تھا لیکن سب روشن ہوتے ہی وہاں موجود سب افراد ہی چند ثانیوں کے لیے منجمد ہو گئے تھے اور اجالا کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا وہ جیسے اپنے سوچنے سمجھنے کی سب صلاحیتیں ہی کھو بیٹھی تھی۔ جب اس نے اپنا لاکٹ سالار کی شرٹ کے بٹن میں پھنسا دیکھا تو اس کے کانپتے ہاتھ جو پچھلے چند سیکنڈ سے اسے شرٹ سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب ساکت ہو گئے تھے تب ہی سالار نے پہلی بار گھبرا کر لاکٹ کو علیحدہ کرنے کی کوشش کی تو وہ پہلی ہی بار میں کامیاب ہو گیا۔ اجالا خالی الذہنی سے دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہ کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اللہ! اتنی رات کو سہیل کی غیر موجودگی میں یہ کیا ہو رہا تھا اور وہ بھی رات کے اس پہر اتنی بے غیرتی یوں کھلے عام وہ بھی اپنے ہی دیور کے ساتھ، شرم نہیں آئی کمبخت لڑکی۔'' نبیلہ چچی خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے چلائی تھیں۔

''مجھے تو پہلے ہی شک تھا ان دونوں پر آخر اتنے مہنگے تحفے کون دیتا ہے آج کل کے دور میں بھلا کسی کو۔ یہ تو سہیل سے بھی زیادہ خیال کرتا تھا اجالا کا، کئی بار تو میں نے اسے اجالا کے ساتھ کچن میں ہاتھ بٹاتے دیکھا ہے۔ لان میں بیٹھے چائے پیتے ٹیرس پر کھڑے گپیں ہانکتے اور اب اتنی رات کو اتنی بے ہودگی..... اللہ توبہ بھول گئی ہو کہ کس کے حق پر ڈاکا ڈال رہی تھی۔ اپنے بیٹے کا بھی خیال نہیں آیا ایسی حرکت کرتے ہوئے۔'' آصفہ پھوپھو بھی بھڑک اٹھیں۔

سالار نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو امی نے جھٹ اسے ٹوک دیا۔ ''نہیں میرا سالار تو ایسا نہیں ہے ضرور اس لڑکی نے میرے بیٹے کو ورغلایا ہوگا۔''

اجالا کے آنسو حلق ہی میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ اس کے اعصاب پر جمی برف اب پگھلنے لگی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس پر کیسی قیامت ٹوٹ گئی ہے۔ عطیہ، اریبہ اور صبا خاموش کھڑیں بس تماشا دیکھتی رہی تھیں۔

''آپ سب کو غلط ف.....'' بہت مشکل سے اجالا نے پہلی بار اپنے حق میں لب وا کیے تھے جب بڑی بے رحمی سے اسے جھٹک دیا گیا تھا۔

''کوئی مجرم اپنے آپ کو مجرم نہیں کہتا بی بی اور پھر آنکھوں دیکھا بھلا کون جھٹلا سکتا ہے اور اگر دیکھا بھی صرف ایک بندے نے ہو تو تمہاری مکاری چل بھی سکتی ہے مگر یہاں تو اتنے گواہ ہیں کس کس کو جھوٹا کہو گی کس کس کو آنکھوں پر پٹی باندھنے کا کہو گی۔'' نبیلہ چچی کی کاٹ پر وہ سہم گئی تھی۔

''ایک منٹ رکیں اور میری بات سنیں۔'' اس بار سالار نے بڑی سنجیدگی سے اونچی آواز میں بٹھانا چاہا تو سب خاموش ہو گئے۔ پھر بڑے مختصر سے انداز میں اس نے بات سمجھانے کی کوشش کی تو آصفہ پھوپھو اسی پر چڑھ گئیں۔

''تم نہیں جانتے اس عورت کی مکاریوں کو تمہیں تو آئے ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں تمہارے لیے بے شک یہ عام بات ہوگی مگر یہ تو جانتی تھی نا کہ یہ کس کے حق پر ڈاکا ڈال رہی ہے اور پھر اتنی رات کو ایک دوسرے کی بانہوں میں..... توبہ..... توبہ.....'' کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے انہوں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سب قہر آلود نظروں سے اجالا کو گھور رہے تھے اور وہ خاموش مجرم بنی آنسو بہاتی رہی اور پھر جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ لوگ اس پر بہتان لگانے سے باز نہیں آئیں گے اور کوئی اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے زمین پر بے جان سی گر کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی کہ اب اس کے پاس صرف عزت ہی بچی تھی اور وہ بھی سر بازار لٹ گئی۔ جس گھر کو بنانے کے لیے اس نے اپنے خواب، اپنی خواہشات سب چولہے کی آگ میں جھونک دی تھیں اسی گھر میں سب نے پل بھر میں اسے نفرت کی آگ میں جھونک دیا۔ یہ صدمہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھا اور اسے سب ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

☆.....☆

جیسے جیسے وہ بڑی ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے والدین کی کمی کو کچھ زیادہ ہی محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر افضل بھائی کے جاب آور زبھی پہلے سے بڑھ گئے تھے۔ رامین کی پڑھائی کا خرچ بھی تو پہلے سے مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ اسکول سے نکل کر کالج میں آ گئی تھی۔ لاابالی کا یہ دور ہر ٹین ایجر کی طرح اسے بھی اچھا لگ رہا تھا مگر اپنے ساتھ کی کلاس فیلوز کو دیکھ کر وہ دھیرے دھیرے احساس محرومی کا شکار ہونے لگی۔ جب بھی وہ اپنی فیملی کی بات کرتیں تو

ایک کسک سی اس کے من میں اٹھتی کہ وہ کیوں اکیلی ہے۔ اس کے سر پر اس کے والدین نہیں ہیں جو اس کا خرچ اٹھائیں۔ کوئی اسے مشورہ دینے والی بہن نہیں ہے جس کے ساتھ وہ بھی بازار جائے ڈھیروں شاپنگ کرے اور پھر وہ بھی ایک جیسے کپڑے اور جیولری پہن سکیں، نہ ہی کوئی چھوٹا بھائی ہے جس کے ساتھ وہ شرارتیں کر سکے۔ صرف افضل بھائی ہیں اور وہ بھی شام کو گھر آتے ہیں۔ اوپر سے وہ اتنے تھکے ہوئے ہوتے ہیں کہ کھانا کھا کر ہی سو جاتے ہیں۔ کتنا وقت وہ گھر میں اکیلے گزارتی ہے۔ وہ کتنا بور ہو جاتی ہے اور اسی بوریت کے احساس اور تنہائی سے بچنے کے لیے اس نے افضل بھائی سے سیل فون کی فرمائش کی تھی کہ کم از کم وہ اس پر گیمز ہی کھیل لے گی یا پھر یوٹیوب پر ویڈیوز دیکھ کر ہی دل بہلا لے گی۔ گھر میں پی ٹی سی ایل ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی اکلوتی لاڈلی بہن کی خواہش کو منہ سے نکلتے ہی پورا کر دیا تھا اور سب سے زیادہ انہیں تکلیف اس بات پر ہوئی تھی جب اس نے بڑے معصومانہ انداز میں کہا تھا۔

''میری سب فرینڈز کے پاس موبائل ہے۔'' تب وہ ٹھٹکے تھے کہ اتنی چھوٹی سی خواہش بھلا وہ اپنی بہن کی پوری نہیں کر سکتے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بہن ماں باپ کے نہ ہوتے ہوئے چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو ترسے۔ بس یہی ان کی کمزوری تھی جو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اسی بات پر ان کا دل موم ہو جایا کرتا تھا۔

موبائل ہاتھ میں آتے ہی بڑے پرجوش سے انداز میں نے کئی سوشل میڈیا ایپس پر اپنی آئی ڈیز بنالی اور پھر وہ بڑے پرجوش انداز میں انہیں استعمال بھی کرنے لگی تھی۔ جب اچانک ایک دن اسے فیس بک پر کومیل لغاری کے نام سے فرینڈ ریکوئیسٹ آ گئی۔ جسے پہلے پہل تو اس نے اگنور کر کے ایکسیپٹ نہیں کیا مگر پھر بار بار ریکوئسٹ بھیجنے پر بالآخر تنگ آ کر اس نے یہ سوچ کر ایکسیپٹ کر لی کہ ''کیا حرج ہے میرے پاس کون سا کوئی خزانہ ہے جس سے مجھے نقصان پہنچے گا اور ویسے بھی میں کون سا اپنی پکچرز پوسٹ کرتی ہوں۔''

شروع شروع میں تو وہ صرف اس کی پوسٹس کو لائیک کرتا رہا اور وہ اپنے اتنے لائیکس دیکھ کر خوش ہوتی تھی مگر پھر ایک دن وہ ''ہیلو'' کا میسج ان باکس میں دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس نے کبھی کسی لڑکے سے اس طرح کہیں پر بھی بات نہیں کی تھی لیکن پھر اگلے ہی لمحے اسے خیال آیا کہ کہیں یہ لڑکا اسے جانتا نہ ہو اور ساتھ ہی اسے تجسس بھی ہو رہا تھا کہ اس نے اس سے آ کر بات کیا کرنی ہے اسی لیے اس نے بھی جواب میں ہیلو کا ریپلائے کر دیا اور پھر وہ ہیلو ہائے سے حال چال اور تعریفی جملوں کی حدود سے تجاوز کر کے وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گئی۔ وہ دن میں اکثر کومیل سے بات کرنے لگی تھی اور اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تنہائی اور اکیلے پن کا احساس کم ہونے لگا تھا۔ کالج سے آ کر وہ سارا دن موبائل پر بیٹھی رہتی، کھانا وہ خود ہی بناتی تھی اور پڑھائی میں وہ پہلے سے ہی بہت اچھی تھی۔ اس وجہ سے اگر وہ زیادہ وقت پڑھائی کو نہ بھی دے تو بھی وہ اچھے نمبر آرام سے لے لیا کرتی تھی۔ اپنے تمام کام نمٹا کر وہ اپنا باقی کا وقت سوشل میڈیا پر ہی صرف کرتی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کی کومیل سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ بے شک انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہیں تھا مگر ایک دوسرے کی زندگی سے وہ بخوبی واقف تھے۔ کومیل اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا جو بی بی اے کر رہا تھا۔ اس کی پروفائل پک رامین نے دیکھی تھی جو اسے خاصی اچھی لگی تھی۔ ویل ڈریس، خوب صورت شکل و صورت والا نوجوان اس کے دل کو بھایا تھا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جو افضل بھائی کے بعد اس کی زندگی میں آیا تھا اور پھر ایک رات باتوں باتوں میں کومیل کی کہی ہوئی بات نے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ ''آئی لو یو'' کا میسج پڑھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا

WAQAR AZEEM Pakistani Point.com

تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی دوستی کا یہ نتیجہ نکلے گا اور پھر اگلے میسج پر موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بمشکل بچا تھا۔

''میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ جیسی لڑکی مجھے دوبارہ نہیں ملے گی۔ ہماری انڈر اسٹینڈنگ بہت اچھی ہے اسی لیے میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے کیونکہ میرے خیال میں کسی بھی رشتے کو کامیاب بنانے کے لیے انڈر اسٹینڈنگ بہت ضروری ہے۔'' وہ میسج کا ریپلائے نہیں کر پائی تھی لیکن چند ساعت کے لیے وہ اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی۔ آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں پر ڈھلک گئے تھے۔ کتنی دیر وہ اکیلی بیٹھی روتی رہی تھی۔ وہ اس وجہ سے نہیں رو رہی تھی کہ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہو رہا تھا بلکہ وہ اس لیے رو رہی تھی کہ افضل بھائی سے زیادہ بھی وہ اس دنیا میں کسی شخص کے لیے اہم ہے جو اسے وقت دیتا ہے، اس کا درد بانٹتا ہے، اس کی تنہائی دور کرتا ہے، اس کو سنتا ہے اور یہی اس کے لیے بہت تھا۔ کتنے دن تک اس نے کومیل سے کوئی بات نہیں کی تھی نہ ہی کوئی میسج کیا تھا مگر اس کے کیے ہوئے ان میسجز نے اسے کتنے دن تک اضطراب میں مبتلا رکھا۔ کتنے دنوں تک وہ ان سوالات میں الجھی رہی تھی۔

''کیا برائی ہے کومیل میں، اچھی شکل وصورت ہے، پڑھا لکھا بھی ہے، مجھ سے محبت بھی کرتا ہے، میرا احساس بھی کرتا ہے، میں اپنے دل کی ہر بات اس سے کتنے آرام سے کر سکتی ہوں اتنا تو میں افضل بھائی سے بھی نہیں کر سکتی اور ویسے بھی دو سال میں مجھے اس میں ایسی کوئی برائی نظر نہیں آئی جس کی بناء پر میں اسے ریجیکٹ کر سکوں۔''

جس بات کا جواب اتنے دنوں سے وہ خود سے مانگ رہی تھی۔ ایک رات خود ہی اس کے ضمیر نے اسے دے دیا تھا اور پھر اس پر کچھ غور وخوض کرنے کے بعد اس نے کومیل کو اپنی زندگی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

یہ دو سال اس کی زندگی کے بھرپور گزرے تھے۔ اسے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ ایف ایس سی کے فائنل ایگزامز بھی ہو گئے تھے اور آج کل وہ گھر میں بالکل فارغ تھی جب شام کو چائے بنا کر ہوا خوری کے لیے ٹیرس پر آئی تو نوٹیفکیشن پر اس نے اپنا موبائل آن کیا تھا مگر اس کے بعد کھلی فضا میں بھی اس کے لیے سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا۔ کومیل..... کومیل لغاری اس سے شادی کرنے کا کہہ رہا تھا وہ بھی دو دن کے اندر اندر۔ وہ بری طرح گڑبڑا گئی تھی کہ آخر اسے اتنی جلدی کیا ہے اس نے کومیل کو فون کر کے پوچھا تھا۔

''کومیل آپ کیوں شادی اتنی جلدی کرنا چاہتے ہیں، ابھی تو میرا ایف ایس سی کا رزلٹ بھی نہیں آیا۔'' وہ گھبرا کر بول رہی تھی مگر دوسری طرف سے آنے والی آواز بہت پرسکون تھی۔

''تم کیوں پریشان ہوتی ہو رامین! تم اتنی اچھی اتنی لائق ہو تمہارا رزلٹ بہت اچھا آئے گا، مجھے پورا یقین ہے تم پر۔'' اور یہی وہ پیار بھرا اعتماد تھا جس کے سامنے اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ جایا کرتا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

''مگر افضل بھائی اتنی جلدی کبھی نہیں مانیں گے۔ وہ مجھے پڑھانا چاہتے ہیں اور ایف ایس سی کی ڈگری کی آج کل ویلیو ہی کیا ہے۔'' اس بار اس کا انداز بھی نرم تھا۔

تم سے کس نے کہا ہے رامین کہ میں شادی کی بات کر رہا ہوں اصل چیز تو نکاح ہوتی ہے میں تو صرف اسی کی بات کر رہا ہوں۔ ہم ابھی صرف نکاح کر لیتے ہیں تاکہ پھر کوئی تمہیں مجھ سے جدا نہ کر سکے تم پڑھتی رہنا اور پھر جب تمہاری پڑھائی مکمل ہو جائے گی تو پھر ہم شادی کر لیں گے۔'' وہ کتنے اطمینان سے بول رہا تھا مگر رامین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ افضل بھائی کبھی نہیں مانیں گے اتنی جلدی اس کا نکاح کرنے کے لیے کیونکہ وہ کئی بار مذاق مذاق میں اس کا ذکر کر چکے تھے۔

''میں تو رامین تمہیں پہلے اچھا سا پڑھاؤں گا اور پھر ہی کہیں جا کر تمہاری شادی کروں گا۔ لڑکیوں کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے آخر انہوں نے ایک نسل کی تربیت کرنی ہوتی ہے۔'' بے ساختہ اسے افضل بھائی کی بات یاد آ گئی تھی اور اس نے نفی میں سر ہلا کر کومیل کی باتوں کو بڑی سہولت سے رد کر دیا تھا۔

''نہیں کومیل ابھی صحیح وقت نہیں ہے ہمیں ابھی صبر کرنا چاہیے۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر کومیل نے مغموم سے انداز میں اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور پھر فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا رامین! مجھے تمہارے بارے میں بہت سی ان سیکیورٹیز ہیں میں تمہیں مزید اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اسی لیے جلد از جلد تم سے نکاح کر کے ایک جائز رشتے میں تمہیں باندھ دینا چاہتا ہوں تاکہ پھر کوئی ہمارے درمیان نہ آ سکے اور ویسے بھی ممی آج کل میرے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ہم ایک دوسرے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں گے۔''

اس کے درد بھرے نرم لہجے نے رامین کے دل کو چھلنی کر دیا تھا۔ وہ کومیل کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور سوچنے کے لیے اس کے پاس وقت بھی زیادہ نہیں تھا۔ اس نے رات جاگتی آنکھوں کے ساتھ کاٹی تھی اور پھر صبح تک وہ یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ کومیل سے نکاح کر لے گی۔ صبح اٹھتے ہی اس نے یہ بات کومیل کو میسج کر کے بتا دی تھی۔ دو دن بعد کومیل نے اسے ایک ایڈریس بھیج کر اپنے دوست کے فلیٹ میں آنے کو کہا تھا جہاں اس کا دوست اور بھابی رہتے تھے۔ فی الحال وہ یہ نکاح خفیہ رکھیں گے اور اس کے بعد صحیح وقت آنے پر جب رامین کی تعلیم مکمل ہو جائے گی وہ سب کو بتا کر رخصتی کر لیں گے۔ یہی ان کے درمیان طے ہوا تھا۔ کومیل نے اسے میسج کر کے ٹائم اور ایڈریس دونوں ہی بتا دیے تھے۔

☆.....☆

دو دن بعد وہ بڑی احتیاط سے صبح دس بجے گھر سے نکلی تھی اسے اطمینان تھا کہ افضل بھائی فیکٹری جا چکے ہیں اور اب وہ شام کو ہی واپس لوٹیں گے اور پھر ان کے گھر لوٹنے سے قبل تو وہ بھی گھر آ ہی چکی ہو گی۔ وہ بے حد خوش تھی۔ آج وہ شخص اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا، جسے اس نے چاہا تھا جو اس کا پرفیکٹ میچ تھا، جو بن کہے ہی اسے سمجھ جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جس کی عزت اس کی عزت تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر اس متعلقہ ایڈریس تک پہنچ جائے۔ رکشے میں بیٹھ کر وہ نہ جانے اپنے اور کومیل کے بارے میں کیا کیا سوچتی رہی تھی اور پھر پندرہ منٹ بعد رکشہ ایک بڑی سی بلڈنگ کے سامنے جا کر رکا تھا۔ اس نے کرایہ دینے کے بعد گردن اٹھا کر اس اونچی پانچ منزلہ عمارت کو دیکھا تھا جس میں بہت سے فلیٹس تھے۔ وہ بڑی پرجوش سی اندر داخل ہوئی تھی اور پھر فون پر لکھا ایڈریس تلاشنے لگی۔ یہ فلیٹ تو آخری منزل پر تھا۔ اس نے بغور دیکھا اور پھر لفٹ کے ذریعے وہ آخری منزل پر پہنچ گئی تھی۔ وہاں کتنے ہی فلیٹس کے دروازے تھے اب ان میں سے کومیل کے دوست کا فلیٹ کون سا ہے؟ وہ کنفیوژ ہو گئی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک دروازہ ناک کرنے ہی کو تھی کہ شور شرابے کی آواز پر وہ ٹھٹک کر مڑی تھی۔ پچھلے فلیٹ کے ادھ کھلے دروازے سے بلند قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ متجسس سی مڑ کر اس دروازے تک آئی تھی اور پھر یک دم ہی اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

''تو اور کیا؟ اتنی محنت سے شکار ہاتھ آیا ہے۔ دو سال سے پاگلوں کی طرح محنت کی ہے اس احمق لڑکی پر تب کہیں جا کر آج یہ دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے۔'' وہ نشے میں دھت اس آواز کو لاکھوں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ یہ آواز پورے دو سال وہ فون پر سنتی آئی تھی۔ یہ کومیل بخاری کی آواز..... مگر تب اس میں بہت ٹھہراؤ اور شائستگی ہوتی تھی

مگر اب اس کے الفاظ کا ڈھیلا پن بمشکل ہی جملہ مکمل ہونے دے رہا تھا۔
''محنت بے شک تو نے کی ہے مگر یار تو پھر تیرے ہم بھی ہیں۔ مفت کے مال کا فائدہ صرف تو تھوڑی اٹھائے گا یاروں سے بھی یاری نبھانے کا وقت ہے اب۔'' ایک اور شخص کی شوخ آواز گونجی تھی جس سے وہ قطعاً واقف نہیں تھی مگر اپنے ساتھ اتنے بڑے فراڈ پر اس کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔ ادھ کھلے دروازے سے اس نے اندر کا منظر دیکھا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ تین لڑکوں میں گھرا بیٹھا کومیل بوتل لبوں سے لگائے ہوئے تھا اور ساتھ بیٹھا موٹا سا شخص سگریٹ پھونک رہا تھا۔ ڈسپوزیبل کھانے کے برتنوں کا ڈھیر سامنے میز پر لگا تھا۔ ساتھ ہی سنہرے مشروب کی کتنی ہی بوتلیں زمین پر لڑھک رہی تھیں۔ اس کا دل بری طرح کانپ اٹھا۔ لاشعوری طور پر وہ نیچے کی طرف بھاگی تھی اور اس کے قدموں کی چاپ پر ہی کوئی اس کے پیچھے آیا تھا۔
''اوئے پکڑو اسے شکار ہاتھ سے نکل رہا ہے۔'' اس دہاڑتی آواز پر وہ مزید گھبرا گئی۔ وہ قدم کہیں بڑھا رہی تھی اور اس کے قدم کہیں اور پڑ رہے تھے۔ آنکھوں کے آگے سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی خوف زدہ سی سیڑھیاں اتر رہی تھی اور وہ درندے برابر اس کے تعاقب میں تھا کہ دفعتاً تیسری منزل کی سیڑھیوں پر جا کر وہ کسی مضبوط وجود سے ٹکرائی تھی۔ ''آئی ایم سوری۔'' ٹکرانے والے وجود نے اس حواس باختہ خوف زدہ لڑکی کو مضبوطی سے بازوؤں سے تھام کر گرنے سے بچایا تھا اور پھر معذرت خواہانہ انداز میں بولا تھا مگر اسے ابھی کوئی ہوش نہیں تھا کہ کون اس کے سامنے ہے کون کیا کہہ رہا ہے۔ اس پل اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا اگر اسے اس وقت کسی چیز کا ہوش تھا تو صرف اپنی عزت کا کہ کسی بھی طرح اسے اپنی عزت بچانی ہے۔ وہ ابھی اس شخص کی گرفت میں ہی تھی جب اس نے اپنی پشت پر کومیل کی سرگوشیانہ آواز سنی تھی۔
''ابے واپس چلو اس کے ساتھ تو لڑکا بھی ہے۔'' اور پھر اس نے وہ قدم اپنے قریب سے دور ہوتے محسوس کیے تھے۔ خطرہ ٹل گیا تھا۔ گہری سانس لیتے ہی پہلی بار اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔
''آپ ٹھیک ہیں؟'' لڑکے نے اسے آزاد کرتے ہوئے قدرے گھبرا کر پوچھا تھا۔ رامین نے پہلی بار نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ نوجوان متلاشی نظروں سے اس کے جواب کا منتظر تھا لیکن رامین بغیر کوئی جواب دیے ہراساں اور شرمندہ سی بقیہ سیڑھیاں اترتی ہوئی وہاں سے بھاگ نکلی تھی۔ گھر آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اپنی بے وقوفی پر، اپنی احمقانہ حرکت پر اور پھر کتنے ہی دن وہ بخار میں پھنکتی رہی تھی۔ افضل بھائی نے اس سے بہت پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ خاموش رہی پھر انہوں نے خود سے ہی یہ سمجھنا شروع کر دیا تھا کہ پڑھائی کی وجہ سے اس نے اسٹریس لیا ہے اسی لیے بخار ہو گیا ہے۔
''میں نہیں بتا سکتی آپ کو افضل بھائی کہ آپ کی یہ لاڈلی اکلوتی بہن آپ کی عزت کو ڈبونے چلی تھی۔ یہ تو آپ کو جیتے جی مار دینا چاہتی تھی پھر آپ کیوں اس کی خدمت کر رہے ہیں۔ میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ میرا اس طرح خیال رکھیں۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی کہ آپ کا یوں میرا خیال رکھنا مجھے کتنی تکلیف میں مبتلا کر رہا ہے۔''
جب بھی افضل بھائی اسے دوا کھلاتے یا پھر کھانے کی ٹرے بنا کر اس کے سامنے پیش کرتے تو وہ بلک اٹھتی تھی اور پھر طبیعت بہتر ہوتے ہی اس نے اللہ سے توبہ کر لی تھی اور اس نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ اب سے وہ افضل بھائی کے خواب کو پورا کرے گی اور دل لگا کر پڑھائی کرے گی اور پھر اس نے ہو بہو ایسا ہی کیا تھا۔
اس کا ایف ایس سی کا رزلٹ بہت اچھا آیا تھا تب ہی اس نے افضل بھائی کے کہنے پر چین کی یونیورسٹی میں اپلائی کیا تھا اور پھر وہ ایک مضبوط کردار کے ساتھ ایک دلیر لڑکی بن کر اپنا ماضی یہیں چھوڑ کر چین چلی گئی تھی کہ اب

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اسے اپنی شخصیت سنوارنا تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ بات اللہ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اللہ توبہ کے بعد اسے کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا۔

☆.....☆

ساری رات وہ یوں ہی زمین پر پڑی تڑپتی رہی۔ کسی نے بھی دروازہ ناک کر کے اس سے کچھ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی لیکن وہ شور و غل وہ ہنگامہ جو رات سے برپا تھا صبح تک جاری رہا۔ درمیان میں کچھ دیر کے لیے خاموشی ضرور ہوئی تھی مگر اب پھر سے وہ آوازیں اسی نفرت آمیز القاب کے ساتھ سنائی دینے لگیں۔ اس نے آنسوؤں سے لدی پلکیں اٹھا کر دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ سہیل آ گئے ہیں اور اب کیا ہوگا وہ یہ بھی جانتی تھی۔ اس کا گھر ٹوٹ جائے گا، وہ بس اب اور صرف چند ساعتوں کی ہی مہمان ہے اور پھر طلاق کے دھبے کے ساتھ اسے دھکے دے کر یہاں سے نکالا جائے گا۔ اس نے بے تابی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا تھا کہ ایک کوشش تو ہر شادی شدہ عورت کی طرح وہ بھی اپنا گھر بچانے کی کرے گی مگر پھر اس کے قدم نبیلہ چچی کے زہریلے لہجے نے جکڑ لیے تھے۔

''کیا ہوا ہے؟ یہ اپنی بدکار اور بے حیا بیوی سے پوچھو جو رات کے پہر شوہر کی غیر موجودگی میں شش.....ش..... میں تو جوان جہان لڑکیوں کے سامنے بول بھی نہیں سکتی، جاؤ بچیوں اندر جاؤ۔'' انہوں نے عطیہ، اریبہ اور صبا کو اٹھ جانے کا اشارہ کیا مگر وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر ہی بیٹھی رہی تھیں۔

''کیا کیا ہے اجالا نے آپ صاف صاف بتائیں مجھے۔'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔ سالار نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ آصفہ پھوپھو نے اسے ٹوک دیا۔

''مجھے تو بتاتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے کہ رات کو ہم سب نے تمہاری بیوی کو کس حالت میں رات کے اندھیرے میں سالار کی بانہوں میں جھولتے دیکھا تھا۔''

''یہ جھوٹ بول رہی ہیں بھیا! ان سب کو شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے اور میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب چھوٹی سی بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر کیوں بیان کر رہے ہیں اور آخر بھابی پر الزام لگا کر انہیں ملے گا کیا؟'' وہ ضبط کھو کر حیرانی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''دیکھو سہیل! تمہاری بیوی نے جو بھی کیا اس کے گواہ گھر کے تمام ہی افراد ہیں۔ یہ تو ابھی صرف ایک رات کی بات تھی۔ وہ تو اللہ لائٹ والوں کا بھلا کرے ورنہ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلنا تھا کہ رات کے اندھیرے میں یہ کب سے اور کتنی دیر سے یہ گل چھرّے اڑا رہے ہیں۔'' نبیلہ چچی کے الفاظ پر اجالا اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ سب کتنی دیدہ دلیری سے جھوٹ پر جھوٹ بول رہے تھے۔ وہ باہر جانے کی ہمت نہیں کر پائی۔ بمشکل وہ بیڈ تک آئی تھی اور اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر فقط اتنا بڑبڑائی تھی۔

''تیرے سوا کوئی گواہ نہیں ہے میری پاکدامنی کا اے میرے اللہ۔ بے شک تو ہی ہے جو ہزار دشمنوں کو شکست دینے والا ہے۔ اندھیرے میں روشنی کرنے والا ہے اور بے شک تو ہی دشمنوں کے خلاف بہترین چال چلنے والا ہے۔ مجھ پر کرم فرما میرے مالک! میرا کوئی نہیں ہے تیرے سوا۔'' اسے قرآن پاک کی بہت سی آیتوں کا مفہوم ایک دم یاد آ گیا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر ساتھ لیٹے فائز کو دیکھا جو اس بات سے بے خبر سو رہا تھا کہ اس کی ماں پر کتنی بڑی قیامت ٹوٹ گئی ہے اور پھر بے بس سی ہو کر اس نے اس آخری عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ وہ اب بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کرنے لگی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

☆.....☆

کتنی دیر وہ خاموش سب کی گفتگو سنتا رہا تھا۔ اب تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ اسے یہ سب لایعنی باتیں لگ رہی تھیں۔ وہ ایک بار اجالا سے پوچھنا چاہتا تھا مگر دوپہر ہونے والی تھی اسے وہ اب تک دکھائی نہیں دی تھی بالآخر وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''عطیہ جاؤ جا کر سہیل کے لیے پانی لے کر آؤ اور پھر کھانا بھی لگاؤ۔ پتا نہیں بے چارے نے ناشتہ کیا بھی ہے یا نہیں۔'' اسے اٹھتا دیکھ کر نبیلہ چچی نے فوراً عطیہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور پیچھے ایک بار پھر سب چہ مگوئیاں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ سہیل نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فائز کے سرہانے اجالا کو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندیں دیکھا۔ ایک ہی رات میں وہ کتنی کمزور پڑ گئی تھی۔ زرد چہرہ اور آنکھوں کے گرد حلقے اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ تنہا کس قیامت سے گزری ہے۔ اس کو بغور سر تا پا گھورنے کے بعد وہ بڑی خاموشی سے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اجالا نے بند آنکھیں ایک جھٹکے سے کھول دیں اور پھر وہ جیسے کرنٹ کھا کر سہیل کے سینے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپ جانتے ہیں سہیل میں ایسی نہیں ہوں۔ آپ کی اجالا آپ کے ساتھ بے وفائی کر ہی نہیں سکتی۔ یہ سب لوگ غلط بیانی کر رہے ہیں، الزام لگا رہے ہیں مجھ پر اور سالار پر۔'' وہ ہچکولے کھاتے ہوئے بولی تھی اور سہیل بت بنا سب سن رہا تھا۔ اجالا نے تمام بات روتے ہوئے اس کے گوش گزار دی۔ اجالا کی سسکیوں پر فائز رو پڑا۔ سہیل نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے خود سے علیحدہ کیا اور پھر وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اجالا بھی فائز کو اٹھا کر بڑے اضطراب سے پیچھے گئی تھی جب اس نے بڑے غصے میں پہلی بار سہیل کو سب کے سامنے چلاتے ہوئے سنا تھا۔

''میں نے آپ سب کی بات سن لی ہے اور اجالا کی بھی لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے میری غیر موجودگی کا اس طرح فائدہ اٹھایا۔ میری پاکدامن بیوی پر الزام لگانے سے پہلے کچھ تو سوچا ہوتا۔ کچھ تو خوف خدا ہوتا کہ یہ وہی اجالا ہے جس نے میرے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اپنی تمام خواہشیں مار ڈالیں اپنے آپ کو اپنی ذات کو بھلا دیا..... سب نظر آتا ہے مجھے اس کی خدمتیں، قربانیاں اور آپ کی سازشیں اس لیے آئندہ میری بیوی پر الزام لگانے سے پہلے سو بار سوچیے گا کیونکہ اگلی بار میں برداشت نہیں کروں گا۔'' اس کی رعب دار گرجتی آواز نے سب کو ہراساں کر دیا تھا خاص کر اجالا کو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سہیل جنہیں وہ اتنا سخت دل سمجھتی تھی انہیں اس کی اتنی پروا ہے، انہیں اس پر اتنا اعتماد ہے اور اسی اعتماد نے اسے پچھلے چند گھنٹوں سے جھکی گردن اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اب وہاں موجود سبھی افراد کے چہرے دھواں دھواں ہوتے دیکھے تھے۔

سہیل اب سالار کی طرف بڑھے تھے اور بڑی محبت سے اس کا کندھا تھپتھپا کر بڑے فخریہ انداز میں بولے۔

''مجھے یقین ہے میرا بھائی لوز کریکٹر نہیں ہے اور نہ ہی وہ اتنا گھٹیا ہو سکتا ہے کہ ایسی کوئی بے ہودہ حرکت کرے۔ اجالا کھانا لگاؤ میرے لیے۔'' کمرے میں واپس جاتے ہوئے وہ اجالا کو کھانے کا کہہ کر سب کو ساکن چھوڑ گیا تھا۔

☆.....☆

اس واقعے کو تین دن گزر گئے تھے اور ان دنوں گھر کا ماحول کچھ کھنچا کھنچا سا تھا۔ سب گھر والوں نے اجالا سے گفتگو کم کر دی تھی اور سالار بھی اب کافی احتیاط برت رہا تھا۔ دوپہر کو کھانے کے بعد امی نے سالار کو اپنے پاس کمرے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میں ضروری بات کا کہہ کر بلایا اور وہ کھانے کے فوری بعد ہی ان کے کمرے میں چلا آیا۔
''امی! کیا ضروری بات کرنی تھی سب خیریت تو ہے؟'' وہ حیرت سے پوچھتا بیڈ پر بیٹھ گیا۔
''سالار حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے اور اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ تم جلد از جلد شادی کرلو۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بول رہی تھیں اور سالار کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ اسے امی سے اس طرح کی بات کی توقع نہیں تھی۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتا آمنہ پھوپھو نے اندر داخل ہوتے ہی مداخلت کی۔
''ٹھیک کہہ رہی ہیں سالار تمہاری امی اور آپ لوگوں کو باہر رشتے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ خاندان میں بچیاں موجود ہیں پھر کس بات کی مشکل اور ویسے بھی میں نے اریبہ کے لیے ہمیشہ سالار کو ہی سوچا ہوا تھا۔'' موقع سازگار دیکھ کر انہوں نے اپنے من کی بات لبوں پر لانے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کی مگر امی جو پہلے ہی ان کے ارادے سے واقف تھیں انہوں نے بڑی سمجھداری کا ثبوت دیا۔
''عطیہ، اریبہ اور صبا کو میں نے اپنی ہی بچیاں سمجھا ہے وہ میرے لیے بالکل میرے بچوں کی طرح ہیں۔ اللہ ان کے بھی نصیب اچھے کرے مگر سالار کا رشتہ میں سہیل کی طرح خاندان سے باہر ہی کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی کسی قسم کی پھوٹ چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ میں تمہاری بیٹی لے کر نبیلہ کو ناراض کردوں۔ وہ بھی تمہاری طرح سالار کو داماد بنانے کی خواہش مند ہے تو بہتر ہے ایسا فیصلہ ہی نہ کیا جائے جو آپس میں ناراضی کا موجب بنے۔'' امی وضاحتی انداز میں بولی تھیں اور پھوپھو نے اس کا مطلب الٹ ہی لیا۔ انہوں نے اسے اپنی ذلت اور اہانت سمجھا۔
''مجھے لگا تھا کہ آپ میری بات کا احترام کریں گی لیکن نہیں اس گھر سے رشتہ تو صرف بھائی صاحب تک ہی تھا وہ اگر زندہ ہوتے تو میری اس خواہش کو ضرور پورا کرتے۔ اب میں یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گی جہاں میری بیٹی کو دھتکارا جائے وہاں میں کبھی نہیں آؤں گی۔'' وہ جلتی کڑھتی باہر نکل گئیں۔ سالار نے گڑبڑا کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے لیکن کم از کم وہ یہیں ہو رہا جو وہ سوچ کر آیا تھا۔ آصفہ پھوپھو نے شور مچا کر پورے گھر کو اکھٹا کرلیا اور یہ بات بڑے دکھ سے ناٹک کرتے ہوئے انہوں نے سب کو سنائی۔ ساتھ ہی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ نبیلہ چچی کو جب یہ بات پتا لگی تو وہ بھی چلا اٹھیں۔
''اپنی بڑی بہو تو جیسے بڑی کام کی لائی ہو اب چھوٹی بھی ایسی ہی لانے کا ارادہ ہے کیا؟ ویسے بھی ہمیں بھی اب ایسے گھر میں رشتہ دینے کی کوئی مجبوری نہیں ہے جہاں اتنی بے ہودگی ہوتی ہو۔''
''خبردار کسی نے اگر اجالا کے بارے میں کچھ کہا تو..... اس نے مجھے جتنا سکھ دیا ہے اتنا تو تمہاری بیٹیاں مجھے دے ہی نہیں سکتی تھیں۔ دو دن سے گھر میں ہنگامے کی وجہ سے میری طبیعت بری طرح خراب ہوگئی تھی اور میری بہو دو راتوں سے میرے ساتھ جاگی ہے، سگی بیٹیوں سے بھی زیادہ خدمت کی ہے اس نے میری اور اپنے اوپر لگائے گئے غلط الزامات بھی اس نے سچائی بتا کر دور کردیے۔ وہ صرف ایک غلط فہمی تھی آنکھوں دیکھا دھوکا تھا۔ میرے پاکدامن بیٹے اور بہو دونوں کی کوئی غلط نیت نہیں تھی۔'' امی کے لیے اب اشتعال دبانا مشکل ہوگیا اور وہ کسی کو کسی قسم کی آس پر رکھنا بھی نہیں چاہتی تھیں اس لیے انہوں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔
اپنی ساس کے لبوں سے اپنی تعریف سن کر اس کا دل خوشی سے کھل اٹھا۔
''زندگی میں کوئی خوشی، کوئی رشتہ، کوئی جذبہ کبھی مستقل نہیں ہوتا۔ ان کے پاؤں ہوتے ہیں۔ ہمارا سلوک اور رویہ دیکھ کے کبھی یہ بھاگ کر قریب آجاتے ہیں اور کبھی آہستہ آہستہ دور چلے جاتے ہیں۔'' چند دن پہلے میگزین

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میں پڑھی یہ بات اسے اچانک سے یاد آئی تھی۔ اس نے بھی تو اپنے سلوک اور رویے سے سب کو جیتا تھا، اتنے الزامات کے باوجود اس نے اپنا رویہ خراب نہیں کیا بلاشبہ آج اسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ رشتوں کا انحصار کافی حد تک ہمارے دوسروں سے ساتھ کیے جانے والے سلوک اور رویے پر ہوتا ہے۔ گھر میں طوفان برپا ہوا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آصفہ پھوپھو اور نبیلہ چچی اپنا سامان باندھے اپنی بیٹیوں سمیت گھر سے روٹھ کر چلی گئی تھیں اور مزے کی بات کسی نے انہیں روکا بھی نہیں۔

☆.....☆

''واہ بھابی آج تو بڑی خوشبو آ رہی ہے کیا کوئی خاص مہمان آ رہے ہیں یا پھر کہیں آپ کی وہ سہیلی تو نہیں آ رہی۔ مجھے تو لگا تھا وہ ناراض ہو کر گئی ہے جو دوبارہ آئی ہی نہیں۔'' وہ سرسری سے انداز میں شیلف پر رکھی ٹرے میں سے کھیر اٹھاتے ہوئے بولا تھا اور اجالا آنچ آہستہ کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''صحیح پہچانا رامین ہی آ رہی ہے۔ کل اس کی کال آئی تھی اس نے پنجاب یونیورسٹی میں میرے ایڈمیشن کے لیے اپلائے کر دیا ہے اور اب وہ مجھے فارم دینے آ رہی ہے اسی لیے یہ سب اسپیشل اہتمام میں نے اسی کے لیے کیا ہے۔'' اجالا نے مڑتے ہی شیلف کے ساتھ ٹیک لگائی تھی اور پھر وہ کتنے کھلے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔ سالار نے بغور اسے گھورا۔ کتنے دنوں بعد وہ اس طرح خوش گوار موڈ میں نظر آئی تھی، اس کی آنکھوں میں یہ چمک، جب سے وہ یہاں آیا تھا تب سے ہی غائب تھی اور اب اچانک سب کچھ کتنا بدل گیا تھا۔ وہ آج تیار بھی بھرپور ہوئی تھی۔ کالے رنگ کے چوڑی دار پاجامے اور ریشمی قمیص کے ساتھ لال لپ اسٹک اور آدھے کیچر میں قید بال اس کے سراپے کو مزید نکھار رہے تھے۔ وہ کیوں خوش تھی اسے پتا چل گیا تھا اور سے حیرت بھی ہوئی تھی کہ کیا تعلیم کے حصول کی خوشی ایسے بھی لوگوں کو ہوتی ہے؟ ایسا طبقہ بھی ہمارے ہاں موجود ہے جو تعلیم حاصل کرنے کا خواہش مند ہے مگر جب ان سے یہ دولت چھین لی جاتی ہے اور پھر بہت سی آزمائشوں کے بعد واپس لوٹا دی جاتی ہے تو وہ ایسے ہی کھل اٹھتے ہیں جیسے کوئی بہت بڑی دولت ہاتھ لگی ہو..... سالار نے اجالا کو دیکھتے ہوئے پہلی بار اس نہج پر سوچا تھا اور پھر ''وش یو بیسٹ آف لک'' کہتا ہوا وہ بھرپور انداز میں مسکراتا باہر نکل گیا۔

''تم سے میں نے کہا بھی تھا اجالا کہ میں تھوڑی دیر کے لیے آؤں گی وہ بھی صرف فارم دینے کے لیے پھر بلاوجہ اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' رامین کو اجالا کا یوں روکنا بہت برا لگا تھا تب ہی وہ فارم پکڑاتے ہوئے خفا ہو رہی تھی۔

''تم نہیں جانتیں رامین کہ تم نے میری کتنی بڑی مشکل آسان کر دی۔ ریگولر مجھے کہیں پر بھی ایڈمیشن نہیں مل رہا تھا اور اب پرائیویٹ تھینک یو سو مچ رامین میں تمہارے لیے جتنا بھی کروں مجھے تو وہ کم ہی لگتا ہے۔'' اجالا کے محبت بھرے لہجے میں اس کی انتہا کی شکر گزاری تھی۔

وہ اسے زبردستی کھینچ کر لاؤنج تک لائی تھی اور رامین وہ سالار کی وجہ سے اندر آنا نہیں چاہ رہی تھی مگر پھر بھی دوست کی خاطر وہ بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتی رہی مگر اب کھانے کی میز پر اتنے لوازمات دیکھ کر وہ واقعی گھبرا گئی۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ اجالا یوں کھانے پر روک لے گی تو وہ کبھی دوپہر کے وقت یہاں نہ آتی یا پھر کسی ملازم کے ہاتھ ہی فارم بھجوا دیتی۔ خلاف توقع آج خاموش بیٹھی تھی اور اس کی اس واضح تبدیلی کو سبھی نے نوٹ کیا تھا۔ کھانے کی میز پر گھر کے تمام افراد ہی موجود تھے اور رامین حتی المقدور سالار سے نظریں ملانے سے گریز کر رہی تھی۔ آج اسے اجالا کی ساس کا رویہ کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ ان کے پے در پے یہ سوالات اسے الجھا رہے تھے اور سوال بھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وہ جو اس کی اپنی ذات اور فیملی سے متعلق تھے۔ سالار کے سامنے وہ اپنا اور اپنی فیملی کا ذکر کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ اتنے عرصے بعد اسے اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا اور یہاں اس وقت وہ کتنی اذیت میں بیٹھی تھی وہ کسی کو نہیں بتا سکتی تھی۔ کھانا کھانے کے فوراً بعد ہی وہ افضل بھائی کی طبیعت کا بہانہ بنا کر وہاں سے نکل گئی تھی اور وہاں سے نکلتے ہی اس نے بے حد سکون محسوس کیا تھا جیسے برسوں کے قیدی کو اب آ کر رہائی نصیب ہوئی ہو۔

☆.....☆

اجالا کی رجسٹریشن پورے پچیس دن بعد ہو گئی تھی اور اب رامین رجسٹریشن دینے کے لیے اس کے گھر دوبارہ پھر سے نہیں جا سکتی تھی۔ اس میں حوصلہ نہیں تھا ایک بار پھر سالار کی سوالیہ نظروں کا سامنا کرنے کا۔ ابھی تو سب ٹھیک ہے اس کا بھرم قائم و دائم ہے مگر جس دن سالار نے اپنی زبان کھول دی تب کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مرنے سے پہلے ہی قیامت آ جائے گی اور وہ بھی ایک ایسی غلطی کی سزا میں جس کی وہ توبہ برسوں پہلے کر چکی تھی اسی لیے اس نے فون کر کے اجالا کو کے ایف سی بلایا تھا اور یہ ہی اس کے لیے سب سے موزوں جگہ تھی۔

رامین درمیان والی ٹیبل پر اکیلی بیٹھی اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وقت گزارنے کے لیے وہ موبائل آن کر کے ایک آرٹیکل پڑھنے لگی۔ وہ ہمیشہ ہی اپنے وقت کو کسی productive کام میں لگانے پر یقین رکھتی تھی جہاں سے کم از کم اسے کچھ سیکھنے کو تو ضرور ہی ملے اور اب بھی وہ یہ ہی کر رہی تھی جب اجالا اس کی ٹیبل کے بالکل قریب آ کر رکی۔ اس کے سلام کرنے پر رامین نے موبائل بند کر کے پہلی بار اوپر دیکھا تو سالار کو اس کے ہمراہ کھڑا دیکھ کر اسے شاک لگا۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ بھی یوں ساتھ آ جائے گا آخر کو وہ اسی کی وجہ سے تو وہاں نہیں گئی تھی۔

سالار کو اجالا کے ساتھ کھڑا دیکھ کر جانے کیوں اس کا دل یک دم زور کا دھڑکا تھا۔ وہ کیسے اس شخص کا سامنا کر پاتی جو اس کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اب تو اس سے نظریں ملانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے مجرموں کی طرح نظریں چراتی کرسی پر بیٹھی تھی جب کہ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ وہ لمحے بھر کو یہاں سے غائب ہو جائے جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے یا کم از کم وہ سالار کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اب وہ مزید اس کی اپنے آپ پر فکس نظریں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ اس کی غلط فہمی نہیں تھی وہ واقعی اسے بڑے پرتپاک انداز میں گھور رہا تھا۔

وہ اجالا سے محو گفتگو تھی۔ وہ اسے ایڈمیشن کے بارے تفصیلی معلومات اپنی عادت کے برخلاف دے رہی تھی۔ جانے کیوں آج اس کا سارا اعتماد اور خود اعتمادی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ وہ کمزور پڑنے لگی تھی۔ کیا مجرم ڈر اور خوف سے ایسے ہی کمزور پڑ جاتے ہیں؟ یہ لمحہ اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا وہ تو خود سے یہ عہد کر کے آئی تھی کہ وہ آخری بار اجالا سے مل رہی ہے اور اس کے بعد وہ بہت کم اس سے تعلق رکھے گی زیادہ تر فون پر ہی اور اس کے گھر تو اب وہ دوبارہ کبھی کسی قیمت پر بھی نہیں جائے گی مگر بیٹھے بٹھائے اسے اپنے سارے ارادوں پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا۔

''آپ لوگ کیا لیں گے کافی، آئس کریم یا پھر برگر؟'' رامین کی بات کے اختتام پر سالار بڑے محظوظ سے انداز میں بولا تھا اور رامین کو اس کا یہ ہی محظوظ انداز پچھلے دس منٹ سے اندر سے کاٹ رہا تھا۔

''تھینکس کچھ بھی نہیں آئی تھنک مجھے چلنا چاہیے اب۔ راستے میں مجھے ایک دو کام اور بھی ہیں۔'' رامین نے گڑبڑا کر اپنا ہینڈ بیگ تھاما اور پھر کھڑے ہوتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی سے جانے کو تھی جب اجالا نے اسے برف کی طرح سن کر دیا۔

''اجالا پلیز پانچ منٹ دے دو ایکچولی سالار کو تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' پھر اس نے اسی سکتے کی

حالت میں اجالا کو وہاں سے باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس قدر شاکڈ تھی کہ اسے روک بھی نہیں پائی۔
''آپ بیٹھ جائیں پلیز۔'' سالار نے اسے یوں کھڑا دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ جھٹ بیٹھ گئی۔ اب اس میں کھڑے ہونے کی مزید سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔
''سکون آ گیا آپ کو میری زندگی برباد کر کے، پتا نہیں جب خدا معاف کر دیتا ہے تو یہ ظالم اور بے رحم دنیا معاف کیوں نہیں کرتی۔'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ شکستہ سی گردن جھکا کر آنکھیں پونچھنے لگی۔
''میں نے کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا رامین۔'' وہ نرم لہجے میں بڑے وضاحتی انداز میں بولا۔
''نہیں آپ جھوٹ بول رہے ہیں میں کیسے یقین کر لوں آپ پر۔ آپ نے اجالا کو سب کچھ بتا دیا ہے تبھی وہ یہاں سے چلی گئی ہے اور آپ کو بات میرے ماضی کے ہی بارے میں کرنی ہے نا تو ہاں میں وہی لڑکی ہوں وہی بدقسمت رامین جس کا ذکر آپ اس دن کر رہے تھے جسے آپ نے پہلے کہیں دیکھا تھا کس حال میں دیکھا تھا کس کے ساتھ دیکھا تھا وہ آپ کی یادداشت مجھ سے زیادہ بہتر بتا سکتی ہے۔'' وہ خفت زدہ سی بول نہیں پا رہی تھی۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ سالار بڑے انہماک سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار اس نے اسے یوں ٹوٹا بکھرا ہوا دیکھا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل اسے اس حالت میں دیکھ کر پسیج گیا۔ چند لمحے اسے یوں تکنے کے بعد وہ بوجھل سانس لیتے ہوئے بولا۔
''میرا آپ کو وہ بات یاد دلانے کا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا بس مجھے آپ سے ایک بات کی تصدیق چاہیے تھی کہ اس دن آپ کے ساتھ کچھ غلط تو.....'' اس سے قبل کہ سالار اپنا جملہ مکمل کرتا وہ تڑپ اٹھی۔
''نہیں، میری عزت اس رب نے بچالی تھی دروازے پر ہی مجھے ان کی بدنیتی کا علم ہو گیا تھا میرے کردار میں ایسا کوئی کھوٹ نہیں ہے۔'' وہ بچوں کی طرح ٹیبل پر سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ندامت سے وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس گھر میں وہ اتنے دن گزار کر آئی ہے اسی گھر کا ایک فرد اس کے کردار کو مشکوک سمجھتا رہا۔
''اف خدایا جب ہم سچی توبہ کر لیتے ہیں تو ماضی ماضی کیوں نہیں بن جاتا۔ وہ کیوں روپ بدل کر سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔'' اس کی سسکیاں اب ہچکیوں میں بدلنے لگی تھیں۔ اسے پرواہ نہیں تھی کہ وہ کس جگہ اور کہاں موجود ہے۔ اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے کتنی نظریں اس پر اٹھی ہوئی ہیں۔ سالار اسے یوں تڑپتے دیکھتا رہا اور بالآخر نرم آواز میں گویا ہوا۔
''بس میں تمہارے منہ سے ایک بار یہ ہی سننے کا منتظر تھا کہ اس دن تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہوا تھا تم سچی اور پاک تھیں۔ تم سچی اور پاک ہو اور ہمیشہ رہو گی۔ میں پورے ہوش و حواس میں تمہیں پورے سچ کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ اس وعدے کے ساتھ کہ آئندہ کبھی ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ اب سے تم اور میں ایک ہیں اور یہ ہی ہماری زندگی کا خوب صورت سچ ہے۔'' اس کا سارا وجود بھک کر کے اڑا تھا مگر اس سے قبل کہ وہ کچھ بول پاتی سالار نے بڑی محبت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

مجھ کو کھو دو گے تو پچھتاؤ گے بہت
یہ آخری غلطی تم خوب سوچ کر کرنا

.....☆.....

سباس گل

# خوشبو کے تم ہو

''جی ہاں کیونکہ میرے امتحان ہونے والے ہیں۔'' اس نے اب کے قدرے الجھے لہجے میں جواب دیا۔
''امتحان تو شاید میرے ہونے والے ہیں۔'' صارم نے معنی خیز بات کہی۔
''پھر ہم کب چل رہے ہیں؟'' وہ خجل سی ہو کر نظریں چرا کر پوچھ رہی تھی۔

''جانا ضروری ہے۔'' اس نے پھر وہی سوال دہرایا۔
''میری پانچ سال کی محنت اکارت جائے گی۔ آپ کیوں نہیں سمجھتے میرا امتحان دینا ضروری ہے۔'' سارہ نے اس کے روبرو کھڑے ہو کر بے چینی سے کہا۔
''ٹھیک ہے لیکن کیا میرا امتحان لینا بھی ضروری ہے؟'' صارم نے معنی خیز سوال پوچھا۔ وہ وہ سٹپٹا گئی۔ وہ کتنا رومینٹک ہے اصل میں یہ تو اب کھل رہا تھا سارہ پر۔
''آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ آپ میرے ساتھ اسلام آباد چل رہے ہیں یا میں اکیلی ہی چلی جاؤں؟'' سارہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''اکیلے تو اب میں آپ کو کہیں بھی نہیں جانے دوں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

## قسط نمبر 2

''تو پھر؟''

''آپ اپنا سامان پیک کر لیجیے۔ میں نے سیٹس بک کروالی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ کل صبح ساڑھے نو بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد روانہ ہو جائیں گے۔ میرا بھی یہاں کی کمپنی میں جو کام تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔ دو چار دن چھٹیاں بھی کرنا پڑ گئی تھیں بہر حال میرا اصل کام تو اسلام آباد میں ہی ہے۔ ہم وہاں اپنے گھر میں ہی رہیں گے بلکہ گھر تو وہ آپ کے وہاں جانے سے بنے گا۔ میں تو اب تک خالی اور ویران در و دیوار میں رہتا رہا ہوں۔ آپ کے جانے سے وہ در و دیوار بھی مہک اٹھیں گے۔'' صارم نے اسے دیکھتے ہوئے نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ اس کے لہجے کی نرمی اور محبت پر پشیمان سی ہو گئی اور نظریں جھکا کر کمرے سے جانے لگی تو اس نے کہا۔

''سنیے۔''

''جی۔'' اس نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''اگر زحمت نہ ہو تو پلیز ایک کپ چائے بنا دیجیے، میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔'' صارم نے نرمی سے کہا تو اسے اس کے چہرے اور آنکھوں کی حالت کا سبب معلوم ہوا۔

''کوئی پین کلر لی آپ نے۔'' اس کے اندر کی ڈاکٹر اور انسانی ہمدردی فوراً بیدار ہو گئی۔

''نہیں بس آپ چائے بنا دیجیے۔''

''چائے کوئی پین کلر ہے کہ جسے پیتے ہی آپ کا درد سر غائب ہو جائے گا۔ آپ بیٹھیے میں آپ کو ٹیبلٹ دیتی ہوں۔'' اس نے جس رعب اور ناراضی سے کہا تھا۔ صارم کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔ سارہ نے اپنا سوٹ کیس کھول کر اس کی جیب میں سے سر درد کی دو گولیاں نکالیں اور سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر گلاس میں پانی بھر کے صارم کی طرف بڑھا دیں۔ جو اس نے بلا جھجک لے کر پانی کے ساتھ نگل لیں۔ گلاس سارہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''آپ لیٹ جائیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' سارہ نے نرمی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ صارم مسکرا دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ چند منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ سائیڈ ٹیبل پر کپ رکھ کر وہ اپنا سامان چیک کر کے سوٹ کیس میں سیٹ کرنے لگی۔ صارم چائے کے سپ لیتے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر مسلسل محسوس کر رہی تھی۔ صارم کا رویہ اسے حیران، پریشان اور پشیمان کر رہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق ایسا کب سوچا تھا۔ وہ اس قدر عاشق مزاج ہو گا۔ اتنا دھیمے لہجے میں بات کرنے والا اور صلح جو ہو گا یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ وہ سوچتے سوچتے اپنا سامان پیک کر کے فارغ ہوئی تو صارم بھی چائے ختم کر کے لیٹ چکا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ شادی کے شروع کے دنوں کا چارم صارم میں اس مزاج کا سبب بن رہا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد یہ بھی عام مردوں کی طرح ہو جائیں گے۔ سخت، کٹھور، بزنس مائنڈڈ، حاکمانہ انداز کے مالک۔'' سارہ نے دل میں سوچا۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے سارہ عزیز حیدر کہ صارم درحقیقت ایسے ہی لونگ اور کیئرنگ ہوں۔ اور تمہاری وجہ سے تمہارے روڈ رویے کی وجہ سے ایک محبت کرنے والا شخص ہرٹ ہو جائے۔'' اس کے دماغ نے کہا تو اس نے بے اختیار صارم کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ سارہ نے گھبرا کر نظریں چرا لیں۔

''سارہ آپ ایزی ہو کر لیٹ جائیں۔ یوں کنارے پر بیٹھی بیٹھی گر جائیں گی اور یقین رکھیں میں آپ کو ہرگز تنگ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نہیں کروں گا۔'' صارم نے نرمی سے کہا تو وہ شرمندہ ہوگئی۔ اس نے ایک لرزتی نگاہ اٹھا کر دیکھا اور پھر سمٹ کر اس سے کافی فاصلے پر لیٹ گئی۔ صارم مسکرا دیا۔ لائٹ اس کی آنکھوں کو بری محسوس ہوئی تو اٹھ بیٹھا۔

''لائٹ بند کردوں۔'' صارم نے پوچھا۔

''جی.....وہ.....میں۔'' وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

''کم آن سارہ! کیا ہوا، میں نے کہا نا میں آپ کو ہرگز تنگ نہیں کروں گا۔'' صارم نے اسے تاسف اور حسرت سے دیکھتے ہوئے یقین دلایا۔

''یہ بات نہیں ہے۔'' وہ اس کی وضاحت پر شرمندہ سی ہو کر بولی۔

''تو اگر آپ لائٹ آن کر کے سونے کی عادی ہیں تو میں لائٹ آن رہنے دیتا ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ بولی۔

''تو پھر؟''

''آپ لیٹ جایئے میں لائٹ آف کر دیتی ہوں۔'' وہ بستر سے اترتے ہوئے بولی تو صارم کو اس پر بے انتہا پیار آیا۔ وہ مسکرا دیا۔

''او میری جان! سارہ یو آر سو سویٹ۔'' صارم نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ان دیکھی آگ میں جل اٹھی۔ لائٹ آف کر کے دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ تو سو گئی تھی لیکن صارم کو نیند آ رہی تھی نہ ہی چین۔ وہ اس کی تھی۔ اس کے قریب تھی اور اس سے گریزاں تھی بلکہ وہ تو صارم سے اپنی شادی کو زبردستی کی شادی قرار دے چکی تھی۔ اس سے خوش نہیں تھی۔ وہ یہ احساس یہ تلخ حقیقت صارم کا سکھ چین ہی برباد کیے ہوئے تھی۔ مانا کہ یہ اس کی زندگی کا سب سے اہم بڑا اور حیران کن فیصلہ تھا جو اس کی مرضی جانے بغیر کر دیا گیا تھا مگر وہ تو اس سے پیار کرتا تھا۔ کاش! یہ بات سارہ کو وہ بتا سکتا۔ اس کا درد سرکم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا تھا۔

حیدر علی اور خدیجہ بیگم کے چار بچے تھے۔ دو بیٹے معیز حیدر، عزیز حیدر اور دو بیٹیاں سعدیہ حیدر اور شازیہ حیدر۔ حیدرز میندار ہونے کے ساتھ ساتھ صنعت کار بھی تھے۔ لیکن ان میں روایتی زمینداروں اور صنعت کاروں والی عادات اور برائیاں نہیں تھیں۔ وہ مذہبی بھی بہت تھے۔ اپنے مال میں سے زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی چاروں اولادوں کو پڑھایا لکھایا اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو بھائی بہن اور سالی کی اولادوں سے بیاہ دیا۔ وہ اپنے خاندان کو ہر صورت یکجا دیکھنا چاہتے تھے۔

معیز حیدر ایم اے اکنامکس اور عزیز حیدر نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا تھا۔ لہذا دونوں اپنے والد کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ معیز حیدر کی بیوی جمیلہ بیگم ان کی چچا زاد تھیں۔ ان کے تین بچے تھے۔ بڑے بیٹے نوید حیدر تھے ان کے بعد انیلا پھر راحیلہ تھی۔ عزیز حیدر اور امینہ بیگم کے تین بچے تھے۔ امینہ بیگم سے عزیز حیدر کی دوسری شادی تھی۔ ان کی پہلی بیوی عمارہ سے ان کی پہلی اولاد سارہ پیدا ہوئی تھی۔ سارہ پانچ سال کی تھی جب عمارہ برین ٹیومر کے باعث اچانک انتقال کر گئیں۔ ان کی اچانک موت نے جہاں سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا وہاں سارہ کے ننھے دل پر بھی گہرا اثر ہوا تھا۔ وہ ہر وقت مما مما پکارتی رہتی اور روتی رہتی تھی۔ خدیجہ بیگم اور حیدر علی اسے بہلانے کے سو سو جتن کرتے۔

عمارہ کے انتقال کے تقریباً چھ ماہ بعد عزیز حیدر کی شادی ان کی خالہ کی بیٹی امینہ بیگم سے کر دی گئی۔ امینہ بیگم

سے ان کے دو بیٹے تھے۔ شادی کے پہلے سال دانش پیدا ہوا اور دوسرے سال رامش کی پیدائش نے ''حیدر لاج'' کے مکینوں کو خوشی کے دن دکھائے۔ عزیز حیدر اپنے وارث پا کر بہت خوش تھے۔ امینہ بیگم کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کی محبتوں اور مسرتوں کی علیحدہ دنیا بن گئی تھی۔ سارہ اس دنیا میں کہیں فٹ نہیں ہوتی تھی۔

سعدیہ پھوپھو اور حفیظ اللہ کے تین بچے تھے۔ بڑے بیٹے عاصم جو انیلا کے شوہر تھے اور ان کے دو بچے تھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ان سے تین سال چھوٹا صارم تھا جو الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ماسٹر ان کمپیوٹر سائنس کی تعلیم بھی حاصل کر چکا تھا اور ایک معروف کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ پہلے دو سال وہ کراچی کے پلانٹ میں رہا پھر اسلام آباد ٹرانسفر ہو گیا وہاں اسے گھر، گاڑی ٹیلی فون اور میڈیکل کی سہولت مفت دی گئی تھی۔ تنخواہ بھی ستر ہزار روپے ماہوار تھی۔ جو وہ خرچ کم ہی کرتا تھا۔ جمع زیادہ کرتا تھا۔ صارم سے پانچ سال چھوٹی ثانیہ تھی جو فرسٹ ایئر میں پڑھ رہی تھی۔ نوید حیدر کی شادی شازیہ پھوپھو اور پھوپا جواد کی بیٹی عرشیہ سے ہوئی تھی۔ ان کے تین بچے تھے دو بیٹیاں صبوحی اور روحی اور ایک بیٹا ولید جو تین سال کا تھا۔ راحیلہ نے بی اے کیا تھا اس کے بعد سے گھر ہی بیٹھی تھی۔ اس کی بات شازیہ پھوپھو کے بیٹے حماد سے طے کر دی گئی۔ ثانیہ کے سلسلے میں سعدیہ پھوپھو کا ارادہ دانش کو اپنا داماد بنانے کا تھا۔ دانش فرسٹ ایئر میں تھا اور رامش میٹرک میں تھا۔

سعدیہ پھوپھو کی سارہ کی مما عمارہ سے بہت پرانی دوستی تھی انہوں نے اکھٹے کالج میں پڑھا تھا۔ پھر شادی کے بعد وہ ان کے گھر آ گئیں۔ ان کی دوستی اور بھی مضبوط ہو گئی۔ سعدیہ پھوپھو اور عمارہ میں نند بھاوج والی کوئی بات نہ تھی۔ وہ سہیلیوں اور بہنوں کی طرح رہتی تھیں۔ ساتھ ساتھ گھر ہونے کی وجہ سے روز ملاقات تھی۔ سارہ شادی کے پہلے سال پیدا ہوئی تھی اور سعدیہ پھوپھو نے ان سے کہہ دیا تھا۔

''عمارہ! تمہاری سارہ اب میری امانت ہے تمہارے پاس، سارہ میرے صارم کی دلہن بنے گی۔''

''کیوں نہیں مجھے بھلا صارم سے بڑھ کر کوئی اور عزیز ہو سکتا ہے۔'' عمارہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ہیں تو عزیز بھائی۔'' سعدیہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑیں۔

''بس ابا جان! میں نے کہہ دیا ہے سارہ میری بہو بنے گی۔ آپ باقاعدہ اعلان کر دیں۔'' سعدیہ نے حید علی سے کہا تو وہ ہنس پڑے۔ چار سالہ صارم اس ننھی منی گلابی گلابی پھول سی سارہ کو دیکھ دیکھ کر چھو چھو کر خوش ہو رہا تھا۔

''کیوں عزیز اور حفیظ میاں تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے نا۔'' حیدر علی نے ان دونوں سے پوچھا تھا۔ ج مسکرا رہے تھے عورتوں کی باتیں سن کر۔

''ابا جی بھلا ہمیں کیوں اعتراض ہو گا۔ میری فکر تو ختم ہو گئی۔ سارہ کے لیے بر ڈھونڈنے سے بچ گیا۔'' عز حیدر نے کہا تو سب ہنس پڑے۔

''اور ہمیں بھی اتنی پیاری بہو بیٹھے بٹھائے مل گئی ہے اور ہمیں کیا چاہیے، کیوں بیگم۔'' حفیظ اللہ نے سعدیہ ک دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل۔'' سعدیہ نے شوہر کی رضامندی پا کر خوش ہو کر کہا۔

''چلیں پھر سب دعائے خیر کر لیتے ہیں۔ اللہ ان دونوں کو صحت مند، خوشگوار اور خوشحال مستقبل نوازے۔'' حیدر علی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا اور سب نے دعا مانگنے کے بعد دل سے آمین کہا اور مٹھا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سے سب کا منہ میٹھا کرا دیا گیا۔

عمارہ، سارہ کو بہت چاہتی تھیں۔ اس کا ہر کام بڑے شوق سے محبت سے کرتیں۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی جا رہی تھی اور بھی پیاری ہوتی جا رہی تھی۔ رنگ برنگے فراک پہنے ریشمی بالوں کی پونیاں بنائے گول مٹول سی سارہ صارم کو شروع ہی سے پسند تھی۔ وہ اس کے ساتھ کھیلتا، اسے کھلونے اور بسکٹ چاکلیٹ اور پھل وغیرہ جو بھی سعدیہ اسے کھانے کو دیتیں لا کر اسے کھلاتا۔

☆.....☆

دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔ عمارہ کے ہاں دوسرے بچے کی ولادت کا سب کو انتظار تھا مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک دن انہیں چکر آیا اور وہ گر پڑیں۔ سب یہ ہی سمجھے کہ وہ امید سے ہوگئی ہیں جبھی چکرا گئیں ہیں۔ مگر جب ان کا چیک اپ ہوا تو ایسی کوئی بات سامنے نہ آئی۔ دوبارہ سر درد ہوا تو ڈاکٹر نے سٹی اسکین کرانے کا مشورہ دیا اور سٹی اسکین کی رپورٹ سے عزیز حیدر کی ہنستی بستی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ عمارہ کو برین ٹیومر تھا اور وہ بھی خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ آپریشن سے پانچ فیصد صحت یابی کا امکان تھا اور وہ بھی اپنے ملک میں نہیں امریکہ میں جہاں عزیز حیدر نے عمارہ کی میڈیکل رپورٹس بھجوائی تھیں، وہاں کے ڈاکٹروں نے بھی ہلکی سی امید کی کرن دکھائی تھی مگر سب مایوس ہو گئے تھے۔ سعدیہ تو سارہ کو سینے سے لگا کر رونے لگیں۔ انہیں عمارہ کی موت کے خیال سے ہی خوف آ رہا تھا۔ عزیز حیدر نے عمارہ کو امریکہ لے جانے کے تمام انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ مگر عمارہ نے امریکہ جا کر علاج کرانے سے انکار کر دیا۔ سب نے انہیں سمجھایا ان کی منتیں کیں مگر وہ نہ مانیں اور یہ ہی کہتی رہیں کہ

''میں سفر اور آپریشن کی اذیت نہیں اٹھانا چاہتی۔ اس میں وقت نہیں گنوانا چاہتی۔ جو بھی اور جتنا بھی وقت میرے پاس باقی بچا ہے وہ میں آپ سب کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے وطن میں اپنوں کے درمیان مرنا چاہتی ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ عمارہ بیٹی کی بات مان لینا ہی بہتر ہے۔ یہاں جو دعا اور دوا سے ممکن ہے وہ ہم کرتے رہیں گے آگے اللہ مالک ہے۔'' حیدر علی نے پرنم لہجے میں کہا۔

''سعدیہ! تم میری سارہ کا بہت خیال رکھنا۔ اسے میری کمی محسوس نہ ہونے دینا۔ وعدہ کرو تم سارہ کو صارم کی طرح ہی پیار کرو گی۔'' عمارہ نے بھیگتی آنکھوں سے سعدیہ کو دیکھتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''میں وعدہ کرتی ہوں سارہ کو صارم سے بڑھ کر پیار کروں گی۔ تم کیوں فکر کرتی ہو بس تم جلدی سے تندرست ہو جاؤ پھر سارہ کو اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر رخصت کرنا۔'' سعدیہ نے ان کا ہاتھ چوم کر پرنم آواز میں کہا۔

''اتنا وقت کہاں ہے میرے پاس؟ میرا تو اپنا وقت رخصت قریب ہے پیاری۔'' عمارہ نے زخمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا تو سعدیہ رو پڑی۔

''سارہ یہاں آؤ بیٹا مما کے پاس۔'' عمارہ نے اپنے بازو پھیلا کر سارہ سے کہا۔

''مما! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ ڈاکٹر کیوں آتے ہیں آپ کو دوائی کیوں کھلاتے ہیں؟'' سارہ نے ان کے سینے پر سر رکھ کر لیٹ کر معصومیت سے پوچھا تو کمرے میں موجود ہر شخص کی آنکھ پرنم ہو گئی۔

''بیٹا! آپ کی مما بیمار ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر دوائی اس لیے کھلاتے ہیں کے مما کو درد نہ ہو۔ مما ٹھیک ہو

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جائیں۔'' عمارہ نے بھرائی آواز میں جواب دیا اور اس کا سر چوم لیا۔
''مما! آپ کو درد ہوتا ہے۔'' اس نے ان کے سینے سے اپنا سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں بیٹا! بہت درد ہوتا ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولیں تو اس نے ان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر لیا۔
''مما! آپ اچھے والے ڈاکٹر سے اچھی والی دوائی لے کے کھائیں ناں۔''
''میری سارہ ڈاکٹر بنے گی نا اچھی والی ڈاکٹر پھر اپنی مما کا علاج کرے گی۔ دوا پلائے گی اور سارہ کی مما ٹھیک ہو جائیں گی۔'' عزیز حیدر نے سارہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر پرنم لہجے میں کہا تو اس نے عزیز حیدر کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''لیکن ڈیڈی! سارہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے ڈاکٹر تو بڑے ہوتے ہیں۔ مما کو کسی بڑی ڈاکٹر کو دکھائیں اور اچھی والی دوائی لائیں۔ میری مما کو درد ہوتا ہے۔''
''سارہ بیٹا! آپ کی مما کے درد کا علاج اب کوئی ڈاکٹر نہیں کر سکتا۔'' عمارہ نے روتے ہوئے اسے پھر سے سینے سے لگا کر کہا۔
''اللہ میاں تو ہیں۔'' سارہ نے ان کا آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔
''ہاں اللہ میاں آپ کی مما کو اس درد سے نجات دلا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے سارہ کی مما کو اللہ میاں کے پاس جانا ہوگا۔'' عمارہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔
''سارہ بھی مما کے ساتھ جائے گی۔'' سارہ نے ان کے دوپٹے سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔
''نہیں میری جان! سارہ نے تو ابھی ڈاکٹر بننا ہے۔ بیماروں کا علاج کرنا ہے اور بہت ساری خوشیاں دیکھنی ہیں۔ سارہ نے بہت جینا ہے۔''
''سارہ بیٹا! آؤ کھانا کھالو تمہیں بھوک لگی ہوگی نا۔'' سعدیہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
''سارہ مما کے ساتھ کھانا کھائے گی۔'' اس نے عمارہ کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔
''سعدیہ اس کا کھانا یہیں لادو۔ میں اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گی۔ پھر پتا نہیں وقت مہلت دے نہ دے اور اباجی پرسوں سارہ کی پانچویں سالگرہ ہے۔ میں یہ سالگرہ بہت شاندار طریقے سے منانا چاہتی ہوں۔ یہ سالگرہ یادگار ہونی چاہیے۔ آپ انتظامات کرادیں گے ناں۔'' عمارہ نے روتے ہوئے کہا تو سب کے دل کٹ کر رہ گئے۔ صارم ان کے پاؤں کی جانب بیٹھا بے آواز رو رہا تھا۔
''ہاں ہاں ضرور ہوگی یہ سالگرہ شاندار طریقے سے ہی منائی جائے گی، تم فکر نہ کرو۔'' حیدر علی نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر بھیگتے لہجے میں کہا اور پھر سعدیہ سارہ کے لیے کھانا لے آئیں۔ عمارہ اپنے ہاتھ سے سارہ کو اور صارم کو کھانا کھلانے لگیں۔

☆.....☆

سارہ کی سالگرہ کا زبردست اہتمام کیا گیا۔ خاندان بھر سے رشتے دار، دوست احباب، محلے کے لوگ بھی شریک ہوئے۔ سارہ بہت خوش ہو رہی تھی۔ سب اسے سالگرہ کی مبارک باد دے رہے تھے۔ تحائف دے رہے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تھے۔اس کے ساتھ تصویریں اتروا رہے تھے۔ ہر سال اس کی سالگرہ بہت اہتمام سے منائی جاتی تھی۔اس بار خاص اہتمام کیا گیا تھا وہ گھر کی سجاوٹ اور اپنے کپڑوں کی جھلمل دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ یہ سالگرہ اس کے ذہن و دل پر نقش ہو کر رہ گئی تھی۔ چند دن بعد عمارہ، سارہ کو اپنے سینے پر سلاتے سلاتے خود ابدی نیند سو گئیں۔حیدر لاج میں قیامت کا سا سماں تھا۔رو رو کر سعدیہ کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔سب کو روتا اور اپنی مما کو سوتا دیکھ کر وہ پریشان ہو کر مما، مما پکار رہی تھی۔

''مما! اٹھیں ناں مما! مما کی سارہ رو رہی ہے مما اٹھیں ناں۔'' وہ عمارہ کے سینے پر سر رکھتے ہوئے بلک بلک کر بول رہی تھی۔اس کا رونا تڑپنا اور عمارہ کو اس طرح پکارنا سب کے دلوں پر نشتر چلا رہا تھا۔سعدیہ سارہ اور صارم کو لے کر اپنے گھر چلی آئیں۔عمارہ کا آخری دیدار انہیں نہیں کرانا تھا۔ بچے تھے ان کے ذہن پر برا اثر پڑ سکتا تھا۔

''مما کے پاس جانا پھوپھو مما کے پاس جانا۔'' سارہ روتے ہوئے چیخ کر بولی۔

''سارہ میری گڑیا! مما اللہ میاں کے پاس چلی گئی ہیں۔مما کو درد ہو رہا تھا تو اللہ میاں نے مما کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔اب مما کو درد نہیں ہوگا لیکن اگر مما کی سارہ روئے گی تو مما کو بہت درد ہوگا۔روؤ نہیں چند اچپ ہو جاؤ ورنہ مما کو درد ہوگا مما بھی روئیں گی۔'' سعدیہ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر بولیں۔

''سارہ کو..... بی..... اللہ میاں کے پاس جانا ہے۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''نہیں میری جان! اللہ نہ کرے۔سارہ کو زندہ رہنا ہے۔بہت سالوں تک زندہ رہنا ہے سارہ کو۔'' سعدیہ نے تڑپ کر اس کا چہرہ چوم کر کہا اور صارم کو بھی اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

عمارہ کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا۔سارہ کی تڑپ، بے قراری اور اشکباری تھی کہ تھمتی ہی نہیں تھی۔اسے سعدیہ اپنے پاس لے آئی تھیں۔وہ حیدر لاج جاتی تو مما مما پکارتی پھرتی اور اپنی مما کو نہ پا کر رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیتی۔عزیز حیدر کو عمارہ کی موت کے غم کے ساتھ سارہ کی زندگی کے اس موڑ نے بھی دل برداشتہ کر کے رکھ دیا تھا۔گھر میں سارہ کا رونا بلکنا اور آفس میں کام کی کچ کچ.....!! وہ سارہ کی طرف سے فکر مند رہنے لگے تھے۔بالآخر انہوں نے سارہ کو اسلام آباد بھیجنے ارادہ کر لیا۔وہاں اس کے رہنے اور پڑھنے کا بندوبست بھی کرا دیا۔اسکول کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس بھی تھا جہاں دوسرے شہروں سے آنے والے بچے بچیاں رہا کرتے تھے۔اسلام آباد سے واپس سکھر آئے تو گھر پر سارہ کو روتے پایا تو وہ چڑ سے گئے۔سعدیہ اور شازیہ اسے سنبھالنے میں لگی تھیں۔

''مما کے پاس جانا ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''مما کے پاس جانا میرے بس میں ہوتا تو میں نہ چلا جاتا اس کے پاس۔چپ ہو جاؤ اب اگر میں نے تمہیں روتے دیکھا تو گلا دبا دوں گا تمہارا۔'' عزیز حیدر نے سارہ کا بازو پکڑ کر اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا تو وہ معصوم روتے روتے سہم کر حیرت سے انہیں تکنے لگی۔ان کا یہ روپ تو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔خوف اور دکھ کا زہر اس کی رگ رگ میں اترتا چلا گیا۔

''کیا ہو گیا ہے بھائی آپ کو، اس معصوم کو اس طرح کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔یہ بچی ہے پیار سے سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی۔'' سعدیہ نے سارہ کو اپنے سینے سے لگا کر عزیز حیدر کو دیکھتے ہوئے سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا۔

''چھ مہینے تو ہو گئے ہیں تم لوگوں کو اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے۔آئی کوئی بات اس کی سمجھ میں۔اب یہ مار

سے ہی سمجھے گی۔ بہت سر چڑھا رکھا تھا عمارہ نے اسے اور اب تم لوگ اس کا دماغ خراب کر دو۔ کہاں سے لاؤں گا میں اس کی مما کو۔ مجھے اس کے آگے پیچھے پھرنے کے اس کی فکر میں پریشان رہنے کے سوا کوئی کام نہیں ہے؟ بزنس چھوڑ کر میں ہر وقت اسے گود میں لیے لیے پھرنے سے تو رہا۔'' عزیز حیدر نے سخت بیزار اور غصیلے لہجے میں کہا۔

ان دونوں کو شدید صدمہ پہنچا تھا ان کی باتوں سے اور خدیجہ بیگم اور حیدر علی بھی اندر آتے ہوئے ان کی ساری گفتگو سن کر آزردہ ہو رہے تھے۔ سارہ بھی ان کا غصہ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔

''عزیز میاں! بزنس مین بن کر نہیں، بیٹی کا باپ بن کر سوچو۔ ماں تو اس کی رہی نہیں ہے کہ اس کے آنسو پونچھے، اسے اپنے سینے سے لگائے۔ تم کم از کم اس سے اس کا باپ تو نہ چھینو۔ تم کیا چاہتے ہو یہ بھی اپنی ماں کے پاس وقت سے بہت پہلے ہی چلی جائے۔'' حیدر علی نے انہیں دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

''میں ایسا کیوں چاہوں گا ابا جی! سارہ میری واحد اولاد ہے مگر مجھ سے اس کا ہر وقت کا رونا اور مما مما پکارنا نہیں دیکھا جاتا۔'' عزیز حیدر نے مغموم لہجے میں کہا۔

''تو تم ایسا کرو کہ اسے اس کی مما لا دو۔'' حیدر علی نے کچھ سوچ کر کہا۔

''کیا مطلب ابا جی! کہاں سے لا دوں میں اسے اس کی مما؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''تم دوسری شادی کر لو اسے مما مل جائے گی اور تمہیں بیوی۔ آخر تم ساری زندگی تنہا تو نہیں گزار سکتے نا۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ پھر سے اپنا گھر بسا لو۔'' حیدر نے صوفے پر بیٹھ کر انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''گھر بسنا میرے نصیب میں ہوتا تو اجڑتا ہی کیوں؟'' وہ آزردگی سے بولے۔

''اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے لیکن زندگی کو اس کے تقاضوں کے مطابق گزارنے کا حکم بھی اسی نے دیا ہے۔ دوسری شادی کرنے کی اجازت بھی ہے اور یہ تمہاری ضرورت بھی ہے۔'' حیدر علی نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''ہم نے تمہارے لیے تمہاری خالہ کی بیٹی امینہ کا انتخاب کیا ہے۔ امینہ پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی اور محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ وہ سارہ کو بھی سنبھال لے گی اور تمہیں بھی۔'' خدیجہ بیگم نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''سارہ کا بندوبست تو میں نے کر دیا ہے۔'' عزیز حیدر نے سارہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ خوف کے مارے سعدیہ کی آغوش میں دبکی بیٹھی تھی۔

''کیسا بندوبست؟'' ان سب نے ایک ساتھ حیرانی سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے اس کا ایڈمیشن اسلام آباد کے ایک بہت اچھے اسکول میں کرا دیا ہے۔ یہ وہاں پڑھے گی اور وہیں بورڈنگ ہاؤس میں رہے گی۔''

''یہ اکیلی وہاں کیسے رہے گی؟'' خدیجہ بیگم نے پوچھا۔ پانچ سال کی ننھی بچی اتنی دور اکیلی رہے گی۔ یہ سن کر ان کا دل ڈوب سا گیا۔

''یہ وہاں اکیلی نہیں رہے گی اماں جان، وہاں اس جیسے اور بھی بہت سے بچے ہوں گے۔ بچوں میں رہے گی تو گھر بھی یاد نہیں رہے گا اسے اور یہ ہر وقت جو مما مما کی رٹ لگائے رکھتی ہے یہ بھی ختم ہو جائے گی۔ وہاں جا کر یہ مما کو بھول جائے گی۔ یہاں رہے گی تو یہی رونا رہے گا۔'' عزیز حیدر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ اس کے ہر وقت کے رونے سے بے زار آ گئے تھے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''لیکن بھائی سارہ بہت چھوٹی ہے اتنے بھرے پرے گھر میں محبتوں میں رہتی رہی ہے۔ آپ اسے ایکدم سے ہم سے الگ کر کے اتنی دور بھیج دیں گے تو یہ ٹوٹ کر بکھر کر رہ جائے گی۔ ماں کا صدمہ کم نہیں ہوا اس کے دل سے اور آپ ہم سب کی جدائی کا صدمہ اسے دینے جا رہے ہیں۔ کیوں اس کی جان کے درپے ہو رہے ہیں؟'' سعدیہ نے سارہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ سارہ ناسمجھی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ سنانے والے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی جو اسے اجنبی لگ رہا تھا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنی بیٹی سے دشمنی کرنے جا رہا ہوں۔ سعدیہ میں باپ ہوں سارہ کا اور اس کے برے بھلے کا مجھ سے بہتر کون سوچ سکتا ہے۔ یہاں یہ ہم سب کے پیار اور ہمدردی کی بیساکھیوں کے سہارے چلے گی جب کہ وہاں جا کر اسے اپنے پیروں پر اپنے سہارے پر چلنا آجائے گا۔ اس میں اعتماد اور جرأت پیدا ہوگی۔ یہ زندگی کو حقیقی رنگ میں دیکھے گی تو اسے برتنے کا ہنر بھی سیکھ جائے گی۔'' عزیز حیدر نے سخت اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

سارہ حیرت سے انہیں تکے جا رہی تھی۔ ان کا یہ انداز اس کے ننھے دل و دماغ پر ثبت ہوتا جا رہا تھا۔

عمر اور گزرتا وقت بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ برا بھلا سب سمجھ آجاتا ہے لیکن سوچ سمجھ کر ایک معصوم بچی کو زندگی کے میدان میں چھوڑنا بے حسی ہی تو تھی۔

''اتنی سی بچی کو تم خود سے اپنوں سے دور کر کے کیا زندگی برتنا سکھاؤ گے۔ اس میں احساس محرومی پیدا ہو جائے گا اور جب امینہ آجائے گی اس گھر میں تو اسے بھی سنبھال لے گی۔ پھر کیا ضرورت ہے اسے اتنی دور بھیجنے کی؟'' خدیجہ بیگم نے رسان سے کہا۔

''اماں! آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔ یہ امینہ کو اپنی ماں کی جگہ ایکدم سے قبول نہیں کرے گی۔ ابھی تو اس کے ذہن سے اس کی اپنی ماں کا خیال تک نہیں مٹ سکا۔ آپ رہنے دیں۔ اس کی بے جا حمایت اس کے لیے نقصان دہ ہوگی اور ہمارے لیے پریشان کن۔ میں اس کی طرف سے مطمئن ہو کر بزنس دیکھنا چاہتا ہوں۔'' عزیز حیدر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اور ہم نے جو امینہ سے تمہاری شادی کا سوچا ہے وہ۔'' خدیجہ بیگم نے انہیں دیکھا۔

''وہ آپ کی خواہش ہے، چاہیں تو پوری کر لیں ورنہ میں ایسے ہی خوش ہوں۔'' عزیز حیدر نے سنجیدگی سے کہا تو سعدیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ کتنی جلدی وہ شادی کے لیے مان گئے تھے۔ ابھی تو ان کی عزیز از جان بیوی عمارہ کی پہلی برسی بھی نہیں ہوئی تھی۔

''ٹھیک ہے، ہم کل ہی امینہ کے گھر جائیں گے اور شادی کی تاریخ لے آئیں گے۔'' حیدر علی نے کہا۔

''لیکن یہ سب سادگی سے ہونا چاہیے۔ میں کوئی سہرا وہرا نہیں باندھوں گا اور نہ بینڈ باجوں کے ساتھ برات لے کر جاؤں گا۔'' عزیز حیدر نے سنجیدگی سے کہا۔

''شادی تو وہ لوگ بھی سادگی سے ہی کرنا چاہتے ہیں۔ ویسے بھی دھوم دھڑ کا مناسب نہیں رہے گا ان حالات میں۔'' خدیجہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور سارہ! تم اب پھوپو کی گود سے نکلو اور اپنا اسکول بیگ تیار کر لو۔ تمہیں نئے اسکول میں جانا ہے اور ہاں اب میں تمہیں روتا ہوا نہ دیکھوں، سنا تم نے۔'' عزیز حیدر نے سارہ کو دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ اس نے حیرت اور صدمے سے انہیں دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور جلدی جلدی اپنے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کر لیے اور سعدیہ کی گود سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

☆.....☆

سارہ اگلے دن عزیز حیدر کے ساتھ حیدر لاج سے اسلام آباد روانہ ہونے لگی تو سعدیہ، شازیہ، حفیظ اللہ اور جواد احمد نے حیدر علی اور خدیجہ بیگم نے اسے ڈھیر سارا پیار کیا۔ خدیجہ بیگم، سعدیہ اور شازیہ تو باقاعدہ رو رہی تھیں۔ صارم حیران پریشان سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا لیکن سارہ گم صم سی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آنسو جیسے خشک ہو گئے تھے۔ وہ خالی خالی نظروں سے سب کو، گھر کو دیکھ رہی تھی۔ سعدیہ کو رونا آ رہا تھا۔ انہیں سارہ کی اس کیفیت نے دکھ سے دوچار کر دیا تھا۔ باپ کے حکم کی تعمیل میں ننھی بچی نے اپنے آنسو کس بہادری سے ضبط کر لیے تھے۔

''بھائی! سارہ کے آنسو اندر گر رہے ہیں۔ آپ اچھا نہیں کر رہے اس معصوم کے ساتھ۔'' سعدیہ نے روتے ہوئے کہا تو وہ ناراضی سے بولے۔

''اب اگر یہ نہیں رو رہی تو آپ لوگوں نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا ہے۔ یہ بھی رو پڑے گی اور میرا اسے وہاں لے جانا مشکل ہو جائے گا۔ پلیز آپ لوگ خود پر قابو رکھیں۔ چلو سارہ گاڑی میں بیٹھو۔''

''مت جاؤ سارہ، تم چلی گئیں تو میں کس کے ساتھ کھیلوں گا۔'' صارم نے بڑھ کر سارہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بیٹا! کھیلنے کو ساری عمر پڑی ہے۔ فی الحال اسے جانے دو اور کھیلنے والے اور بھی بہت ہیں یہاں عاصم ہے، انیلا، راحیلہ ہیں، نوید ہیں تم ان کے ساتھ کھیلا کرنا۔'' عزیز حیدر نے صارم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اور سارہ وہاں کس کے ساتھ کھیلے گی؟'' صارم نے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہاں بہت سارے بچے ہوں گے سارہ ان کے ساتھ کھیلے گی۔ چلو اب سارہ کو خدا حافظ کہو ہمیں دیر ہو رہی ہے۔'' عزیز حیدر نے کہا۔

''خدا حافظ سارہ۔'' صارم نے سارہ کے معصوم دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ سارہ زبان سے کچھ نہیں بولی بس اس نے اپنا دایاں ہاتھ ہلایا صارم کو اور سب کو خدا حافظ کہا اور گاڑی میں جا بیٹھی۔ گاڑی حیدر لاج کا گیٹ عبور کر گئی تو صارم روتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔

☆.....☆

اسکول کی پرنسپل عشرت امین سے تمام معاملات طے کرنے کے بعد عزیز حیدر واپس جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو سارہ بھی حیران پریشان سی اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ پرنسپل کے کمرے کو وہ اتنے غور سے نہیں دیکھ رہی تھی جتنا پرنسپل کو اور عزیز حیدر کو دیکھ رہی تھی۔

''او کے سارہ بیٹا! میں اب چلتا ہوں۔ آپ کو اب یہیں رہنا ہے اور خوب دل لگا کر پڑھنا ہے۔ رونا بالکل نہیں ہے اور نہ ہی اپنی ٹیچرز کو تنگ کرنا ہے، سمجھ گئیں؟'' عزیز حیدر نے اس کے بازوؤں کو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کر کے نیچے پنجوں کے بل بیٹھ کر اسے دیکھتے ہوئے نصیحت کی۔

''جی ڈیڈی۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

''گڈ! او کے خدا حافظ۔'' انہوں نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور کھڑے ہو گئے۔

''خدا حافظ ڈیڈی۔'' سارہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پرنسپل کے آفس سے باہر نکل گئے تو وہ دوڑ کر دروازے پر گئی اور جب تک دیکھتی رہی جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔

وہ نہ دوسرے بچوں کی طرح روئی، چلائی نہ ان کی ٹانگوں سے لپٹی نہ چیخی، خاموشی سے انہیں جانے دیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پرنسپل عشرت امین کو بہت حیرت ہو رہی تھی اس کے اس رویے پر۔ کیونکہ ان کے پاس تو آئے دن نئے بچوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اور جب ان کے گھر والے انہیں چھوڑ کر جا رہے ہوتے تھے تو وہ بچے رو رو کر ان سے لپٹ جاتے اور چیخ چیخ کر پورا آفس سر پر اٹھا لیتے تھے۔ پرنسپل عشرت امین کو وہ پہلی نظر میں بہت پیاری لگی تھی۔ بہت پسند آئی تھی اور اب اس کے اس رویے نے انہیں بہت حیران کر دیا تھا۔ یہ بچی روئی کیوں نہیں؟ اس نے اپنے باپ کے ساتھ جانے کی ضد کیوں نہیں کی۔'' وہ سوچ رہی تھیں۔

''سارہ بیٹا۔'' بیگم عشرت نے اسے پیار سے پکارا۔

''جی مما!'' سارہ بجلی کی سی تیزی سے واپس پلٹی، اس کے یاقوتی لبوں پر خوشی سے مسکراہٹ کے پھول کھل گئے تھے مگر جونہی پرنسپل عشرت امین کے چہرے کو دیکھا اس کی مسکراہٹ فوراً غائب ہو گئی اور وہ حیرت اور معصومیت سے انہیں دیکھتی ان کا دل تڑپا گئی۔ عزیز حیدر نے اس کی مما کی موت کے متعلق بتا دیا تھا اس لیے وہ اس کی اس کیفیت کو سمجھ رہی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کا گلابی گال چوم کر پیار سے بولیں۔

''سارہ بیٹا! آپ یہاں رہیں گی۔ آپ کو بہت اچھے اچھے دوست ملیں گے۔ آپ کو جب بھی کوئی کام ہو کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ مجھے کہنا۔ ٹھیک ہے۔''

''ٹھیک ہے میڈم۔'' سارہ نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''میڈم نہیں میں سارہ کی آنٹی ہوں، آپ مجھے آنٹی کہا کریں۔'' عشرت امین نے مسکرا کر کہا۔

''آنٹی!'' سارہ نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور مسکرانے لگی۔

''وہ اتنی پیاری تھی کہ اس پر بے اختیار پیار آ رہا تھا۔ عشرت امین نے اس کا ماتھا چوم لیا۔ سارہ کو ان کے پیار میں اپنی مما کا پیار محسوس ہو رہا تھا۔ پھر انہوں نے اسے اس کے کلاس فیلوز سے متعارف کرایا۔ اس کے روم میٹس سے ملوایا۔ سب نے اسے حیرت اور مسرت سے دیکھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ وہ جلد ہی اپنی ہم عمر بچیوں اور بچوں میں گھل مل گئی۔

''بورڈنگ ہاؤس کی وارڈن پھول بی بی سب بچوں کو رات میں سونے سے پہلے کہانی سناتی تو سارہ اپنی مما کے خیالوں میں گم ہو کر اداس ہو جاتی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آتے تو وہ اس خوف سے آنکھیں بند کر لیتی کہ کہیں ڈیڈی اسے روتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔ کبھی کبھی وہ بستر میں چھپ کر چپکے چپکے رو لیتی۔ امتحانات کے بعد جب حیدر لاج آئی تو اسے امینہ بیگم کو دیکھ کر حیرت ہوئی اس نے عزیز حیدر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ڈیڈی یہ آنٹی کون ہیں؟''

''سارہ بیٹا! یہ آپ کی مما ہیں۔'' عزیز حیدر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بتایا۔

''میری مما!'' سارہ نے حیران ہو کر امینہ بیگم کو دیکھا پھر عزیز حیدر کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ''مگر میری مما تو ایسی نہیں تھیں وہ تو کوئی اور تھیں اور بہت پیاری بھی تھیں۔''

''یہ پیاری نہیں ہیں کیا؟'' عزیز حیدر نے امینہ بیگم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ پریشان سی کھڑی سارہ کو دیکھ اور سن رہی تھیں۔

''ہیں..... مگر میری مما جیسی نہیں اور میری مما تو اللہ میاں کے پاس چلی گئی تھیں۔ میری ٹیچر کہتی ہیں کہ جو لوگ اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے۔'' سارہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

WA 3 AZEEM www.pakistanipoint.com

حیدر لاج کے سب مکین اس کی باتیں سن کر دکھی ہو رہے تھے اور حیران بھی کہ اتنی سی بچی اتنی جلدی اتنی زیادہ بدل گئی تھی۔

''بیٹا سارہ! اللہ میاں نے آپ کے لیے نئی مما بھیجی ہیں۔'' سعدیہ نے اسے پیار سے بتایا۔

''نئی مما!'' سارہ، امینہ بیگم کو دیکھنے لگی جو اس صورت حال سے بہت گھبرا رہی تھیں لیکن جلد ہی انہوں نے خود کو سنبھالا اور اٹھ کر سارہ کے پاس آ بیٹھیں۔

''سارہ بیٹا! آپ مجھے مما کہا کریں۔'' امینہ نے اس کے چہرے کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا۔

''مما..... نہیں..... آپ میری مما نہیں ہیں۔'' سارہ نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بجھ سی گئیں۔

''دیکھا، میں نے کہا تھا نا کہ یہ گھر آ کر ایک نیا مسئلہ کھڑا کر دے گی۔ یہ وہیں ٹھیک تھی۔'' عزیز حیدر نے غصے میں آتے ہوئے کہا۔ عزیز حیدر کا فوراً ہاپر ہونا سب کو برا لگ رہا تھا۔ وہ اب اپنی سارہ کو چند منٹ کے لیے بھی برداشت کرنے سے قاصر تھے۔

''کیا ہو گیا ہے بھائی آپ کو۔ آپ پانچ چھ سال کی بچی سے پندرہ بیس سال کے بچے کا ردِعمل کیوں چاہ رہے ہیں۔ یہ فطری بات ہے۔ سارہ ایسے سوالات اور ردِعمل کا مظاہرہ تو کرے گی ہی آپ تو پیار سے بات کرنا ہی بھول گئے ہیں۔'' سعدیہ نے سختی سے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے، سمجھا لیں آپ اسے پیار سے۔'' عزیز حیدر نے زچ ہو کر کہا۔

''میں آپ کو ممی کہوں گی، ٹھیک ہے۔'' سارہ نے امینہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے خوش ہو کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ سارہ صورت حال کو سمجھ رہی تھی کہ اس کی ذرا سی بات نے کیسے اس کے ڈیڈی کا موڈ خراب کر دیا تھا تو فوراً ہی مسکرا کر کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے خوش رہو سارہ بیٹا۔'' امینہ بیگم نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

''دیکھا آپ نے سارہ کو کسی کا دل توڑنا نہیں آتا کتنی سمجھدار بچی ہے۔'' سعدیہ نے عزیز حیدر کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے کہا تو وہ پہلو بدل کر رہ گئے۔

چند دن بعد سارہ کے اسکول دوبارہ کھل گئے۔ اس نے سیکنڈ پوزیشن لی تھی کلاس میں۔ سعدیہ اور حفیظ اللہ نے حیدر علی اور خدیجہ بیگم نے اسے اس کی ضرورت اور پسند کی چیزیں تحفے میں دی تھیں۔ وہ اگلی کلاس میں آ گئی تھی۔ پڑھائی اور کھیل دونوں میں وہ آگے آگے تھی۔ جب اگلی بار وہ حیدر لاج گئی تو اس نے امینہ بیگم کے پہلو میں ننھا منا سا گپلو سا بچہ لیٹا دیکھا وہ اس چھوٹے سے کھلونے کو دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھی۔

''ممی! یہ کون ہے؟'' اس نے دانش کو دیکھتے ہوئے خوشی سے ان سے پوچھا۔

''یہ سارہ کا بھائی ہے دانش۔''

''میرا بھائی۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''ہاں سارہ کا بھائی۔''

''ممی! میں بھائی کو اٹھا لوں۔''

''اٹھا لو لیکن بیٹا دھیان سے گر نہ جائے بھائی۔'' امینہ بیگم نے ایک ماہ کے دانش کو اٹھا کر اس کی بانہوں میں دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں گرنے دوں گی۔ کتنا پیارا ہے دانش۔'' سارہ نے دانش کو دیکھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا اور اس کا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

منہ چوم لیا۔ امینہ بیگم کو سارہ کی خوشی سے خوشی ہو رہی تھی۔
''عزیز! اب سارہ کو یہاں واپس بلا لیں۔ سارہ ہمارے ساتھ ہی رہے گی اب۔'' امینہ بیگم نے پرانی بات پھر سے ان کے سامنے دہرائی تو وہ بھڑک اٹھے۔
''سارہ وہاں سیٹ ہو چکی ہے۔ یہاں اب اس کا دل نہیں لگتا۔ میں نے تم سے شروع میں کہہ دیا تھا کہ سارہ کو اسلام آباد میں ہی رہنا ہے۔ یہاں آ کر یہ مما مما کی گردان شروع کر دے گی۔ وہاں جا کر اس کا دل بہل گیا ہے بھول گئی ہے یہ اپنی مما کو۔ تم اسے پھر سے یاد دلانا چاہتی ہو تا کہ وہ یہاں آ کر ہم سب کے ناک میں دم کر دے۔''
''مگر اب تو میں ساہ کی ممی ہوں اس کا بھائی ہے۔ یہ ہم لوگوں کے ساتھ نہیں رہے گی تو ہمیں اپنا کیسے سمجھے گی۔ نہ یہ دل سے مجھے اپنی ماں سمجھ سکے گی اور نہ ہی دانش کو اپنا بھائی سمجھے گی۔ یہ خوش ہے دانش کو دیکھ کر۔ پلیز اسے یہاں رہنے دیں۔'' امینہ بیگم نے دانش کو پیار کرتی سارہ کو دیکھتے ہوئے ان سے کہا۔
''ٹھیک ہے سارہ سے پوچھ لیتے ہیں کہ یہ کہاں رہنا چاہتی ہے؟'' عزیز حیدر نے کہا۔ سارہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ سمجھ رہی تھی۔ باپ کو اپنی طرف سے حد درجہ متنفر اور بدگمان پا کر دکھ دل میں بگل مار کر بیٹھ گیا تھا۔
''سارہ بیٹا! آپ کہاں رہنا چاہتی ہو یہاں ہمارے پاس یا وہاں اپنے اسکول کے دوستوں کے پاس؟'' عزیز حیدر نے سارہ سے پوچھا۔
''ڈیڈی! جہاں آپ کہیں گے سارہ وہاں رہے گی۔'' سارہ نے انہیں دیکھ کر جواب دیا۔
''ٹھیک ہے پھر تم وہیں رہو گی۔'' عزیز حیدر نے سفاکی سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔
''لیکن عزیز.....''
''پلیز امینہ! اب اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہو گی۔'' عزیز حیدر نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روک کر کہا۔ پھر سب نے انہیں سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ سارہ کا دل دکھ سے بھر گیا۔ وہ لان میں بنے سنگی بینچ پر بیٹھی ڈیڈی کے رویے پر افسردہ ہو رہی تھی کہ صارم چلا آیا۔
''سارہ آؤ کھیلیں۔'' صارم نے اس کے پاس بیٹھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔
''صارم بھائی! آپ کھیلیں میں نہیں کھیلوں گی۔'' سارہ نے اداس لہجے میں جواب دیا۔
''کیوں نہیں کھیلو گی؟''
''بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔''
''مگر میرا دل تو چاہ رہا ہے تمہارے ساتھ کھیلنے کو، آؤ نا تم اتنے دنوں بعد تو آئی ہو۔ پھر واپس چلی جاؤ گی۔ آؤ تھوڑا سا کھیلیں۔'' صارم نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
''مجھے نہیں کھیلنا، چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' سارہ نے غصے سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
''چلو نا میں تمہیں اپنا جہاز دکھاؤں۔ بونے پاس ہونے پر انعام دیا تھا۔''
''صارم بھائی، چھوڑیں میرا ہاتھ۔ مجھے نہیں دیکھنا آپ کا جہاز۔'' سارہ غصے سے چلائی۔
''نہیں چھوڑوں گا تمہارا ہاتھ پہلے میرے ساتھ کھیلو۔'' صارم نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔
نہیں کھیلوں گی؟'' سارہ نے غصے سے کہا اور صارم کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ صارم نے تب بھی اس کا ہاتھ نہ چھوڑا۔ سارہ نے غصے سے پوری قوت سے اپنے دانت اس کے ہاتھ میں پیوست کر دیے۔ صارم کا ضبط جواب

NAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دے گیا تو وہ درد سے چیخ اٹھا۔
''امی، ابو! سارہ کو دیکھیں۔ ماموں جان۔''
اس کے چیخنے پر سب دوڑے چلے آئے اور یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔
''نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔'' صارم درد سے روتے ہوئے چلایا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر نہ دیا اور سارہ نے کاٹنا نہ چھوڑا۔ اس کا سارا غصہ صارم کے ہاتھ پر نکل گیا تھا اور صارم کے ہاتھ سے خون نکل گیا۔
''شاباش بیٹا! یہ کی ہے نا مردوں والی بات۔ تم سارہ کا ہاتھ کبھی مت چھوڑنا۔'' حیدر علی نے صارم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے داد دی۔
''ابا جی! اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے اور آپ اسے شاباش دے رہے ہیں۔ سارہ! چھوڑو صارم کا ہاتھ۔ جنگلی لڑکی! یہ کیا حرکت ہے؟'' عزیز حیدر نے غصے سے کہا اور سارہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر اس کے گال پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ سب ان کے اس عمل پر ششدر رہ گئے۔ سارہ انہیں حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔
''بھائی! یہ کیا کیا آپ نے؟ بچے تو آپس میں لڑا ہی کرتے ہیں۔ ابھی لڑائی ہے تو ابھی صلح ہو جائے گی۔'' سعدیہ نے ایک طرف صارم کو ہٹایا اور دوسری طرف سارہ کو ہٹا کر عزیز حیدر سے مخاطب ہوئیں۔ سارہ کا دل باپ کی طرف سے کھٹا ہو چکا تھا۔
''تمہاری شہ پر سارہ بگڑتی جا رہی ہے۔ آج صارم کا ہاتھ زخمی کیا ہے کل سر زخمی کر دے گی۔ بہتر ہے کہ اسے پہلی بدتمیزی پر ہی سزا دے دی جائے۔ آئندہ یہ ایسی حرکت نہیں کرے گی۔'' عزیز حیدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔
''امی بہت درد ہو رہا ہے میرے ہاتھ میں، یہ سارہ کی بچی گندی ہے میں اس کے ساتھ نہیں بولوں گا۔'' صارم نے روتے ہوئے کہا۔
''حفیظ! آپ پلیز صارم کو لے جا کر اس کی پٹی کرائیں، میں سارہ کو سنبھالتی ہوں۔''
سعدیہ نے اپنے شوہر سے کہا تو عزیز حیدر نے سارہ کا بازو پکڑتے ہوئے ان سے کہا۔ ''تم خود صارم کی پٹی کرو۔ سارہ کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سارہ چلو اندر تمہیں میں دو چار دن میں واپس بھجوا دوں گا اور خبردار اگر تم دوبارہ صارم سے لڑیں یا اس کے ساتھ کھیلیں، چلو اندر۔'' وہ سارہ کو زبردستی اندر لے گئے۔
دوسرے دن صارم اپنا جہاز لے کر سارہ کو دکھانے گیا تو تھوڑی دیر میں منہ بسورتا ہوا واپس آ گیا اور اپنا جہاز بھی غصے میں صوفے پر پٹخ دیا۔
''صارم! کیا ہوا بیٹا تم تو سارہ کے ساتھ کھیلنے گئے تھے۔ اتنی جلدی واپس آ گئے۔ کیا پھر لڑائی ہو گئی سارہ سے؟'' سعدیہ نے سبزی بناتے ہوئے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔
''امی! سارہ کو ماموں جان نے مجھ سے بات کرنے اور میرے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ اب میرے ساتھ نہیں کھیلے گی۔ امی آپ سارہ کو اپنے گھر لے آئیں ناں میرا اس کے بغیر دل نہیں لگتا۔'' صارم نے سعدیہ کے بازو پر سر رکھ کر کہا۔
''ارے واہ بیٹا! تمہارا تو ابھی سے یہ حال ہے تو بڑے ہو کر تو تم ہمارے بھی پر کاٹو گے۔'' حفیظ اللہ نے اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کہا تو سعدیہ ہنس دیں۔
''امی! آپ کہیں نا سارہ سے کہ میرے ساتھ کھیلے۔'' صارم نے ضد کی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''بیٹا ہاتھ پر کٹوا کر ابھی چین نہیں آیا۔'' حفیظ اللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
''ابو! میری غلطی تھی۔ سارہ کھیلنا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں نے ضد کی تو اس نے کاٹ لیا۔'' صارم نے سارہ کو صاف بچاتے ہوئے کہا۔
''ارے چھوڑو میرا بیٹا! سارہ کا خیال تو میرا صارم ہی رکھ سکتا ہے۔ دیکھیے گا آپ کتنی محبت سے رکھے گا یہ سارہ کو۔ اس کے زخم بھی اسے پیارے ہیں تو وہ اسے کتنی پیاری ہوگی۔'' سعدیہ نے خوش ہو کر صارم کی پیشانی چوم کر کہا۔
''فی الحال تو ان کے کھیلنے کا مسئلہ حل کیجیے ویسے آپ کے بھائی صاحب ضرورت سے زیادہ ہی ری ایکٹ کر رہے ہیں۔ مجھے تو سارہ پر ترس آنے لگا ہے۔ کیسی سہم کر رہ گئی ہے وہ اور عزیز کے تھپڑ پر وہ روئی تک نہیں۔ یہ اس کا خاموش احتجاج ہے اگر کوئی سمجھے تو۔'' حفیظ اللہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''نہ صرف احتجاج ہے بلکہ اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ عزیز میاں اپنی بیٹی کے دل میں اپنا مقام کھو چکے ہیں۔''
''میں بھائی سے بات کرتی ہوں جا کر۔'' وہ سبزی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔
''ضرور لیکن بچوں کا مسئلہ حل کراتے کراتے آپ بھائی بہن آپس میں نہ الجھ جایئے گا۔''
''الجھ جائیں تو آپ صلح کرا دیجیے گا۔'' سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''یعنی امکان ہے۔'' وہ ہنسے تو وہ بھی ہنس دیں اور عزیز حیدر کے سر پر جا پہنچیں۔
''بھائی آپ نے سارہ کو صارم کے ساتھ کھیلنے سے کیوں منع کیا ہے؟''
''وجہ تمہیں معلوم ہے سعدیہ۔''
''لیکن بھائی! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ بچے آپس میں لڑتے ہی ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ انہیں کھیلنے سے ہی منع کر دیا جائے اور سارہ اور صارم ایک دوسرے سے منسوب ہیں۔ آپ انہیں اس بات پر ایک دوسرے سے دور کریں گے تو ان کے دلوں میں رنجشیں پروان چڑھیں گی۔ انہیں تو ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا چاہیے تاکہ بڑے ہونے تک یہ ایک دوسرے کے مزاج آشنا ہو جائیں۔''
''انہیں دوست بن کر رہنے دیں تاکہ ان کی آئندہ زندگی پر خوشگوار اثر پڑے۔'' سعدیہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔
''کیسی عجیب باتیں کرتی ہو تم اگر لڑکا لڑکی کی آپس میں بچپن سے دوستی اور بے تکلفی نہیں ہوتی کیا ان کی آپس میں شادیاں ہوتی اور نبھتی نہیں ہیں۔ ہوتی ہیں ان کی شادیاں بھی ہوتی ہیں اور نبھائی بھی خوب جاتی ہیں۔ بڑے ہوں گے تو یہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔'' عزیز حیدر نے تیز لہجے میں کہا۔
''لیکن آپ نہیں سمجھیں گے۔'' وہ تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں اور وہاں سے چلی آئیں۔
سارہ چھٹیاں گزار کر واپس اسلام آباد جا رہی تھی سعدیہ سے ملنے ان کے گھر آئی تو صارم نے اسے دیکھ کر خفگی سے منہ پھیر لیا۔
''صارم بھائی آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' سارہ نے معصومیت سے پوچھا۔
''ہاں۔''
''کیوں؟''
''تم نے میرے ہاتھ پر جو کاٹا تھا۔'' صارم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دے گیا تو وہ درد سے چیخ اٹھا۔
''امی، ابو! سارہ کو دیکھیں۔ ماموں جان۔''
اس کے چیخنے پر سب دوڑے چلے آئے اور یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے۔
''نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔'' صارم درد سے روتے ہوئے چلایا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر نہ دیا اور سارہ نے کاٹنا نہ چھوڑا۔ اس کا سارا غصہ صارم کے ہاتھ پر نکل گیا تھا اور صارم کے ہاتھ سے خون نکل گیا۔
''شاباش بیٹا! یہ کی ہے نا مردوں والی بات۔ تم سارہ کا ہاتھ کبھی مت چھوڑنا۔'' حیدر علی نے صارم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے داد دی۔
''ابا جی! اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے اور آپ اسے شاباش دے رہے ہیں۔ سارہ! چھوڑو صارم کا ہاتھ۔ جنگلی لڑکی! یہ کیا حرکت ہے؟'' عزیز حیدر نے غصے سے کہا اور سارہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر اس کے گال پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔ سب ان کے اس عمل پر ششدر رہ گئے۔ سارہ انہیں حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔
''بھائی! یہ کیا کیا آپ نے؟ بچے تو آپس میں لڑا ہی کرتے ہیں۔ ابھی لڑائی ہے تو ابھی صلح ہو جائے گی۔'' سعدیہ نے ایک طرف صارم کو ہٹایا اور دوسری طرف سارہ کو ہٹا کر عزیز حیدر سے مخاطب ہوئیں۔ سارہ کا دل باپ کی طرف سے کھٹا ہو چکا تھا۔
''تمہاری شہ پر سارہ بگڑتی جا رہی ہے۔ آج صارم کا ہاتھ زخمی کیا ہے کل سر زخمی کر دے گی۔ بہتر ہے کہ اسے پہلی بدتمیزی پر ہی سزا دے دی جائے۔ آئندہ یہ ایسی حرکت نہیں کرے گی۔'' عزیز حیدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔
''امی بہت درد ہو رہا ہے میرے ہاتھ میں، یہ سارہ کی بچی گندی ہے میں اس کے ساتھ نہیں بولوں گا۔'' صارم نے روتے ہوئے کہا۔
''حفیظ! آپ پلیز صارم کو لے جا کر اس کی پٹی کرائیں، میں سارہ کو سنبھالتی ہوں۔''
سعدیہ نے اپنے شوہر سے کہا تو عزیز حیدر نے سارہ کا بازو پکڑتے ہوئے ان سے کہا۔ ''تم خود صارم کی پٹی کرو۔ سارہ کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سارہ چلو اندر تمہیں میں دو چار دن میں واپس بھجوا دوں گا اور خبردار اگر تم دوبارہ صارم سے لڑیں یا اس کے ساتھ کھیلیں، چلو اندر۔'' وہ سارہ کو زبردستی اندر لے گئے۔
دوسرے دن صارم اپنا جہاز لے کر سارہ کو دکھانے گیا تو تھوڑی دیر میں منہ بسورتا ہوا واپس آ گیا اور اپنا جہاز بھی غصے میں صوفے پر پٹخ دیا۔
''صارم! کیا ہوا بیٹا تم تو سارہ کے ساتھ کھیلنے گئے تھے۔ اتنی جلدی واپس آ گئے۔ کیا پھر لڑائی ہو گئی سارہ سے؟'' سعدیہ نے سبزی بناتے ہوئے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔
''امی! سارہ کو ماموں جان نے مجھ سے بات کرنے اور میرے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ اب میرے ساتھ نہیں کھیلے گی۔ امی آپ سارہ کو اپنے گھر لے آئیں ناں میرا اس کے بغیر دل نہیں لگتا۔'' صارم نے سعدیہ کے بازو پر سر رکھ کر کہا۔
''ارے واہ بیٹا! تمہارا تو ابھی سے یہ حال ہے تو بڑے ہو کر تو تم ہمارے بھی پر کاٹو گے۔'' حفیظ اللہ نے اس کی بات سن کر مسکراتے ہوئے کہا تو سعدیہ ہنس دیں۔
''امی! آپ کہیں نا سارہ سے کہ میرے ساتھ کھیلے۔'' صارم نے ضد کی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''بیٹا ہاتھ پر کٹوا کر ابھی چین نہیں آیا۔'' حفیظ اللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
''ابو! میری غلطی تھی۔ سارہ کھیلنا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں نے ضد کی تو اس نے کاٹ لیا۔'' صارم نے سارہ کو صاف بچاتے ہوئے کہا۔
''ارے جیڈو میرا بیٹا! سارہ کا خیال تو میرا صارم ہی رکھ سکتا ہے۔ دیکھیے گا آپ کتنی محبت سے رکھے گا یہ سارہ کو۔ اس کے زخم بھی اسے پیارے ہیں تو وہ اسے کتنی پیاری ہوگی۔'' سعدیہ نے خوش ہو کر صارم کی پیشانی چوم کر کہا۔
''فی الحال تو ان کے کھیلنے کا مسئلہ حل کیجیے ویسے آپ کے بھائی صاحب ضرورت سے زیادہ ہی ری ایکٹ کر رہے ہیں۔ مجھے تو سارہ پر ترس آنے لگا ہے۔ کیسی سہم کر رہ گئی ہے وہ اور عزیز کے تھپڑ پر وہ روئی تک نہیں۔ یہ اس کا خاموش احتجاج ہے اگر کوئی سمجھے تو۔'' حفیظ اللہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''نہ صرف احتجاج ہے بلکہ اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ عزیز میاں اپنی بیٹی کے دل میں اپنا مقام کھو چکے ہیں۔''
''میں بھائی سے بات کرتی ہوں جا کر۔'' وہ سبزی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔
''ضرور لیکن بچوں کا مسئلہ حل کراتے کراتے آپ بھائی بہن آپس میں نہ الجھ جائیے گا۔''
''الجھ جائیں تو آپ صلح کرا دیجیے گا۔'' سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''یعنی امکان ہے۔'' وہ ہنسے تو وہ بھی ہنس دیں اور عزیز حیدر کے سر پر جا پہنچیں۔
''بھائی آپ نے سارہ کو صارم کے ساتھ کھیلنے سے کیوں منع کیا ہے؟''
''وجہ تمہیں معلوم ہے سعدیہ۔''
''لیکن بھائی! یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ بچے آپس میں لڑتے ہی ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ انہیں کھیلنے سے ہی منع کر دیا جائے اور سارہ اور صارم ایک دوسرے سے منسوب ہیں۔ آپ انہیں اس بات پر ایک دوسرے سے دور کریں گے تو ان کے دلوں میں رنجشیں پروان چڑھیں گی۔ انہیں تو ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا چاہیے تاکہ بڑے ہونے تک یہ ایک دوسرے کے مزاج آشنا ہو جائیں۔''
''انہیں دوست بن کر رہنے دیں تاکہ ان کی آئندہ زندگی پر خوشگوار اثر پڑے۔'' سعدیہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔
''کیسی عجیب باتیں کرتی ہو تم اگر لڑکا لڑکی کی آپس میں بچپن سے دوستی اور بے تکلفی نہیں ہوتی کیا ان کی آپس میں شادیاں ہوتی اور نبھتی نہیں ہیں۔ ہوتی ہیں ان کی شادیاں بھی ہوتی ہیں اور نبھائی بھی خوب جاتی ہیں۔ بڑے ہوں گے تو یہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔'' عزیز حیدر نے تیز لہجے میں کہا۔
''لیکن آپ نہیں سمجھیں گے۔'' وہ تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں اور وہاں سے چلی آئیں۔
سارہ چھٹیاں گزار کر واپس اسلام آباد جا رہی تھی سعدیہ سے ملنے ان کے گھر آئی تو صارم نے اسے دیکھ کر خفگی سے منہ پھیر لیا۔
''صارم بھائی آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' سارہ نے معصومیت سے پوچھا۔
''ہاں۔''
''کیوں؟''
''تم نے میرے ہاتھ پر جو کاٹا تھا۔'' صارم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''تو آپ بھی میرے ہاتھ پر کاٹ دیں۔'' سارہ نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کر دیا۔ چند لمحے تو وہ اس کے نرم ملائم ہاتھ کو تکتا رہا پھر اس کا ہاتھ تھاما اور محبت سے چوم لیا۔

''ارے واہ یہ بنے گا سچا عاشق زخم کھا کر بھی پیار برسانے والا۔'' حفیظ اللہ جو اخبار کی اوٹ سے یہ منظر دیکھ رہے تھے مسکراتے ہوئے بولے تو سعدیہ ان دونوں کی صلح ہو جانے پر مطمئن ہو کر ہنس پڑیں۔

اور پھر سارہ دوبارہ اسلام آباد چلی گئی۔

☆.....☆

اسکول کی پرنسپل عشرت امین اسے بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ اس کا خیال رکھتی تھیں۔ وہ بہت ذہین طالبہ تھی اور اس کی ڈرائنگ بھی بہت اچھی تھی۔ کلاس روم کے تختہ سیاہ پر وہ اکثر تصویریں اور کارٹون بنایا کرتی۔ اسے مصورہ بننے کا شوق تھا۔ رنگوں اور پینسلوں سے وہ بہت اچھے خاکے تراشنے لگی تھی۔ وقت کچھ اور سرک گیا۔

پھر رامش پیدا ہوا۔ چھٹیوں میں وہ حیدر لاج آئی تو سب کو خوش دیکھا۔ سب دانش اور رامش میں مگن تھے۔ خوش تھے۔ اس بار حیدر علی اور خدیجہ بیگم نے بھی اسے پہلے کی طرح خصوصی توجہ اور محبت نہیں دی۔ اسے جہاں اپنے دونوں بھائیوں سے پیار تھا وہاں اپنے نظر انداز کیے جانے کا دکھ بھی تھا۔ سعدیہ نے اسے سالگرہ اور عید کے تحفے دیے تھے۔ وہ اسے اس کے ہوسٹل بھی فون کرتی رہتی تھیں۔ وہی اسے پیار کرتی تھیں اور صارم سے وہ ڈیڈی کے ڈر سے بات نہیں کرتی تھی۔ حیدر لاج والے اپنے خوشیوں میں مگن تھے۔ وہ سعدیہ کی طرف آ گئی۔

صارم نے اسے دیکھتے ہی مذاق سے کہا۔ ''امی! دیکھیں جنگلی بلی آ گئی۔ بھوکی بلی آ گئی۔''

''تم خود ہو گے جنگلی بلے۔'' سارہ نے آپ سے تم پر آتے ہوئے غصے سے کہا۔

''تم ہو بھوکی بلی، میرے ہاتھ پر کاٹا تھا تم نے تم چڑیل ہو چڑیل۔'' وہ اسے چڑا رہا تھا۔

''تم خود ہو گے چڑیل۔''

''لڑکے تو چڑیل نہیں ہوتے۔'' صارم ہنستے ہوئے بولا۔

''تمہارے جیسے گندے لڑکے ہوتے ہیں چڑیل۔'' وہ غصے سے بولی۔

''ارے بیگم صاحبہ! سیز فائر کرائیں۔ اگر ان کی لڑائیاں اسی طرح جاری رہیں تو ہمارے عہدے تک پہنچتے پہنچتے یہ لڑائی تیسری عالمی جنگ کی شکل اختیار کر لے گی۔'' حفیظ اللہ نے ہنس کر سعدیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بچے تو لڑتے ہی ہیں۔'' سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ذرا یہ بات آپ اپنے بھائی صاحب کے سامنے کیجیے پھر دیکھیے وہ کیسے چڑتے ہیں؟''

''اگر ابھی وہ ان کی یہ نوک جھونک سن لیں ناں تو فوراً سارہ پر بین لگ جائے گا۔'' حفیظ اللہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''اللہ جانے عزیز بھائی کو سارہ سے کیا بیر ہے۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے وہ عمارہ کے مرنے کے بعد انہوں نے سارہ پر توجہ دینا ہی چھوڑ دی ہے۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔'' سعدیہ نے دکھی ہو کر کہا تو سارہ ان کے پاس آ کر بولی۔

''پھوپو! آپ دکھی مت ہوا کریں۔ کیونکہ مجھے پتا چل گیا ہے کہ جن بچوں کی مما اللہ میاں کے پاس چلی جاتی ہیں ان بچوں کے ڈیڈی ان سے پیار کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔''

''سارہ۔'' سعدیہ نے اسے حیرت اور دکھ سے دیکھا۔ حفیظ اللہ بھی دکھ سے لب بھینچ کر رہ گئے اور سارہ جیسے آئی تھی ویسے واپس چلی گئی۔

☆.....☆

وقت گزرتا رہا۔ وہ مہمان کی طرح حیدر لاج آتی اور واپس جاتی رہی۔ صارم سے اس کی ہر بار کسی نہ کسی بات پر ہلکی پھلکی جھڑپ ضرور ہو جایا کرتی۔ اس نے میٹرک کا امتحان سائنس کے مضامین کے ساتھ دیا تھا اور پورے بورڈ میں ٹاپ کیا۔ سعدیہ اور حیدر علی نے اسے تحائف دیے۔ عزیز حیدر نے اسلام آباد کے کالج میں ہی ایف ایس سی میں اس کا داخلہ کرانے کے لیے فارم فل کر کے جب اس کے دستخط کرانے چاہے تو وہ چپ سی ہو گئی۔ وہ سائنس نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ اسے آرٹس کالج میں این سی اے میں داخلہ لینے کا شوق تھا تاکہ اس کی مصورانہ صلاحیتیں کھل کر نکھر کر سامنے آسکیں۔

''ڈیڈی! میں این سی اے میں داخلہ لینا چاہتی ہوں۔'' اس نے ہمت کر کے کہا۔

''وہاں کیا رکھا ہے یونہی کاغذ پر رنگ برنگی لکیریں کھینچتی رہو گی۔ تمہیں ڈاکٹر بننا ہے یہ میری اور تمہاری مما کی خواہش تھی۔'' عزیز حیدر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''مگر میرے ڈاکٹر بننے سے میری مما تو واپس نہیں آئیں گی۔ مجھے معلوم ہے انہیں میرے علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ جب وہ ہی نہیں آئیں گی تو میں ڈاکٹر کیوں بنوں؟'' اس نے سر جھکا کر مدھم لہجے میں کہا۔

''سارہ! بچوں کی سی باتیں چھوڑ دو اب تم بڑی ہو گئی ہو۔ مصوری میں کیا رکھا ہے؟ تم ڈاکٹر بنو گی اپنا کیریئر بناؤ گی۔ یہ رنگوں سے کھیلنے والے بھوکوں مرتے ہیں۔ ڈاکٹر کے علاج کی ہزاروں لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے انہیں فائدہ اور آرام پہنچتا ہے۔ تصویریں بنانے، دیکھنے اور بیچنے سے کیا ملتا ہے سوائے چند منٹ کی واہ واہ کے۔ واہ واہ سے پیٹ نہیں بھرا کرتا۔ کوئی پریکٹیکل پروفیشن اپناؤ۔ دستخط کرو فارم پر اور ذہن نشین کر لو کہ تمہیں ڈاکٹر ہی بننا ہے۔'' عزیز حیدر نے سنجیدہ سپاٹ اور مدلل لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''مگر ڈیڈی.....''

''دستخط کرو یہاں؟'' عزیز حیدر نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا تو اس نے بے دلی سے فارم پر دستخط کر دیے اور یوں اسے کالج میں داخلہ مل گیا۔

آج کالج میں اس کا پہلا دن تھا۔ وہ نوٹس بورڈ پر لگی لسٹوں میں اپنا سیکشن اور رول نمبر ڈھونڈنے کے بعد وہیں خاموش کھڑی تھی۔ اس کے برابر ایک اور لڑکی آ کر کھڑی ہوئی۔ نوٹس بورڈ پر اپنا رول نمبر دیکھنے کے بعد سارہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور گانے لگی۔

چپ چپ کھڑی ہو ضرور کوئی بات ہے
پہلی ملاقات ہے جی پہلی ملاقات ہے

''خاصا سراگاتی ہیں آپ۔'' سارہ نے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او.....رئیلی! میرا بھی اپنے بارے میں یہی خیال ہے۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''اچھا خیال ہے۔'' سارہ مسکرائی۔

''ماریہ، ماریہ زبیری۔'' اس لڑکی نے مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''سارہ حیدر، سارہ عزیز حیدر۔'' سارہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنا تعارف کرایا۔

''سارہ، پیارا نام ہے تمہارا۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شاعری؟''

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''نہیں پوسٹ مارٹم شاعری کا۔'' ماریہ نے کہا تو وہ ہنس دی۔
''یار! تم تو ہنستی بھی بہت اچھا ہو، مجھ سے دوستی کرو گی۔'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''دوستی کا مطلب جانتی ہو۔'' سارہ نے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھا۔
''ہاں، دل دیا ہے جان بھی دیں گے سارہ ڈیئر تیرے لیے۔'' ماریہ پھر سے گنگنائی تو وہ ہنسنے لگی۔
''کھڑے کھڑے دل دے دیا واہ۔'' سارہ نے بمشکل اپنی ہنسی روک کر کہا۔
''چلو کسی اچھی سی جگہ پر بیٹھ کر دے دیتے ہیں کیا خیال ہے؟''
''اوہ تم سے دوستی ہو سکتی ہے بشرطیکہ تم پھر سے گانے کا شوق نہ فرماؤ۔''
''لو پھر لگ جاؤ گلے۔'' ماریہ نے ہنس کر کہا اور بازو وا کر دیے۔ سارہ بھی اس ہنستی مسکراتی شوخ و چنچل لڑکی سے بغل گیر ہو گئی۔ ماریہ پھر سے گانے لگی۔
''دوستی ایسا ناطہ جو سونے سے بھی مہنگا۔ جو سونے سے بھی مہنگا۔''
''ماریہ!!''
''یار! دوستی کے آغاز کو سیلیبریٹ کر رہی ہوں۔''
''اتنے بے سُرے انداز میں۔'' سارہ نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔
''چلو پھر کینٹین چلتے ہیں کولڈ ڈرنک اور سموسوں سے سیلیبریٹ کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟'' ماریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''بہت چٹ پٹا خیال ہے۔''
''تو چلو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی اور سارہ بھی اس کا ہاتھ تھامے ہنستی ہوئی کینٹین کی جانب بڑھ گئی۔
یہاں سے ماریہ اور سارہ کی دوستی کا آغاز ہو گیا۔ ماریہ کے والد ایک بزنس مین تھے۔ والدہ بیوٹی پارلر چلاتی تھیں۔ ایک بڑا بھائی عدنان تھا جو اسی سال تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے امریکا گیا تھا۔ گھر میں وہ اکیلی ہوتی تھی یا ملازمہ اور چوکیدار۔ اسے بھی ایک اچھے دوست کی تلاش تھی اور سارہ کو بھی، سو وہ دونوں مل گئیں اور دوستی جیسے انمول اور بے لوث رشتے میں بندھ گئیں۔

☆.....☆

وقت کا پنچھی پَر لگا کر اڑتا رہا۔ خدیجہ بیگم کا انتقال ہو گیا۔ ماریہ اور سارہ نے میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیا۔ ماریہ بی اے کرنا چاہتی تھی لیکن سارہ کی خاطر اس نے بھی میڈیکل کالج میں داخلہ لیا تھا۔ سارہ نے ایف ایس سی میں بھی ٹاپ کیا۔ ماریہ کا بھی اے گریڈ تھا لہٰذا دونوں کو بہ آسانی میڈیکل کالج میں داخلہ مل گیا۔ گھر کے خالی پن سے گھبرا کر ماریہ بھی سارہ کے ساتھ کالج کے ہوسٹل میں شفٹ ہو گئی۔ دونوں ایک ہی کمرے میں سیٹ ہو گئی تھیں۔ ماریہ ویک اینڈ پر اپنے گھر چلی جاتی تھی اور اکثر سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔ ماریہ کے والد اور والدہ سارہ سے بھی ماریہ کی طرح محبت سے پیش آتے۔
سارہ کا مصوری کا شوق اب بھی اس کے اندر موجود تھا۔ وہ ماریہ کو دانش اور رامش کو اپنے ہاتھ سے کارڈ بنا کر ان کی برتھ ڈے پر وش کرتی تھی۔ عید کارڈ وہ خود بناتی تھی اور اگر پڑھائی سے اکتا جاتی تو قدرتی مناظر پینٹ کرتی۔ ایک بار اس نے ماریہ کا پورٹریٹ بنایا تو ماریہ نے پورٹریٹ دیکھ کر کہا۔
''ہائے سارہ! میں تمہیں اتنی خوف ناک صورت دکھائی دیتی ہوں۔''

PAKISTANIPOINT.COM
www.pakistanipoint.com

"اب جیسی تم ہو ویسی ہی دکھائی دو گی نا۔" سارہ نے ہنس کر کہا تو وہ بھی ہنس پڑی۔
"یار میں مذاق کر رہی تھی۔ تم تو کمال کی آرٹسٹ بن سکتی ہو۔ اتنی شاندار تصویر بنائی ہے تم نے میری۔ تم تو مصوری کرتیں خواہ مخواہ میڈیکل میں آ گئیں۔" ماریہ نے سنجیدہ ہو کر پورٹریٹ کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔
"خواہ مخواہ نہیں دوست دوسروں کی خواہش کی بناء پر آئی ہوں۔"
"اور میں تمہاری محبت اور دوستی میں آ گئی ہوں۔ قسم سے کالج کی کینٹین کے سموسوں اور چائے تک میں سے کلوروفام اور ڈایا کارڈ کی بو آتی ہے اور ڈاکٹرز ہوسٹل کا کھانا مریضوں کے کھانے سے بھی گیا گزرا ہے۔ اگر ہم اپنی جیب خاص سے پھل اور دودھ وغیرہ بازار سے لا کر اپنے معدے کا خلا پر نہ کریں تو چند دن میں قحط زدہ نظر آنے لگیں۔" ماریہ نے کالج اور ہوسٹل کی جی کھول کر برائی کی تو وہ ہنس پڑی۔
"شکر کرو کہ ہمیں یہ سب تو کھانے کو ملتا ہے نا کتنے ہی لوگ ہیں جو بھوک کے مارے موت کی وادی میں اتر جاتے ہیں۔" سارہ سنجیدگی سے بولی۔
"ہاں سارہ ڈیئر جو کھانا ہم لوگ ضائع کرتے ہیں اس کھانے سے کتنے سارے بھوکوں کے پیٹ بھر سکتے ہیں مگر ایسا کوئی سوچے، عمل کرے تب نا۔ یہاں تو آدمیوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں نیت نہیں بھرتی۔" ماریہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"صحیح کہا تم نے۔" سارہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔
"یہ پینٹنگ میں گھر لے جاؤں گی اور اپنے کمرے میں لگاؤں گی۔" ماریہ پورٹریٹ دیکھتے ہوئے کہا۔
"خیر کمرے کی دیوار پر تو تم خود بھی لٹک سکتی ہو۔" سارہ نے شرارت سے کہا۔
"سارہ کی بچی۔" ماریہ نے ہنستے ہوئے کشن اٹھایا اور اسے مارنے کو دوڑی۔ وہ ہنستی ہوئی کشن اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے گلے سے لگ گئی۔ ماریہ کو اس کی اس حرکت پر بے اختیار پیار آ گیا اور اسے زور سے بھینچ کر اس کا گال چوم لیا۔

☆.....☆

صارم، سارہ کی تصویر لیے اس کے خیالوں میں گم تھا۔ یہ تصویر اس نے پچھلی عید پر کھینچی تھی اور اس سے پوچھے بغیر اسے بتائے بغیر کھینچی تھی۔ عید کے دن آرگنزا کے سبز رنگ کے خوب صورت لباس میں بغیر میک اپ کے بھی وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس روز وہ دوپہر کے کھانے کے لیے میز پر برتن سیٹ کر رہی تھی۔ صارم کیمرہ لیے اس کے تعاقب میں چلا آیا۔ اسے بہت دھیان سے کیمرے میں فوکس کرنے کے بعد پکارا۔
"سارہ!"
سارہ نے جونہی اس کی آواز پر گردن گھما کر دیکھا تو اس نے فوراً فلش لائٹ کا بٹن آن کر دیا۔
"آپ نے میری تصویر کیوں کھینچی؟" سارہ نے برا منا کر سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"بچوں کو ڈرانے کے لیے۔" اس نے مذاق سے کہا تھا۔
"کیوں بچوں کو آپ دکھائی نہیں دیتے کیا؟" سارہ نے تپ کر کہا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔
"بچوں کو تو دکھائی دیتے ہیں آپ ہی کو دکھائی نہیں دیتے۔" اس نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے معنی خیز جملہ کہا تو اس نے گلاس میز پر پٹخ کر کہا۔
"مجھے فضول چیزیں دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق کو فضول کہہ رہی ہو، گناہ ملے گا۔''
''مجھے ملے گا نا آپ کو اس سے کیا؟''
''کاش، تم سمجھ سکو۔'' صارم نے حسرت سے کہا۔ وہ اس کی بات کی گہرائی میں جائے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی اور اس شام ہی سعدیہ پھوپو نے صارم پر یہ انکشاف کیا تھا کہ سارہ اس سے منسوب ہے۔ صارم کے ذہن میں ایک سال پرانی یادیں تازہ ہو رہی تھیں۔ سعدیہ اس سے کہہ رہی تھیں۔
''صارم بیٹا! اب تم یونیورسٹی جاتے ہو وہاں یقیناً لڑکیاں بھی ہوں گی۔''
''ہیں تو۔'' صارم نے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔
''اسی لیے میں تمہیں خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ تم کسی لڑکی کے چکر میں مت پڑنا۔ تم خود کو سارہ کی امانت سمجھنا۔'' سعدیہ نے نرمی سے کہا۔
''سارہ کی امانت.....!! کیا مطلب امی؟'' بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو فوراً سوال کیا۔
''مطلب یہ ہے میرے چاند کے تم اور سارہ بچپن سے ہی ایک دوسرے سے منسوب ہو۔''
''سچ امی۔'' وہ خوشی سے اچھل کر بولا۔ حیرت اور خوشی سے اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔
''ہاں سارہ جب پیدا ہوئی تھی نا تب میں نے اسے بھائی اور بھابی سے تمہارے لیے مانگ لیا تھا اور ابا جی نے دعائے خیر بھی کرائی تھی۔ اب ان شاء اللہ جب تم اپنی تعلیم مکمل کر کے ملازمت پر لگ جاؤ گے اور سارہ کی تعلیم مکمل ہو جائے گی تو ہم تم دونوں کی شادی کر دیں گے اور میرا برسوں کا خواب بھی پورا ہو جائے گا کہ سارہ میری بہو بنے گی۔'' سعدیہ نے مسکراتے ہوئے بتایا تو صارم کے دل میں شادیانے بجنے لگے۔ وہ تو شروع سے ہی سارہ کو پسند کرتا تھا۔ اسے چاہتا تھا اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی پسند اور چاہت شدید محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ سعدیہ کا یہ انکشاف اس کے لیے ہفت اقلیم کی دولت سے بھی بڑھ کر قیمتی، خوشگوار اور سرشار کر دینے والا تھا۔
''ارے امی آپ کو بھی وہ نک چڑی، مغرور اور اکھڑ لڑکی ہی ملی تھی اپنی بہو بنانے کے لیے۔'' صارم نے دل سے خوش ہوتے ہوئے بظاہر مذاق سے کہا تھا۔
''وہ ایسی ہرگز نہیں ہے بس اپنوں سے دور رہی ہے اس لیے کم گو اور تنہائی پسند ہو گئی ہے۔ ہوسٹل میں بھلا گھر کا ماحول تھوڑی ملتا ہے لیکن سارہ دل کی بہت اچھی ہے سب سے پیار کرتی ہے جب بھی چھٹیوں میں یہاں آتی ہے تو بھائیوں کے لیے، میرے اور تمہارے ابو کے لیے ابا جی کے لیے تحفے بھی تو لاتی ہے۔ سب ہی کو تحفے دیتی ہے وہ۔'' سعدیہ نے سارہ کی حمایت اور محبت سے چور لہجے میں کہا۔
''مجھے تو سارہ نے آج تک کوئی تحفہ نہیں دیا۔'' صارم نے یاد دلایا۔ صارم کو محسوس بھی ہوا تھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی شاید۔
''تو تم نے کون سا اسے کوئی تحفہ دیا ہے۔ بچپن میں دیا کرتے تھے۔ اپنی ہر چیز اسے دینے کے لیے دوڑتے تھے۔ جب سے وہ اسلام آباد گئی ہے تم نے کبھی اسے کوئی تحفہ نہیں دیا۔ تم اسے تحفہ دو اور اس سے دوستی کرو۔'' سعدیہ نے سنجیدگی سے کہا۔
''نہ بابا نہ مجھے اپنی جان بہت پیاری ہے۔ میں بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔'' صارم نے مذاق سے کہا۔
(جاری ہے)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تسنیم شریف

# خوشبو

## سعادت مندی کی علامت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تین چیزیں دنیا میں مسلمان کی سعادت کی علامت ہیں۔ نیک پڑوسی، اچھی سواری اور کشادہ گھر۔“

(مسند احمد)

## قیمتی موتی

☆ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔

☆ جو خاموش رہا، اس نے نجات پائی۔

☆ قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

☆ تم میں بہترین شخص وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

حنا۔ کراچی

## مناجات

نواسہ رسولؐ، جگر گوشہ علیؓ، شہید کربلا سیدنا حسین ابن علیؓ نے رحمٰن و رحیم پاک پروردگار کے حضور اپنی آخری مناجات میں فرمایا: ”اے معبود برحق، اے صاحب مغفرت اور بلند مرتبت، اے شدید غضب والے، تیری قدرت ہر قدرت سے بڑھ کر ہے، تو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے، تیری کبریائی ہر شے پر چھائی ہوئی ہے، تو اس پر قادر ہے کہ جو چاہے انجام دے، تیری رحمت اپنے بندوں سے نزدیک تر ہے، تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیری بخشش ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ اپنی مخلوقات پر تیری مکمل گرفت ہے۔ جو کوئی توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تو جو ارادہ کرے اسے انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ تیرا شکر ادا کیا جائے تو شکر گزاری قبول کرتا ہے اور جب تیرا ذکر ہو، ذکر کرنے والے کو یاد رکھتا ہے۔ میں تجھے ایسی حالت میں پکار رہا ہوں کہ تیری مدد کی مجھے ضرورت ہے اور ایسی حالت میں تیری جانب میری توجہ ہے کہ سخت آزمائش اور ابتلاء میں ہوں۔ اس حزن والم میں، میں تجھے پکار رہا ہوں اور تیرے سامنے اپنے درد و غم کے لیے گریہ و زاری کرتا ہوں اور کمزوری کے عالم میں تجھ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ تجھ ہی پر میرا انحصار ہے اور تو ہی میرے لیے کافی ہے پس اے پروردگار ہمارے لیے مدد اور راہ نجات عطا کر۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔“

نادیہ ناز غوری۔ کراچی

## امام ابوحنیفہؒ کی فہم و فراست

ابوالموید خوارزمیؒ نے کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ روم کے بادشاہ نے خلیفہ وقت کی خدمت میں بہت سا مال بھیجا اور کہا کہ علماء سے تین سوال کیے جائیں اگر وہ جواب دے دیں تو یہ مال انہیں دیا جائے۔ خلیفہ وقت کے حکم سے علماء سے سوال کیا گیا لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کھڑے ہو کر خلیفہ سے اجازت طلب کی، حالانکہ اس وقت آپ کم سن تھے۔ خلیفہ نے اجازت دے دی۔ رومی سفیر سوال کرنے کے لیے منبر پر تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس سے پوچھا۔ ''آپ سائل ہیں؟'' سفیر نے کہا: ''ہاں۔'' اس پر امام صاحب نے فرمایا۔ ''تو پھر آپ کی جگہ زمین پر ہے اور میری جگہ منبر ہے۔'' وہ اتر آیا۔ امام ابو حنیفہؒ منبر پر آئے اور فرمایا: ''سوال کرو۔'' اس نے کہا: ''اللہ سے پہلے کیا چیز تھی؟'' امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔ ''عدد جانتے ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں۔'' آپ نے فرمایا: ''ایک سے پہلے کیا ہے؟'' رومی نے کہا: ''ایک اول ہے، اس سے پہلے کچھ نہیں۔'' تو امام صاحب نے فرمایا: ''جب واحد مجازی لفظی سے پہلے کچھ نہیں تو پھر واحد حقیقی سے قبل کیسے کوئی ہو سکتا ہے؟'' رومی نے دوسرا سوال کیا: ''اللہ کا منہ کس طرف ہے؟'' امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: ''جب تم چراغ جلاتے ہو تو چراغ کا نور کس طرف ہوتا ہے؟'' رومی نے کہا: ''یہ نور ہے اس کے لیے ساری جہات برابر ہیں۔'' تب امام صاحب نے فرمایا: ''جب نور مجازی کا رخ کسی ایک طرف نہیں تو پھر جو نور السمٰوٰت والارض ہمیشہ رہنے والا، سب کو نور اور نورانیت دینے والا ہے اس کے لیے کوئی خاص جہت کیسے متعین ہوئی؟'' رومی نے تیسرا سوال کیا: ''اللہ کیا کرتا ہے؟'' امام صاحب نے فرمایا: ''جب منبر پر تم جیسا اللہ کے لیے مثل ثابت کرنے والا ہو تو وہ اسے اتارتا ہے اور مجھ جیسے موحد کو منبر کے اوپر بٹھاتا ہے۔ ہر دن اس کی ایک نرالی شان ہوتی ہے۔'' یہ جواب سن کر رومی چپ ہو گیا اور مال و اسباب چھوڑ کر چلا گیا۔

افشاں صغیر۔ ٹنڈو آدم

## قابل غور

☆ دوست کے گھر جانے والا راستہ کبھی طویل نہیں ہوتا۔

☆ اپنی بات کی کبھی وضاحت نہ کرنا کیونکہ دوستوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور دشمن کبھی اس پر یقین نہیں کریں گے۔

☆ خوفزدہ انسان کی ہر بازی مات، ہر جنگ شکست اور ہر کوشش ناکام ہوتی ہے۔

☆ زندگی میں ایک چیز ہوتی ہے مصالحت۔ پرسکون زندگی گزارنے کے لیے اس کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ جس چیز کو بدل نہ سکیں اس کے ساتھ مصالحت کر لیا کریں۔

☆ اپنی کسی بھی خواہش کو جنون مت بنائیں۔ زندگی میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں مل نہیں سکتیں۔ چاہے ہم روئیں چلائیں یا بچوں کی طرح ایڑیاں رگڑیں کیونکہ وہ کسی دوسرے کے لیے ہوتی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ زندگی میں ہمارے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ یقیناً کچھ نہ کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

## ڈراما

پہلا منظر: بیوی ''امی یاد آ رہی ہیں، میکے نہ ہو آؤں؟'' خاوند: ''خیر سے جاؤ، ساسو ماں کو میرا اسلام دینا۔'' بیوی: ''کتنی خوشی ہو رہی ہے میرے جانے کی، تم تو بس جان چھڑانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔'' خاوند حیران پریشان۔ دوسرا منظر۔ ''بیوی امی یاد آ رہی ہیں، میکے نہ ہو آؤں؟'' خاوند: ''ابھی رک جاؤ، اگلے ہفتے چلی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جانا۔'' بیوی: ''ہاں ہاں تم کیسے جانے دو گے۔ تمہاری تو مفت کی نوکرانی چلی جائے گی، تمہارے کام کون کرے گا، تمہاری تو خواہش ہے میں اسی قید خانے میں قید رہوں اور اسی قید خانے میں مر جاؤں۔'' خاوند حیران پریشان۔ تیسرا منظر۔ بیوی: امی یاد آرہی ہیں، میکے نہ ہو آؤں؟'' خاوند: ''جیسے تمہاری مرضی۔'' بیوی: ''واہ جی واہ جیسی تمہاری مرضی، ہاں جی میں یہاں رہوں، میکے چلی جاؤں، جیوں مروں کیا فرق پڑتا ہے کسی کو۔'' خاوند حیران پریشان۔ چوتھا منظر۔ بیوی: ''امی یاد آرہی ہیں، میکے نہ ہو آؤں۔'' شوہر: ''کیا خیال ہے دونوں نہ چلیں؟'' بیوی: ''کیا مطلب دونوں نہ چلیں؟ دفتر، بچوں کے اسکول، گھر، یہ سب کون دیکھے گا اور دو دن مجھے بھی اپنی امی کے ساتھ اکیلے رہ لینے دیں۔ میں بھی انسان ہوں، مجھے بھی ذہنی سکون چاہیے۔'' خاوند حیران و پریشان۔

سنبل علی۔ کراچی

## شاعر کی آنکھیں

ایک دفعہ میں نے زمانے کی قدر ناشناسی کا ذکر کیا اور کہا کہ ''لوگ اپنے ملک کے بڑے بڑے شعراء، قومی رہنماؤں اور عظیم المرتبت انسانوں کی زندگی میں ان کی قدر نہیں کرتے۔'' علامہ اقبال اس سوال سے بہت متاثر ہوئے اور کسی قدر تامل کے بعد فرمایا: ''تم غور کرو، تو معلوم ہوگا کہ جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں تو دنیا کی بند ہوتی ہیں اور شاعر کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ صدیوں اس کی تعریف و توصیف کے گیت گائے جاتے ہیں۔''

از: روزگار فقیر
حفصہ نذیر۔ خانیوال

## اقوال زریں

☆ لباس پھٹا پرانا پیوند لگا ہو تو فکر نہ کریں اپنے جسم کو صاف رکھیں۔

☆ جو باتیں لوگوں کے سامنے نہیں کر سکتے ان کے پیچھے بھی مت کریں۔

☆ زندگی کی راہوں میں اس طرح پھول بکھیرتے جاؤ کہ جب تم پیچھے مڑ کر دیکھو تو تمہیں گلستان نظر آئے۔

☆ کسی سے محبت کرنا اور اسے کھو دینا محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔

☆ احسان کا بدلہ ادا نہ کر سکو تو زبان سے شکریہ ضرور ادا کر دو۔

☆ خوش مزاج انسان ٹوٹے ہوئے دل کی دوا ہے۔

☆ عقل مند وہ ہے جو دوسروں کی نصیحت سنتا ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

## لنگڑا مچھر

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو بچا لیا اور آپ اللہ کے حکم سے وطن چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ نمرود کی ناک میں ایک لنگڑا مچھر گھس گیا اور دماغ تک پہنچ گیا۔ جب یہ مچھر تنگ کرتا تھا تو نمرود حکم دیتا کہ میرے سر پر جوتے مارو۔ وہ تخت پر بیٹھ کر سر میں جوتے لگواتا تھا۔ جوتے بند ہو جاتے تو مچھر دوبارہ تنگ کرتا اور اپنے آپ کو خدا کہلوانے والا حکمران اپنے درباریوں سے کہتا کہ مجھے پھر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جوتے مارو اور پھر یہ نمرود جوتے کھاتا ہوا جہنم واصل ہو گیا لیکن لنگڑا مچھر ابھی تک زندہ ہے۔ یہ وقت کے کسی نہ کسی نمرود کی ناک کے راستے اس کے دماغ میں گھس جاتا ہے اور اس کا غرور خاک میں ملا دیتا ہے۔

امیمہ ظہیر۔ کراچی

## اتنی ہمت

ایک ڈپریسڈ شخص کا حوصلہ بندھاتے ہوئے ماہر نفسیات نے کہا۔ ''ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کیا کریں۔ مصیبت سامنے آئے تو ہمت سے اس کا سامنا کیجیے۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے سامنے ڈٹ جائیے۔'' پریشان شخص نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا: ''میں اتنی ہمت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میری بیوی مجھ سے زیادہ لمبی اور تگڑی ہے۔''

ماہ نور نواز۔ فیصل آباد

## بہادری

بابر بادشاہ سے ایک روز کسی نے پوچھا کہ آپ نے زندگی میں کون سے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں؟ اس سوال پر بابر بولا ''صرف ڈھائی کام۔'' سوال پوچھنے والا کہنے لگا۔ ''وہ کون سے؟'' عظیم بادشاہ بابر بتانے لگا۔ ''ایک دفعہ میں بہت تھکا ہوا تھا۔ راستے میں آرام کی غرض سے ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ میں نے گھوڑے کو تھوڑا دور باندھا اور تلوار بھی فاصلے پر رکھ دی۔ تھکاوٹ کی وجہ سے گہری نیند میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے محسوس ہوا کہ میری پسلیوں کو کوئی دبا رہا ہے، آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک اژدھا میرے جسم کے گرد لپٹا ہوا ہے، میری بانہیں اس کے حصار میں تھیں، اس لیے میں تلوار نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میرے منہ کے بالکل سامنے اژدھے کی گردن تھی، میں نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا اور اپنے دانتوں سے اژدھے کی گردن پر کاٹنا شروع کیا۔ میں اپنے دانتوں سے اسے کاٹتا رہا اور بالآخر میں نے اس کی شہ رگ کاٹ دی، جونہی شہ رگ کٹی تو اژدھے کا حصار ڈھیلا پڑ گیا۔ میں نے پہلے اپنا ایک بازو باہر نکالا اور پھر دوسرا۔ جسم کے گرد لپٹے ہوئے اژدھے کو ہٹایا، اپنی تلوار اٹھائی اور گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا، یہ میرا ایک کام ہے۔

میرا دوسرا کام یہ ہے کہ دلی میں موسم کی شدت کے باعث مجھے خارش کا مرض ہو گیا۔ میں نے خارش کے باعث دربار لگانا چھوڑ دیا۔ افغانستان میں میرے دشمنوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے معاملے کا پتا کرنے کے لیے ایک مخبر روانہ کیا۔ جونہی مخبر لاہور پہنچا تو میں نے دربار لگانے کا اعلان کر دیا۔ جاسوس جب تیسرے دن دلی پہنچا تو دربار لگا ہوا تھا، دربار میں میرے اپنے بندے زیادہ تھے، جاسوس بھی سامنے تھا، اس دن میں نے خارش کے مرض کے باوجود ریشمی لباس پہنا، میں سخت گرمی میں شاہی ریشمی لباس پہن کر آٹھ گھنٹے تخت پر بیٹھا رہا۔ میں نے اس دوران خارش بالکل نہ کی۔ آٹھ گھنٹے کی اس برداشت کو میں اپنا دوسرا بڑا کام سمجھتا ہوں۔'' بابر یہ کہہ کر خاموش ہوا تو پوچھنے والے نے پوچھا کہ ''وہ آدھا کام؟''

بابر نے ہنستے ہنستے کہا۔ ''آدھا کام، برصغیر فتح کیا۔''

شاہین نفیس۔ کراچی

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

صدف سعد

# ردا کی ڈائری

## موحل وسیم کی ڈائری سے

### امجد اسلام امجد کی نظم

تمہارا نام کچھ ایسے مرے ہونٹوں پہ کھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے باہر جھانکتا ہے
اور سارے منظروں میں روشنی پھیل جاتی ہے
کلی جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے
بدلتی رُت کسی مانوس سی آہٹ کی ڈالی لے کر چلتی ہے
تو خوشبو باغ کی دیوار سے روکے نہیں رکتی
اسی خوشبو کے دھاگے سے مرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا مری سانسوں میں کھلتا ہے
تمہیں میں دیکھتا ہوں، جب سفر کی شام سے پہلے
کسی الجھی ہوئی گم نام سی چنتا کے جادو میں
کسی سوچے ہوئے بے نام سے لمحے کی خوشبو میں
کسی منظر کے دامن میں کسی خواہش کے پہلو میں
تو اس خوش رنگ منظر میں تمہاری یاد کا رستہ
نجانے کس طرف سے پھوٹتا ہے
اور پھر ایسے مری ہر راہ کے ہم راہ چلتا ہے
کہ آنکھوں میں ستاروں کی گزرگاہیں سی بنتی ہیں
دھنک کی کہکشائیں سی
تمہارے نام کے خوش نما حرفوں میں ڈھلتی ہیں
کہ جن کے لمس سے ہونٹوں پہ جگنو رقص کرتے ہیں
تمہارے خواب کا رشتہ مری نیندوں سے ملتا ہے
تو دل آباد ہوتا ہے
مرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا مری آنکھوں میں کھلتا ہے

## ماہ نور نواز کی ڈائری سے

### نیل احمد کی خوب صورت غزل

مری محبت بھی نیلگوں ہے
میں اس کو دوں گی گلاب نیلا
چمکتے عارض، گھٹا سے گیسو
ہٹا دیا ہے نقاب نیلا
فلک سے آگے، پلک سے آگے
نظر میں رکھا شہاب نیلا
ہے نغمہ آہنگ زندگی بھی
ہے ساز موج رباب نیلا
ہرے سمندر کے پاس جاؤں
تو وہ بھی نکلے سراب نیلا
جو لال لفظوں سے خط لکھا تھا
مجھے ملا ہے جواب نیلا
ہیں زخم سارے ہی نیلے نیلے
ہے یہ محبت عذاب نیلا
رفاقتوں کے سفر سے بوجھل
میں لکھ رہی ہوں نصاب نیلا

## عانیہ نیازی کی ڈائری سے

### وصی شاہ کا خوب صورت کلام

میں خوش نصیبی ہوں تیری، مجھے بھی راس ہے تو
تیرا لباس ہوں میں، اور میرا لباس ہے تو

NAVDAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

عجیب شے ہے محبت کہ ہم کہیں جائیں
تیرے قریب ہوں میں، میرے آس پاس ہے تو
کب یہ ممکن ہے کوئی ہم کو جدا کر جائے
میں ہوں ناخن تو میری جان میرا ماس ہے تو
بند ہونٹوں پہ میرے ریت جمی جاتی ہے
تو میرے پاس ہے اور پھر بھی میری پیاس ہے تو
میں نے خود کو بھی فراموش کیا تیرے لیے
عام ہے سارا جہاں میرے لیے خاص ہے تو

## حنا نوید کی ڈائری سے

### خوب صورت غزل

زندگی اپنی خواب جیسی ہے
خوب رو بے نقاب جیسی ہے
صحن گلشن میں آپ کی ہستی
شاخ پر ایک گلاب جیسی ہے
کبھی ڈوبی ہے اور کبھی ابھری
عاشقی بھی حباب جیسی ہے
ان کی شوخی تو ہے بہار چمن
سادگی محو خواب جیسی ہے
ہے کرشمہ یہ ان کی آنکھوں کا
خامشی بھی خطاب جیسی ہے

## نوید احمد کی ڈائری سے

### امجد اسلام امجد کی غزل

بھیڑ میں اک اجنبی کا سامنا اچھا لگا
سب سے چھپ کر وہ کسی کا دیکھنا اچھا لگا
سرمئی آنکھوں کے نیچے پھول سے کھلنے لگے
کہتے کہتے کچھ کسی کا سوچنا اچھا لگا
بات کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس کا ایک دم
ہاتھ کا ہونٹوں پہ رکھ کے روکنا اچھا لگا
چائے میں چینی ملانا اس گھڑی بھایا بہت
زیر لب وہ مسکراتا شکریہ اچھا لگا
دل میں کتنے عہد باندھے تھے بھلانے کے اسے
وہ ملا تو سب ارادے توڑنا اچھا لگا
بے ارادہ لمس کی وہ سنسنی پیاری لگی
کم توجہ آنکھ کا وہ دیکھنا اچھا لگا
نیم شب کی خاموشی میں بھیگتی سڑکوں پہ کل
تیری یادوں کے جلو میں گھومنا اچھا لگا
اس عدوئے جاں کو امجد میں برا کیسے کہوں
جب بھی آیا سامنے وہ بیوفا اچھا لگا

## ڈاکٹر عائشہ کی ڈائری سے

### ساغر صدیقی کی خوبصورت غزل

نظر نظر بے قرار سی ہے نفس نفس میں شرار سا ہے
میں جانتا ہوں کہ تم نہ آؤ گے پھر بھی کچھ انتظار سا ہے
مرے عزیزو مرے رفیقو چلو کوئی داستان چھیڑو
غم زمانہ کی بات چھوڑو یہ غم تو اب سازگار سا ہے
وہی افسردہ سا رنگ محفل وہی ترا اک عام جلوہ
مری نگاہوں میں بار سا تھا مری نگاہوں میں بار سا ہے
کبھی تو آؤ کبھی تو بیٹھو کبھی تو دیکھو کبھی تو پوچھو
تمہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے
چلو کہ جشن بہار دیکھیں چلو کہ ظرف بہار جانچیں
چمن چمن روشنی ہوئی ہے کلی کلی پہ نکھار سا ہے
یہ زلف بردوش کون آیا یہ کس کی آہٹ سے گل کھلے ہیں
مہک رہی ہے فضائے ہستی تمام عالم بہار سا ہے

## فرزانہ شوکت کی ڈائری سے

### منتخب غزل

آس نگر کے گلشن میں بس ایک شگوفہ پھوٹا تھا
یارو مجھ سے اس موسم میں ساتھ کسی کا چھوٹا تھا
بکھر گیا تھا عکس تمہارا جس دن ذرے ذرے میں
یاد ہے تم کو اس دن میرا شیشہ ٹوٹا تھا
آخر ایسی بات ہی کیا تھی ہلچل تھی میخانے میں
ساغر ہی تو تھا جو ساقی کے ہاتھ سے چھوٹا تھا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

## شاہین نفیس کی ڈائری سے

### خوب صورت کلام

حور ہو یا کوئی پری ہو تم
کیسے دل میں اتر گئی ہو تم
تیری آنکھوں میں نیلے دریا ہیں
میرے خوابوں کی جل پری ہو تم
زندگی بھی تو عارضی ٹھہری
کیسے کہہ دوں کہ زندگی ہو تم
تم مری نظم ہو، تخیل ہو، میری اردو ہو، شاعری ہو تم
دیکھو جگنو بھی تم سے جلتے ہیں
چاند نگر کی چاندنی ہو تم
آئینہ خانہ بن گئی آنکھیں
سامنے ہو بہو کھڑی ہو تم
آخری بار دیکھ لوں تم کو
کیا پلٹ کر بھی دیکھتی ہو تم

## زرمینہ گل کی ڈائری سے

### احفاظ الرحمٰن کی غزل

درد کی جھلساتی گھڑیوں میں
اک میٹھا پیغام کسی کا
دل میں ٹھنڈک بھر دیتا ہے
جیسے کانٹوں کی بستی میں
پھول سا کوئی چہرہ چمکے
چاندی کی گھنٹی کے سُر میں
رس برسے، ویرانہ مہکے
جیسے نرم ہوا کا جھونکا
گرمی کی تپتی راتوں میں
ماں کی لوری بن جاتا ہے
درد کی جھلساتی گھڑیوں میں
اک میٹھا پیغام کسی کا

## عثمان سعد کی ڈائری سے

### جون ایلیا کا کلام

یہ پیہم تلخ کلامی سی رہی کیا
محبت زہر کھا کر آئی تھی کیا؟
مجھے اب تم سے ڈر لگنے لگا ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی کیا؟
شکست اعتماد ذات کے وقت
قیامت آ رہی تھی آ گئی کیا؟
مجھے شکوہ نہیں بس پوچھنا ہے
یہ تم ہنستی ہو اپنی ہی ہنسی کیا؟
پڑے ہیں ایک گوشے میں گماں کے
بھلا ہم کیا، ہماری زندگی کیا؟
میں اب ہر شخص سے اکتا چکا ہوں
فقط کچھ دوست ہیں اور دوست بھی کیا؟
ابھی ہونے کی باتیں ہیں سو کر لو
ابھی تو کچھ نہیں ہونا ابھی کیا؟
یہی پوچھا کیا آج دن بھر میں
ہر اک انسان کو روٹی ملی کیا؟

## امیمہ ظہیر کی ڈائری سے

### نوشی گیلانی کی غزل

گلی کوچوں میں برگ خشک کی صورت بکھرنا تھا
ہوا سے دوستی کا کوئی تو انجام ہونا تھا
جنوں کے اس شہر میں لیکن ہماری ہار لازم تھی
ادھر اک شاعرہ بھی اس طرف سارا زمانہ تھا
یہ ساری عمر کس آشفتگی میں رائیگاں کر دی
اسی کو یاد رکھا ہے جسے دل سے بھلانا تھا
عجب وحشت کا عالم ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا
سفر کی شب مسافر کو کہاں خیمہ لگانا تھا
وہ جب اوجھل ہوا تو ہم بھی اپنے آپ سے چونکے
اسے آواز دینا تھی اسے واپس بلانا تھا

.....☆.....

AMMAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تسنیم شریف

# اس ماہ میں

## اس ماہ کے اقتباسات

### امرتا پریتم: میری پہلی جھوٹی نظم

میں ابھی گیارہ برس کی بھی نہ تھی کہ ایک دن میں نے چار مصرعوں کی ایک چھوٹی سی نظم لکھی اور اس میں اپنے خیالی محبوب ''راجن'' کا نام بھی لکھ دیا۔ پھر کاغذ کے اس پرزے کو موڑ کے اپنی قمیص کی جیب میں چھپا لیا۔ اسکول جا کر سہیلی کو دکھانے کا ارادہ تھا۔ اسکول جانے کے لیے بستہ ہاتھ میں پکڑا اور والد صاحب سے روزانہ جیب خرچ کے پیسے لینے لگی۔ والد صاحب نے پیسے ہاتھ میں دینے کے بجائے جیب میں ڈالنے چاہے۔ پیسے جو جیب میں ڈالے تو کاغذ کھڑکھڑا اٹھا۔ انہوں نے اسے باہر نکال لیا اور پڑھنے لگے۔ وہ اسے پڑھ رہے تھے اور میرا سانس جیسے رکا جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے ڈپٹ کر مجھ سے پوچھا۔

''کس نے لکھی ہے یہ نظم؟''

میرے ہونٹ کپکپا اٹھے۔ جلدی میں مجھ سے کچھ بھی نہ کہا گیا۔ انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ ڈانٹ کے پوچھا۔

''یہ نظم تم نے لکھی ہے؟''

''نہیں، میں نے نہیں لکھی۔ میری سہیلی نے لکھی ہے۔ اس نے مجھے پڑھنے کے لیے دی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔ ہونٹ تو کانپ ہی رہے تھے، الفاظ بھی لڑکھڑانے لگے۔

والد صاحب نے میرے لڑکھڑاتے لفظوں سے جھوٹ کو پکڑ لیا اور اپنے پورے ہاتھ سے میرے بائیں گال پر تھپڑ مارا۔

''جھوٹ بولتی ہو۔ یہ نظم تم ہی نے لکھی ہے۔''

جھوٹ کے پاؤں کہاں۔ میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امڈ پڑا۔ انہوں نے پھر میری نظم کو غور سے پڑھا اور پھر گرج کر بولے۔

''یہ راجن کون ہے؟''

''مجھے معلوم نہیں۔''

میں نے سچ کہہ دیا مگر انہیں میری سچائی پر بھی یقین نہ آیا۔ انہوں نے اگلے ہی لمحے کاغذ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور میں روتے روتے اسکول چلی گئی۔

اس طرح میں نے اپنی پہلی نظم جھوٹ بول کر کسی غیر کے نام سے وابستہ کرنی چاہی مگر نظم نے وہ اجنبی نام برداشت نہ کیا اور ایک زوردار تھپڑ کو ساتھ لے کر وہ واپس میرے نام سے آ چکی۔

از: امرتا پریتم کا بچپن
مومل وسیم۔ کراچی

### ادب

شاعری خوب صورت ماحول میں بھی ہو سکتی ہے، افسانے پاک صاف بھی لکھے جا سکتے ہیں۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جو لوگ جان بوجھ کر اپنے گھر بار سے غافل ہو کر خود کو ادب کے لیے وقف کرنے کے دعوے کرتے ہیں انہیں ادب بھی قبول نہیں کرتا۔ خالص ادب پیشہ نہیں ہوتا۔ اگر ہو جائے تو پھر ادب نہیں رہتا۔ لکھنے پڑھنے کے بے شمار کام پیشے کے زمرے میں آتے ہیں لیکن ہر لکھنے پڑھنے والا کام ادب کے زمرے میں نہیں آتا۔ ادب اظہار ذات کا نام ہے، تارک الدنیا ہونے کا نہیں۔ بیوی بچوں کو بھوکا چھوڑ کر خود رات رات بھر مشاعروں میں سگریٹ پھونکنے والوں کی وجہ سے ہی ادب بدنام ہوا ہے۔ ادب کام کرنے اور پیسا کمانے سے نہیں روکتا۔ روٹی روزی کو پہلی ترجیح دیجیے۔ میں یقین دلاتا ہوں اس چھوٹی سی بے ادبی کے نتیجے میں نہ ادب کو جوڑوں کا درد ہوگا نہ بخار ہوگا اور نہ وہ آپ سے خدمت کرانے کے لیے تڑپے گا۔

از: نوخیزیاں

انتخاب: ثناء جویریہ۔ کراچی

## اس ماہ کی تیکھی باتیں

☆ شادی کیا ہوتی ہے یہ سمجھنے کے لیے ایک سائنس دان نے شادی کرلی پھر اسے عمر بھر سائنس سمجھ میں نہ آئی۔

☆ ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کہتے ہیں، کتنی عجیب بات ہے کہ بندے کو پسند تو خاتون کے گال کا تِل آتا ہے لیکن شادی اسے پوری خاتون سے کرنا پڑتی ہے۔

☆ بیوی کی خوبیاں بیان کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنی اپنی خامیاں تلاش کرنا۔

☆ محبت، زن مریدی، سرکاری نوکری تینوں ایک جیسی۔ بندہ روتا بھی رہتا ہے کرتا بھی رہتا ہے۔

☆ کسی سیانے سے پوچھا گیا وائف 'بیوی' بیگم میں کیا فرق ہے۔ سیانا بولا۔ کچھ فرق نہیں یہ بھی انڈیا، بھارت، ہندوستان کی طرح ایک مصیبت کے تین نام۔

☆ پرانے گانے سنوں تو بیوی کہتی ہے کس کی یاد ستا رہی ہے۔ نئے سنوں تو کہتی ہے تمہیں بڑی جوانی چڑھ رہی ہے۔

☆ شادی کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بندہ خاوند بن جاتا ہے۔

☆ شادی کے بعد بیوی وفادار تو نکل سکتی ہے تابعدار نہیں۔

☆ ملک کی تقدیر تو غیر شادی شدہ بدل سکتے ہیں۔ شادی شدہ تو اپنی مرضی سے ٹی وی چینل بھی نہیں بدل سکتے۔

☆ بیوی جو کہے وہ کرو۔ اپنی عقل اور چالاکیاں دفتر تک ہی محدود رکھو۔

☆ شاعروں کو شادی ضرور کرنی چاہیے۔ بیوی اچھی مل گئی تو زندگی اچھی ہو جائے گی۔ بیوی اچھی نہ ملی تو شاعری اچھی ہو جائے گی۔

☆ بیوی منطق، عقل سے آگے کی مخلوق ہے۔

☆ سب خاوند ایک جیسے ہوتے ہیں بس شکلیں مختلف ہوتی ہیں تاکہ اپنا اپنا خاوند پہچاننے میں آسانی رہے۔

☆ بیویاں محبت کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں سمجھنے کے لیے نہیں۔

☆ بچے بنے رہو۔ بیوی سمیت ننانوے مصیبتوں سے بچے رہو گے۔

ثناء عمران۔ کراچی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

## منگیتر کہیں جسے!

محبوب کے بعد اور شوہر سے پہلے جس مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے اسے ''منگیتر'' کہتے ہیں۔ لو میرج میں محبوب منگیتر بن جاتا ہے جب کہ ارینج میرج میں ایک اجنبی اس عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ منگیتر جب محبوب ہوتا ہے تو اس کے رنگ ڈھنگ ہی الگ ہوتے ہیں لیکن منگیتر بن جانے کے بعد عہدہ بدلنے کے ساتھ ساتھ اس میں بھی نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ محبوب کی نسبت اجنبی شخص کا منگیتر ہونا تھوڑا سا فائدہ مند ہوتا ہے کیونکہ آپ اسے پہلے سے نہیں جانتے تو آپ کو ہرگز یہ گلہ نہیں ہوگا کہ ''کتنا بدل گئے ہیں آپ..... پہلے تو ایسے نہ تھے۔''

مرد منگیتروں میں رعب جمانا، پابندیاں لگانا، شک کرنا جیسی صفات نمایاں ہوتی ہیں چاہے وہ منگیتر بننے سے پہلے آپ کے ساتھ خوب سیر سپاٹے اور شاپنگ کرتا ہو لیکن منگیتر بننے کے بعد آپ پر شاپنگ کی پابندی واضح طور پر لگ جاتی ہے۔ فیملی کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بھی منتیں کر کے اجازت لینا پڑتی ہے۔ رعب جمانا اور پابندیاں لگانا وہ اپنا قانونی حق سمجھتا ہے۔

خاتون منگیتر کا فون مصروف ہونے پر منگیتر جلال میں آجاتا ہے اور میسج کا بروقت ری پلائے نہ کرنے پر وہ جلاد بھی بن سکتا ہے۔ منگیتر ضدی، بے صبرا اور خود سر ہوتا ہے۔ وہ آدھی سلطنت کا حقدار ہوتا ہے مگر پوری سلطنت پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور یوں بے چاری خاتون منگیتر کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ بہت کم منگیتر ایسی ہوں گی جو ایسی صورت حال میں بخوشی شادی پر راضی ہوں۔ ورنہ اکثر تو منگیتر بننے کے بعد ہی ہمت ہار جاتی ہیں۔ مرد کو اپنی منگیتر کی ہر بات پر اعتراض ہوتا ہے اور اختلاف رائے رکھنا گویا اس کی گھٹی میں شامل ہوتا ہے۔ وہ منگیتر پہ اپنی پسند ناپسند تھوپتا ہے۔ خواہ اس میں بے چاری منگیتر کی کتنی ہی دل آزاری کیوں نہ ہو۔ آنے جانے پہ اعتراض، لباس پہ اعتراض حتیٰ کہ اکثر اوقات کھانے پینے، سونے جاگنے پر بھی اعتراض۔ گویا مجموعی طور پر ہم مرد منگیتر کو ایک ''نقاد'' کہہ سکتے ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ اب سنگین صورت اختیار کر چکا ہے لہٰذا ہم آئین میں خواتین منگیتروں کے حقوق بل کے خواستگار ہیں۔ مرد منگیتروں کے عتاب سے بچنے کے لیے ہمیں کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ ہم نے بہت سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ ایک کمیٹی تشکیل دیں گے، جس کا نام ہوگا ''منگیتر خلاف مہم'' اور جس کا نعرہ ہوگا ''جیو اور جینے دو'' اس کے ارکان میں وہ تمام متاثرہ منگیتر شامل ہوں گی جن کا بیان شدہ حالات سے واسطہ پڑا ہو۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اپنی جیسی نئی منگیتر بننے والی لڑکیوں کو ان تمام حالات سے بروقت آگاہ اور ان کی بروقت مدد کر کے انہیں اس الجھن، پریشانی سے نجات دلائیں اور ان کی ایک ہی نصیحت ہوگی۔ ''والدین کی ہدایات پر عمل کریں۔ شادی سے پہلے منگیتر سے بات کرنا مضر صحت اور خلاف خوشی ہے۔''

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

## اس ماہ کا فلسفہ

کبھی عشروں میں کچھ نہیں ہوتا کبھی ہفتوں میں عشرے گزر جاتے ہیں۔

خدیجہ نواز۔ کراچی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

## اس ماہ کے لطیفے

سردار جی: ''یار یہ موبائل تو مجھے کنگلا کر دے گا۔''
دوست: ''کیوں کیا ہوا؟''
سردار جی: ''جب سے خریدا ہے بار بار لکھ کر آتا ہے بیٹری لو۔ میں اب تک 50 بیٹریاں لے چکا ہوں۔

☆

سردار جی پہلوان سے: ''تم کتنے آدمی اٹھا سکتے ہو؟''
پہلوان: ''دس۔''
سردار جی: ''بس؟ تم سے اچھا تو میرا مرغا ہے جو روز صبح سویرے پورے محلے کو اٹھا دیتا ہے۔''
مہوش اکرام۔ خانیوال

## اس ماہ کی سیانی باتیں

ایک غم زدہ دوست نے کہا۔ ''مجھے تو ایسے لگے میں سنگل ہی مروں گا۔'' سیانا بولا۔ ''اس میں دکھی ہونے کی کیا بات ہے سب کو سنگل ہی مرنا ہے۔''
خود یہ ایسا میسنا ایک دن ہم نے اس سے کہا۔ ''اگر تمہاری شادی دو جڑواں بہنوں میں سے ایک سے ہو جائے تو تم اپنی بیوی کو کیسے پہچانو گے۔'' یہ بولا۔ ''میں پاگل تھوڑی ہوں جو پہچانوں گا۔''
تزئین نبیل۔ امریکا

## اس ماہ کی سنہری بات

اگر ایک یا دو لفظ کسی کو خوش کر سکتے ہیں تو وہ یقیناً ذلیل ہے جو ان لفظوں کو نہ کہے۔ یہ تو اپنی موم بتی جلانے جیسا کام ہے۔ چراغ سے چراغ تم جلاؤ تو تمہیں بھی روشنی ملے گی۔ پھر تم بھی مسکراہٹ پاؤ گے۔ یقین کرو تم دوسرے کا چراغ روشن کرو گے تو تمہارے چراغ کی روشنی ذرا بھی مدھم نہ پڑے گی۔
تمثیلہ۔ کراچی

## اس ماہ کی نظم

کسی کو آپ کے بالوں کی چاندی سے محبت ہو
کسی کو آپ کی آنکھوں پہ اب بھی پیار آتا ہو
لبوں پر مسکراہٹ کے گلابی پھول کھل جائیں
جبیں کی جھریوں میں روشنی سمٹی ہوئی ہو تو
بڑھاپا خوب صورت ہے!
شکن آلود ہاتھوں پر دمکتے ریشمی بوسے
سعادت کا، عقیدت کا، تقدس کا حوالہ ہوں
جوانی یاد کرتا دل اداسی کا سمندر ہو
اداسی کے سمندر میں کوئی ہمراہ تیرے تو
بڑھاپا خوب صورت ہے!
ذرا سا لڑکھڑائیں تو سہارے دوڑ کر آئیں
نئے اخبار لا کر دیں، پرانے گیت سنوائیں
بصارت کی رسائی میں پسندیدہ کتابیں ہوں
مہکتے سبز موسم ہوں، پرندے ہوں، شجر ہوں تو
بڑھاپا خوب صورت ہے!
پرانی داستانیں شوق سے سنتا رہے کوئی
محبت سے دل و جاں کی تھکن چنتا رہے کوئی
ذرا سی دھوپ میں حدت بڑھے تو چھاؤں مل جائے
برستے بادلوں میں چھتریاں تن جائیں سر پر تو
بڑھاپا خوب صورت ہے!
جنہیں دیکھیں تو آنکھوں میں ستارے جگمگا اٹھیں
جنہیں چومیں تو ہونٹوں پر دعائیں جھلملا اٹھیں
جواں رشتوں کی دولت سے اگر دامن بھرا ہو تو
رفیقِ دل، شریکِ جاں برابر میں کھڑا ہو تو
بڑھاپا خوب صورت ہے!
شاعر: نصیر خان
پسند: امیمہ ظہیر۔ کراچی

.....☆.....

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

نورین ملک

# ذرا ایسے سکھنا

## غزل

اس جہانِ رنگ و بو کی دلکشی کچھ اور ہے
عارضی ہیں غم یہاں کے زندگی کچھ اور ہے
دکھ اٹھائے ہی نہیں ہیں تم نے ہجرت کے کبھی
ہم اسیرانِ وفا کی بے کسی کچھ اور ہے
اپنے اپنے رنج ہیں اس زندگی اور موت کے
بے کسی کچھ اور ہے اور بے بسی کچھ اور ہے
اپنی آنکھوں کی بصیرت سے نہ کرنا فیصلہ
روشنی کچھ اور ہے اور آگہی کچھ اور ہے
تم نے آنکھوں سے کسی زندگی میں پی نہیں
بادہ نوشی اور ہے مے کشی کچھ اور ہے
پھینک دے یہ پارسائی کا لبادہ شیخ جی
اور ہے تیری محبت بندگی کچھ اور ہے
میں امیرِ کارواں ہوں جانتا ہوں راز یہ
رہنمائی اور ہے اور رہبری کچھ اور ہے
ہر تعلق کی یہاں پر ایک قیمت ہے حکیم
دوستی کچھ اور ہے اور دشمنی کچھ اور ہے

حکیم خان حکیم

## منت کا دھاگا

اک لڑکی
اپنی کلائی پر بندھا ہوا
منت کا دھاگا اپنی چوڑیوں میں
چھپا رہی تھی
دور کھڑی اک لڑکی
یہ منظر دیکھ کر
مسکرا رہی تھی
پہلی لڑکی آنکھوں میں
حسین سپنے سجا رہی تھی
دوسری لڑکی حقیقت سے
گزر کر آ رہی تھی

سیدہ عروج فاطمہ

## تم مجھ کو یاد کرنا!

بس اک یہی ہے خواہش
بس ایک ہے تمنا
جب زندگی کا سورج
چپ چاپ ڈھل رہا ہو
تم مجھ کو یاد کرنا
آواز دیتے رہنا
مشکل گھڑی جو آئے
مجھ سے تسلی لینا
جب گھر مہک رہا ہو
خوشیوں سے جھومتا ہو
تم میرے قہقہے بھی
خوشیوں میں ساتھ رکھنا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جب دوستوں میں جانا
تم مجھ کو یاد کرنا
جب دل کو ٹھیس پہنچے
آنکھوں میں آنسو آئیں
تنہا کبھی نہ رونا
تم مجھ کو یاد کرنا

ایس امتیاز احمد

## دل غافل

تمہیں پتا ہے
اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم سے
میرا عشق
ابھی بھی ان تنہائیوں سے
گلے شکوے کرتا ہے
تو میں کبھی بھی کیپیٹل ویو کے
اس حسین ترین
منظر میں تمہیں یاد نہ کرتی
مگر کیا ہے کہ ہر بار کی طرح
اس بار بھی
مجھ سے بھول ہو گئی
اور تم اس
سارے منظر کی شان میں
گستاخی
کی صورت دِکھنے لگے ہو

فرزانہ شوکت

## درد

ریت پریت
نبھا کے تھکی
کب تک درد چھپائے گی

ملک عامر نواز

## بھٹیارن

بھٹیارنوں کا ابھرتا ہے بھٹی سے دن
اور وہیں گرم بھٹی کی پاتال میں ڈوب جاتا ہے
بھٹیارنوں کا افق گرم بھٹی کے چوگرد خیمہ فگن ہے
مچلتی ہے جب آگ
بھٹیارنوں کی محبت بھری آرزوئیں دہکتی ہیں
جب لکڑی جلتی ہے
اونچی مٹی پہ بیٹھی ہوئی
لکڑیوں کی معیت میں جلتی ہیں
ہر مزکی کیسی تمنائیں ان کو ستاتی ہیں
آتش بڑھاتی ہیں لیکن زمانہ نہیں جانتا ہے
کہ اٹھتے ہیں بھٹی سے جو تیز شعلے
وہ دل ٹھارتے ہیں
وہ ان کے شب و روز رنگین کرتے ہیں
اور دل کے نادیدہ کنجوں تلک
اپنے رستے بناتے ہیں
رستوں پہ پھلدار پودے لگاتے ہیں
بھٹیارنیں جن پہ چلتی ہیں
سیمرغ کے بھید کو جاننے والیاں
راکھ سے پیدا ہو کر دہکتے ہوئے کوئلوں پر
جوانی کے دن کاٹتی ہیں
الٹتی ہیں روشن ستاروں بھرا چھاج
بھٹیارنوں نے
طلا کار چھلنی کے دانوں کو گن گن کے
اپنی دعاؤں کا مرکز بنایا ہوا ہے
زمانوں سے زرتشت کی نسل کا
کیسے آتش کدہ جگمگایا ہوا ہے

سعدیہ جواد

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

## غزل

جہاں میں جس سے تھی زندگانی میری
بھولے سے اس نے قدر نہ جانی میری
جل کے راکھ ہو گئے ہم آخر
آ کے گزر گئی پھر شام سہانی میری
کسی نے توڑ دیئے پیار کے بندھن سارے
واپس کردی تو نے پھر نشانی میری
گزرے دنوں کی بات نہ کر ہمسفر
اداس دل کی تھی پھر یہ کہانی میری
جا کے کوئی پلٹ کے آتا نہیں کبھی
اندھیروں میں لٹ گئی جیسے جوانی میری
بیت گیا جیون تو احساس ہوا جاوید
دل سے میرے اب جاتی نہیں پریشانی میری

محمد اسلم جاوید

## نظم

میں رکا
اور اپنے عقب میں تھکے ہارے
سال گزشتہ کی جانب نظر کی
شکستہ، دکھی، خون میں تر بہ تر
ایک بوڑھا مسافر
کہاں سے چلا اور کہاں آ گیا
الاماں الاماں
کیا عجب سال تھا
جس کا ایک ایک دن تھا مصیبت کا دن
قتل کرتے ہوئے قتل ہوتے تھے لوگ
ہر طرف نوحہ خوانی تھی ماتم تھا
اور آنگنوں آنگنوں سوگ تھے
بھوک تھی، پیاس تھی، قحط تھا، روگ تھے
زر کی دنیا میں تھر کی طرف کوئی کیا دیکھتا
سب نگاہیں تھیں دستار پر پھر بھلا
تیرے سر کی طرف کوئی کیا دیکھتا
میں رکا
میں نے سال گزشتہ کی آنکھوں میں جھانکا
جہاں اشک ہی اشک تھے
میں انہی میں کہیں بہہ گیا
میں جو کتنی ہی دنیاؤں کی سیر
کرنے کی نیت سے نکلا تھا
لیکن یہیں رہ گیا

قمر رضا شہزاد

## آزادی

تم کیا جانو صاحب
قیمت آزادی کی
تمہیں تو بس وردی
پیاری ہے
پہن کے جس کو
میں بڑا آدمی ہوں
اور اس دھرتی ماں نے
تمہیں بہت کچھ دیا ہے
کب احسان چکاؤ گے
وطن کے رکھوالوں نے تو خون کی
ندیاں بہائیں
آخر اِک بوند کب دو گے

فیضان احمد فیضی

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

حورینہ سعد

# اشعار

سیدہ عروج فاطمہ ——— ملتان

اپنی سوچوں میں گھری ہوئی لڑکی
میں نے دیکھی ہے تنہا کھڑی ہوئی لڑکی
مسکراتے ہوئے سالگرہ کا کیک کاٹ رہی تھی
مگر اندر سے تھی وہ مری ہوئی لڑکی

فرزانہ شوکت ——— کراچی

مجھ کو شکست دل کا مزہ یاد آ گیا
تم کیوں اداس ہو گئے کیا یاد آ گیا
کہنے کو زندگی تھی بہت مختصر مگر
کچھ یوں بسر ہوئی کہ خدا یاد آ گیا

ماورا ——— جہلم

دل عشاق کی خبر لینا
پھول کھلتے ہیں ان مہینوں میں

ثنا جویریہ ——— کراچی

دل سے لڑ کر بھی سخاوت کی تمنا نہ گئی
کوئی اجڑا ہوا آئے تو دعا لے جائے
جس کا دامن بھی محبت سے ہو خالی محسن
ہم غریبوں سے زر عہد وفا لے جائے

نازیہ ناز غوری ——— لانڈھی

ہوئے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزار ہستی میں
نہ لیکن رنگ پہ اپنی تمنا کا شجر آیا

ہالہ رفیق ——— خانیوال

اگر دل واقف نیرنگی طبع صنم ہوتا
زمانے کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا
یہ پابند مصیبت دل کے ہاتھوں ہم تو رہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

صفیہ عثمان ——— بونیر

گلگشت کریں پھول چنیں ان کو ہے کیا غم
آوارہ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں

شگفتہ خان ——— حافظ آباد

انہیں بھی جوش الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا
ہم ہی دن رات اگر تڑپے تو پھر اس میں مزا کیا ہے

تسنیم شریف ——— کراچی

خبر مجھ کو نہیں ملتی یاران گزشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کس طرح ہیں کیا گزرتی ہے

صائقہ مشتاق ——— ملتان

ہجر میں خون جگر آخر کو پینا ہی پڑا
موت بھی آئی نہیں مجبوراً جینا ہی پڑا

نبیلہ عظمیٰ ——— شجاع آباد

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

نجمہ نذیر ——— کورنگی

موت کا بھی علاج ہو شاید
زندگی کا کوئی علاج نہیں

عاصمہ اکرام ——— خوشاب

اپنے چہرے سے جو ظاہر ہے چھپائیں کیسے
تیری مرضی کے مطابق نظر آئیں کیسے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

عذرا ناصر ——— سیالکوٹ

اے برہمن ہمارا تیرا ایک ہے عالم
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا

سیدہ فاطمہ ——— ساہیوال

نہ خلق اس کی خبر لیتی نہ عقل اس کی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

فرزانہ شکیل ——— جڑانوالہ

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر
کس طرح ان سے ہمارا حال دیکھا جائے گا

خالدہ پروین ——— گوجرہ

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا
اچھا ہوا مزہ تو محبت کا مل گیا

نسیم اختر ——— کراچی

یہ حسن ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا
پرانی روشنی اور نئی میں فرق اتنا ہے
اسے کشتی نہیں ملتی اسے ساحل نہیں ملتا

رضوانہ ملک ——— جلال پور

وہ مطرب اور وہ سازوہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانہ بدل گیا

آسیہ جاوید ——— ڈی جی خان

ہے نشہ غرور میں زاہد خراب تر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر

ایمل جنید ——— کراچی

دل زیست سے بے زار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں
اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
بس مجھ سے ہی انکار ہے معلوم نہیں کیوں

صائمہ سحر ——— گوجرہ

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کوثر جہاں ——— کشمیر

جدا ہوئے ہیں تو کیا ہوا یہ ہی دستور زندگی ہے
جدائیوں میں نہ قربتوں کا ملال ہوگا یہ طے ہوا تھا

نعیمہ ——— کراچی

کتاب ہستی جہاں سے کھولی
تیری ہی یادوں کے باب نکلے

صبا سحر ——— لاہور

میں ہوں اخبار محبت میری پیشانی پر
روز اک آس کے مرنے کی خبر لگتی ہے

گل رعنا ——— لاہور

اس قدر زیست کی راہوں نے تھکایا ہے مجھے
کون بچھڑا ہے کہاں کون ملا یاد نہیں

ثناء جویریہ ——— کراچی

کسی کا پیار کسی کی دعا ضروری ہے
دیار جاں میں تازہ ہوا ضروری ہے

مریم نواز ——— کراچی

درد کی دل پہ حکومت تھی کہاں تھا اس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی کہاں تھا اس وقت
دل کے دریاؤں میں اب ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تجھ سے محبت تھی کہاں تھا اس وقت

مہ جبیں تاج ——— کراچی

افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اور کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک

نمرہ صدیق ——— حیدرآباد

بہار عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئے سرے سے جواں ہو کر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ثریا اقبال

# کچن

## ہانڈی کباب مسالا

اجزا

| | |
|---|---|
| شامی کباب (فرائی) | : دس سے بارہ عدد |
| پیاز (باریک کٹی ہوئی) | : دو عدد |
| پالک (کٹی ہوئی) | : دو کپ |
| دہی | : ایک کپ |
| قورما مسالا | : تین کھانے کے چمچ |
| لہسن، ادرک کا پیسٹ | : ایک چائے کا چمچ |
| تیل | : آدھا کپ |

ترکیب: ایک پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز بھون لیں۔ اب اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر تھوڑا فرائی کریں اور پالک شامل کر کے دو منٹ پکا کر چولہا بند کر دیں۔ پتیلی سے پالک نکال لیں اور گرائنڈر میں پالک، دہی اور قورما مسالا شامل کر کے اچھی طرح گرائنڈ کر لیں۔ اب انہیں اسی تیل میں ڈال کر دوبارہ پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب گریوی گاڑھی ہونے لگے تو کباب شامل کر کے دو منٹ پکا کر چولہا بند کر دیں۔ آخر میں ہرے دھنیے سے سجا کر سرو کریں۔

## تکہ بوٹی ودوائٹ سوس

اجزا

| | |
|---|---|
| تکہ بوٹی (فروزن) | : بیس عدد |
| میکرونیز (ابال لیں) | : ایک کپ |
| کریم | : ایک کپ |
| موزریلا چیز | : آدھا کپ |
| دودھ | : ایک کپ |
| مٹر (ابلے ہوئے) | : آدھا کپ |
| بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی) | : آدھا کپ |
| نمک | : حسب منشا |
| کالی مرچ پاؤڈر | : ایک کھانے کا چمچ |
| مکھن | : تین کھانے کے چمچ |
| سیاہ زیتون | : حسب ضرورت |
| لہسن پاؤڈر | : ایک چائے کا چمچ |

ترکیب: پین میں مکھن گرم کر کے اس میں کریم، چیز اور دودھ ڈال کر ایک منٹ پکائیں۔ اب اس میں تکہ بوٹی اور دیگر اجزاء شامل کر کے پکنے دیں اور گاڑھا ہوتے ہی چولہا بند کر دیں۔ اگر سوس زیادہ گاڑھا ہو جائے تو تھوڑا دودھ اور شامل کر دیں۔ باؤل میں نکال کر اوپر سے سیاہ زیتون سے سجاوٹ کر لیں۔

## گولا کباب پھلیوں کے ساتھ

اجزا

| | |
|---|---|
| گولہ کباب | : بارہ عدد |
| آلو (کیوبز میں کاٹ لیں) | : دو عدد |
| گاجر (چوکور ٹکڑے) | : آدھا کپ |
| مٹر | : آدھا کپ |

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پھلیاں (ٹکڑوں میں کاٹ کر ابال لیں) : آدھا کپ
پیاز (باریک کٹی ہوئی) : دو عدد
ادرک، لہسن کا پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر (پسے ہوئے) : دو عدد
نمک : حسب منشا
لال مرچ : ایک چائے کا چمچ
سفید مرچ : ایک چائے کا چمچ
گرم مسالا پاؤڈر : ایک چائے کا چمچ
ہلدی : آدھا چائے کا چمچ
تیل : آدھا کپ
چکن کیوب : ایک عدد
سفید زیرہ : ایک چائے کا چمچ
ثابت دھنیا : ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا : آدھا کپ

ترکیب: سب سے پہلے تیل گرم کر کے پیاز فرائی کر لیں۔ پھر اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر گولڈن براؤن کر کے تمام مسالے، سبزیاں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ کوشش کریں کہ زیادہ پانی نہ ڈالنا پڑے اور بھاپ ہی میں سبزیاں گل جائیں تاکہ ان کا قدرتی رنگ خراب نہ ہو۔ جب تیل الگ نظر آنے لگے تو کباب شامل کر کے مسالے اور سبزیوں میں مکس کر لیں اور تھوڑا سا پکنے کے بعد گرم مسالا پاؤڈر اور ہرا دھنیا چھڑک دیں۔

## سیخ کباب سبزی کے ساتھ

اجزا

سیخ کباب : دس عدد
آلو : دو عدد
پیاز (باریک لچھے کاٹ لیں) : دو عدد
شملہ مرچ (رنگز میں کاٹ لیں) : دو عدد
لہسن، ادرک کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
تیل : آدھا کپ
ہری مرچیں (سلائسز میں کٹی ہوئی) : چار عدد
ہرا دھنیا (باریک کاٹ لیں) : آدھا کپ
ثابت دھنیا : ایک کھانے کا چمچ
ثابت سفید زیرہ : ایک کھانے کا چمچ
نمک : حسب ذائقہ
ہلدی پاؤڈر : آدھا کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچ
گرم مسالا پاؤڈر : ایک کھانے کا چمچ
پانی : آدھا گلاس
لیموں کا رس : دو کھانے کے چمچ

ترکیب: آلو چھیل کر قتلیوں کی شیپ میں کاٹ لیں۔ اب تیل گرم کر کے سیخ کباب تل کر نکال لیں۔ اگر پہلے سے تلے ہوئے ہوں تو انہیں ایک ایک انچ کے ترچھے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ اسی تیل میں لہسن، ادرک کا پیسٹ فرائی کر کے آلو، تمام مسالے (گرم مسالے کے علاوہ) اور پانی شامل کر کے پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب پانی خشک ہو جائے اور آلو بھی گل جائیں، تو سیخ کباب، شملہ مرچ، پیاز اور ہری مرچ شامل کر کے بھونیں۔ دو تین منٹ بھوننے کے بعد لیموں کا رس، ہرا دھنیا اور گرم مسالا چھڑک کر چولہا بند کر دیں۔ یہ ڈش نان یا چاول دونوں کے ساتھ بہت لطف دے گی۔

## قیمہ یخنی پلاؤ

اجزا

قیمہ : ایک کلو
چاول (بھگو دیں) : دو پیالی
نمک : حسب ذائقہ
ادرک، لہسن کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
پیاز (باریک کاٹ لیں) : تین عدد
ثابت گرم مسالا : ایک کھانے کا چمچ

www.pakistanipoint.com

| | |
|---|---|
| لال مرچ پاؤڈر | : ایک کھانے کا چمچ |
| ہلدی | : آدھا چائے کا چمچ |
| دھنیا پاؤڈر | : ایک کھانے کا چمچ |
| سفید زیرہ پاؤڈر | : ایک چائے کا چمچ |
| چکن پاؤڈر | : ایک چائے کا چمچ |
| ٹماٹر کا پیسٹ | : دو کھانے کے چمچ |
| ہری مرچیں | : تین سے چار عدد |
| ہرا دھنیا | : آدھی گٹھی |
| تیل | : آدھی پیالی |

ترکیب: سب سے پہلے قیمہ دھو کر چھلنی میں رکھ دیں تاکہ خشک ہو جائے۔ پھر پین میں تیل گرم کر کے گرم مسالا اور سفید زیرہ ڈال کر بھون لیں۔ اب اس میں پیاز سنہری کر کے اور قیمے کے ساتھ دیگر اجزاء شامل کر کے مزید اچھی طرح بھونیں۔ اس کے بعد ڈھائی سے تین پیالی پانی ڈال دیں۔ جب ابال آجائے تو چاول شامل کر کے درمیانی آنچ پر پکنے دیں۔ پانی خشک ہونے لگے تو آنچ ہلکی کر کے دم دے دیں۔ بعد ازاں گرم گرم ڈش میں نکال کر سلاد، رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

## ہرا مسالا چنے

اجزا

| | |
|---|---|
| پیاز (باریک کاٹ لیں) | : ایک عدد |
| چنے (ابلے ہوئے) | : ایک کپ |
| لیموں کا رس | : دو چائے کے چمچ |
| نمک | : حسب ذائقہ |
| لال مرچ (کٹی ہوئی) | : آدھا چائے کا چمچ |
| ہری مرچیں | : حسب ضرورت |
| دھنیا | : ایک گٹھی |
| پودینہ | : ایک گٹھی |
| چاٹ مسالا | : آدھا چائے کا چمچ |
| املی کا گودا | : حسب منشا |

ترکیب: دھنیا، پودینہ اور ہری مرچیں پیس کر چٹنی بنا لیں۔ پین میں تیل گرم کریں اور چٹنی سمیت تمام مسالے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ پھر املی کا گودا شامل کر کے تھوڑا پکنے دیں۔ پھر چنے ڈال کر اچھی طرح بھونیں اور لیموں کا رس چھڑک کر چولہا بند کر دیں۔ اب ایک پیالے میں لیموں کے قتلوں، ٹماٹر اور ہری مرچ سے سجا کر پیش کریں۔

## فرائیڈ چائنیز چکن

اجزا

| | |
|---|---|
| چکن بون لیس | : بارہ پیس |
| ثابت لال مرچ | : حسب ضرورت |
| سرکہ | : ایک کھانے کا چمچ |
| سویا سوس | : چار چائے کے چمچ |
| بادیان کے پھول | : دو یا تین عدد |
| دار چینی | : ایک ٹکڑا |
| ادرک، لہسن کا پیسٹ | : دو کھانے کے چمچ |
| پیاز (باریک کٹے ہوئے) | : ایک کپ |
| تیل | : چار کپ |
| کارن اسٹارچ (مکئی کا سفوف تھوڑے سے پانی میں گھول لیں) | : دو چمچ |
| پانی | : ایک کپ |
| چینی | : دو چائے کے چمچ |

ترکیب: چکن ڈیپ فرائی کر کے ایک پیالے میں نکال لیں۔ پھر اسی تیل میں (اگر ضرورت ہو تو مزید تیل ڈال سکتے ہیں) ادرک، لہسن کا پیسٹ، پیاز، بادیان کے پھول، دار چینی اور ثابت لال مرچ ڈال کر فرائی کر لیں۔ اس کے بعد چکن، چینی، سویا سوس، سرکہ اور ایک کپ گرم پانی ڈال کر درمیانی آنچ پر پکنے دیں۔ جب پانی خشک ہو کر تیل نظر آنے لگے تو کارن اسٹارچ شامل کر کے گریوی خشک کر لیں۔ اس کے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بعد کھلی ڈش میں نکال کر اطراف میں کھیرے کے قتلے سجا کر سرو کریں۔

## پوری پراٹھا

اجزا

| | | |
|---|---|---|
| آٹا | : | آدھا کلو |
| نمک | : | آدھا چائے کا چمچ |
| گھی یا تیل | : | دو کھانے کے چمچ |
| چینی (پسی ہوئی یا تھوڑے سے پانی میں گھول لیں) | : | آدھا کھانے کا چمچ |

ترکیب: تمام اجزا مکس کر کے نرم ڈو بنا لیں۔ اب اس کی بالز بنا کر برش کی مدد سے تیل لگا کے پانچ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد تیل گرم کر کے پوری اسٹائل میں پراٹھے بیل کر کڑاہی میں فرائی کر لیں۔

## آلو کی ترکاری

اجزا

| | | |
|---|---|---|
| آلو (ابال لیں) | : | آدھا کلو |
| سرخ مرچ پاؤڈر | : | ایک کھانے کا چمچ |
| نمک | : | حسب ذائقہ |
| ہلدی | : | ایک چوتھائی چائے کا چمچ |
| دھنیا پاؤڈر | : | ایک چائے کا چمچ |
| کلونجی | : | ایک چوتھائی چائے کا چمچ |
| ثابت لال مرچ | : | چھے سے آٹھ عدد |
| لیموں کا رس | : | آدھا چائے کا چمچ |
| تیل | : | حسب ضرورت |

ترکیب: ایک پین میں تیل گرم کر کے آلو کے سوا تمام اجزاء ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کر کے ابال آنے تک پکا لیں۔ اس کے بعد ابلے ہوئے آلو موٹے موٹے کچل کر اس میں شامل کر دیں اور ہلکی آنچ پر کچھ دیر تک پکنے دیں۔ آخر میں ثابت لال مرچ کا بگھار لگا دیں۔

## مونگ کی دال کے بڑے

اجزاء

| | | |
|---|---|---|
| مونگ کی دال | : | ایک کپ |
| ادرک | : | ایک انچ کا ٹکڑا |
| ہری مرچیں | : | تین عدد |
| زیرہ | : | ایک چائے کا چمچہ |
| ہرا دھنیا | : | آدھا کپ |
| نمک | : | حسب ذائقہ |
| کھانے کا سوڈا | : | ایک چوتھائی چائے کا چمچہ |

دہی کے لیے:

| | | |
|---|---|---|
| دہی (پھینٹ لیں) | : | آدھا کلو |
| نمک | : | حسب ذائقہ |
| ہرا دھنیا | : | آدھی گٹھی |
| ہری مرچیں | : | تین عدد |
| لہسن کے جوے | : | دو عدد |
| زیرہ (کٹا ہوا) | : | ایک چائے کا چمچہ |
| چینی | : | ایک چائے کا چمچہ |

ترکیب: دال کو بھگو کر پانی نکال کر ادرک، ہری مرچیں، زیرہ، ہرا دھنیا، نمک اور کھانے کے سوڈے کے ساتھ پیس لیں اور کباب کے سائز کے پیڑے بنا لیں، گرم تیل میں ڈال کر پکائیں۔ آنچ کم رکھیں کہ کچا نہ رہ جائے اور تلنے کے بعد انہیں نمک ملے پانی میں ڈال دیں۔ نمک، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، لہسن، زیرہ اور چینی گرائنڈر میں پیس لیں اور دہی میں مکس کر لیں۔ اب بڑے پانی سے نکال کر نچوڑ کر دہی میں ڈالیں اور سرو کریں۔ چاہیں تو میٹھی چٹنی اوپر سے ڈال لیں۔

.....☆.....

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

شہلا مشائق

# سنگھار

بالوں کے بارے میں بات کی جائے تو گھنی زلفوں اور اس کی خوب صورتی کو بیان کرنے کے لیے اردو شاعری بھی پیچھے نہیں رہی۔ ایک موقع پر میر تقی میر نے کہا تھا کہ

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

زلفوں کے بارے میں کئی شعراء نے اشعار کہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی عورت کے حسن کا راز اس کی حسین زلفوں کو ہی مانا جاتا ہے۔

زمانہ قدیم سے خواتین اپنے بالوں پر خصوصی توجہ دیتی آئی ہیں۔ وہ اپنے بالوں کو بڑھانے اور انہیں خوب صورت دکھانے کے لیے جتن بھی کرتی رہی ہیں، اس کے لیے وہ گھروں میں ہی مختلف ٹوٹکے آزماتی ہیں تاکہ ان کے بال اچھے ہو جائیں۔ اب تو چونکہ بیوٹی پارلرز آ گئے ہیں، اسی لیے خواتین وہاں جا کر اپنے بالوں کے مسائل کو حل کروا لیتی ہیں مگر بہت سی لڑکیاں پارلرز کی جانب سے فراہم کی جانے والی مہنگی سروسز پر خرچا نہیں کر سکتیں، اس لیے انہیں گھر بیٹھ کر ان مسائل کو حل کرنے والے نسخوں اور ٹوٹکوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مضمون میں خواتین کو بالوں کے لیے مختلف نسخے بتائے جا رہے ہیں جنہیں آزما کر وہ اپنے بالوں کو سلکی اور چمکدار بنا سکتی ہیں۔

ایلو ویرا جیل: ایلو ویرا نہ صرف بالوں کو قدرتی چمک فراہم کرتا ہے بلکہ اس کی وجہ سے بالوں کی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ وہ لڑکیاں جنہیں بال سیدھے کرنے کے لیے اسٹریٹنر استعمال کرنے کی عادت ہے، انہیں چاہیے کہ وہ اس کی جگہ بالوں میں ایلو ویرا جیل کا استعمال کریں، کیونکہ اس کا جیل اگر بالوں میں لگایا جائے تو اس کی وجہ سے بال سیدھے ہو جاتے ہیں۔ بالوں کے لیے ہیئر ماسک بنانے کے لیے ایلو ویرا جیل دو کھانے کے چمچ، اس میں ایک کھانے کا چمچ پانی ڈالیں، اس کے ساتھ ہی ایک کھانے کا چمچ عرق گلاب ڈالیں۔ ان تمام چیزوں کو مکس کر لیں۔ اس کے بعد اس میں دو کھانے کے چمچ بادام کا تیل اور دو کھانے کے چمچ ٹی ٹری آئل ڈالیں۔ ان سب چیزوں کو آہستہ آہستہ کر کے ڈالیں اور مکس کرتی جائیں۔ اب بالوں کو پانی سے تھوڑا سا گیلا کر لیں، پھر بالوں میں اس مکسچر کو لگاتی جائیں، خاص طور پر بالوں کے سروں پر لگائیں۔ بالوں اور سر کی جلد میں اچھی طرح اس مکسچر کو لگانے کے بعد سر پر شاور کیپ یا کوئی پلاسٹک کی ٹوپی پہن لیں۔ دو گھنٹے اس مکسچر کو لگائے رکھیں، اس کے بعد سادے پانی سے بالوں کو دھو لیں۔ اس نسخے کو استعمال کرنے سے بال نرم و ملائم اور چمکدار ہو جائیں گے۔ اچھے نتائج کے لیے نسخے کو ہفتے میں دو مرتبہ آزمائیں۔

لیموں اور کوکونٹ ملک ماسک: ایک چوتھائی کپ کوکونٹ ملک میں ایک کھانے کا چمچ لیموں کا عرق ڈالیں۔ دونوں چیزوں کو اچھی طرح مکس کریں۔ اب اس مکسچر کو ریفریجریٹر میں رات بھر کے لیے رکھ دیں۔ دوسرے دن مکسچر کو بالوں میں اچھی طرح لگائیں اور اسے آدھے گھنٹے لگائے رکھیں۔ اب ایسا شیمپو جس

www.paksociety.com

میں سلفر نہ ہو، اس سے بالوں کو دھولیں۔ بالوں کو دھونے کے لیے نیم گرم پانی استعمال کریں۔ اس نسخے کو باقاعدگی سے استعمال کی وجہ سے بالوں کا روکھا پن ختم ہوجاتا ہے اور وہ سلکی لگنے لگتے ہیں۔

کیلا اور انڈہ: چھلکے کے ساتھ ہی ایک کیلے کو بلینڈر میں ڈال کر اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔ جب پیوری بن جائے تو اس میں دو انڈوں کی زردی ڈال دیں۔ بالوں کو نیم گرم پانی کی مدد سے ہلکا سا گیلا کرلیں، بالوں کی جڑ سے سرے تک اس آمیزے کو اچھی طرح لگائیں اور پھر دو گھنٹے کے لیے بالوں پر پلاسٹک کی کیپ پہن لیں۔ اس کے بعد بالوں کو نیم گرم پانی سے دھولیں۔ اس نسخے کو ہفتے میں تین مرتبہ آزمائیں اور بالوں کو چمکدار بنائیں۔

جو اور کیلا: دو کھانے کے چمچ جو کو ابال لیں اور اسے بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ اس میں ایک عدد کیلا ڈالیں اور اسی طرح بلینڈ کرکے ایک مکسچر سا بنا لیں۔ اب اس میں ایک وٹامن ای کا کیپسول ڈال کر مکس کریں۔ اس کے بعد اسے بالوں میں لگائیں۔ تیس منٹ لگائے رکھیں، اس کے بعد بالوں کو کسی اچھے شیمپو سے دھولیں۔

تیل کا مساج: بالوں کی لمبائی کو مدنظر رکھتے ہوئے کھوپرے یا زیتون کا تیل لے لیں۔ اس تیل کو چند سیکنڈز کے لیے گرم کریں اور پھر اس کا بالوں کی جڑوں میں پندرہ منٹ تک مساج کریں۔ بالوں میں تیل لگائیں، پھر گرم پانی میں تولیے کو بھگو کر نچوڑ لیں۔ اس تولیے کو بالوں کے گرد تیس منٹ کے لیے لپیٹ دیں۔ پینتالیس منٹ تیل کو بالوں میں اسی طرح لگائے رکھیں اور اس کے بعد سر کو دھولیں۔ ہفتے میں دو مرتبہ اس عمل کو دہرائیں۔ کھوپرے کے تیل میں ٹریگلی سیرائڈ موجود ہوتا ہے جو کہ بالوں کے روکھے پن کو ختم کرتا ہے۔ زیتون کے تیل میں اینٹی آکسیڈنٹس، فیٹی ایسڈز اور وٹامن ای موجود ہوتا ہے جو کہ بالوں کی چمک کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کی نشوونما بھی کرتا ہے، جس سے زلفیں گھنی اور چمکدار ہوجاتی ہیں۔

دہی اور آملہ پاؤڈر: ایک کپ دہی میں دو کھانے کے چمچے آملہ پاؤڈر ملائیں۔ اس ماسک کو بالوں میں اچھی طرح لگائیں، پھر بالوں میں شاور کیپ یا پلاسٹک کی کوئی ٹوپی پہن لیں۔ تیس منٹ بعد اسے شیمپو سے دھولیں۔ دہی میں موجود وٹامن بی 5 اور وٹامن ڈی بالوں کی صحت کو بہتر بناتا ہے، اس کے استعمال سے بال مضبوط ہوتے ہیں۔ دہی کی وجہ سے بالوں سے خشکی کا خاتمہ ہوتا ہے، آملے میں وٹامن سی موجود ہوتا ہے جو کہ بالوں کو تیزی سے بڑھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

انڈہ، زیتون کا تیل اور شہد: ایک انڈہ لے کر اسے پھینٹ لیں، اس میں ایک کھانے کا چمچ زیتون کا تیل اور ایک کھانے کا چمچ شہد ملائیں۔ تمام چیزوں کو بلینڈر میں ڈال کر بلینڈ کرلیں۔ اب اس ماسک کو بالوں میں لگائیں اور پھر تیس منٹ کے لیے سر پر پلاسٹک کا کیپ پہن لیں۔ اس کے بعد سادے پانی سے سر کو دھولیں۔ آخر میں کنڈیشنر سے بالوں کو دھو لیں۔ اس مکسچر کو ہفتے میں دو مرتبہ ضرور آزمائیں۔ انڈے میں پروٹین وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے جو کہ بالوں کی چمک کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ خشک و روکھے بالوں کو بھی نرم و ملائم بناتا ہے۔

سر کی جلد کی چکناہٹ دور کرنے اور زلفوں کو چمکدار بنانے کے لیے لڑکیاں دہی استعمال کریں، اس ہیئر ماسک کو بنانے کے لیے چار چمچے دہی لے کر اسے اچھی طرح پھینٹ لیں۔ پھر اس دہی کو سر پر بیس منٹ تک لگائے رکھیں اس کے بعد بالوں کو دھو لیں۔ اس نسخے سے بال چمکدار ہوجاتے ہیں۔

.....☆.....

WA.COM/ZEEFIL
www.Pakistanipoint.com